

سیرۃ النعمان

یعنی

امام عظیم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری حصہ اول و دوم
اس کتاب کے پہلے حصے میں امام ابو حنیفہ کا نام و نسب - ولادت و سن - رشد و تعلیم
تربیت - شیخ و حدیث - درس و افتاء - بقیہ زندگی اور دیگر تعلقات - وفات - عام خلافت
عادات - مناظرات - فتاویٰ - ذہانت و طباعی - اس قسم کے حالات نہایت پیل سے مذکور ہیں
دوسرے حصے میں امام صاحب کے اصول اور مسائل سے جو علم کلام اور فن حدیث
سے متعلق ہیں تفصیلی بحث ہو اور واقعات اسانید کے ساتھ ثابت کیا گیا ہو کہ فن حدیث
میں ان کا کیا پایہ تھا - فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہو کر حسین مدنی کے تاریخی حالات کے
ساتھ وہ تمام خصوصیتیں تفصیلاً بیان کی گئی ہیں جن کی وجہ سے فقہ حنفی کو اور امام کے فقہوں
پر ترجیح حاصل ہو خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے مختصر حالات
میں آئے ہیں۔
مولفہ مولانا محمد شبلی نعمانی صاحب مہتمم اتحاد علماء
سید ظہور الحسن (مالک اخبار قومی نسرق) کاغذ حسن تجارت علی کثرہ نظام الملک

قومی پریس دہلی دین جھپائی

مختصر فہرست کتب کارخانہ حسن التجارت دہلی زیر جامع مسجد

| | | |
|--|-------------------------------------|--------------------------------------|
| سماں شریف مترجم۔ یہ حامل تفسیر | دربادی کے عبرتناک حالات درج | تسلیم کیا گیا ہے مع رسالہ البحر |
| بہت خوش خط اور نہایت جانفشانی | ہیں یہ قدیم تاریخ آجکات نہیں چھپی | قیمت فی جلد ہر |
| اور محنت سے تیار ہوئی ہے اور تیر | مترجمہ مولوی محمد علی خالصاشرشی | الہارون نے سولہ عمری خلیفہ |
| اسکی صحت میں بہت ہی جانکاہی کی | قیمت فی جلد ہر | ہارون الرشید اعظم مع نقشہ سلطنت |
| گئی ہے امید ہے کہ مسلمان اسے | المامون مصنفہ مولانا مولوی | عباسیہ دارالخلافت بغداد عمر |
| دیکھ کر خوش ہوں گے اس سے بہتر | شبلی اس کتاب کے دو حصے ہیں | مقدس نازنین یا پوپا گینس |
| اور سستی چائلہ دوسری جگہ نہیں | پہلے میں تمہید۔ ترتیب خلافت | نہایت عجیب و غریب ناول ہے |
| میلگی قیمت مع جلد تقری ہر | مامون رشید کی ولادت تعلیم و | مصنفہ شریک صوفی قیمت ہر |
| سفر نامہ روم و مصر و شام و اٹلی | تربیت۔ ولیعہدی۔ تحت نشانی | فردوس برین نہایت ہی حیرت |
| مولانا شبلی کا سفر نامہ چین و قسطنطنیہ | خانہ جنگیان فتوحات ملکی وفات کے | انگریز ناول ہے جیسے بی مارا علی کا |
| بیت المقدس قاہرہ وغیرہ کے | حالات۔ دوسرے حصے میں ان | سفر اور جنت الفردوس کی سیر |
| چشم دید حالات و واقعات ترکوں | مراتب کی تفصیل ہے جسے اس عہد | اور رطف یہ کہ بالکل تاریخی مضامین |
| اور عربوں کے اخلاق و عادات | کے ملکی حالات اور مامون الرشید | فرقہ فرامطہ و باطنیہ کی تاریخ فی عہد |
| درج ہیں یہ کتاب قابل دید ہے عہدہ | کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ | فلور اقلوز مڈا نہایت دلکش |
| چکنے دلائی کا غر پر چھپائی گئی ہے | ہو سکتا ہے نیز ادن کا مامون | اور دلپراثر کرنے والا ناول اسپین |
| قیمت فی جلد ہر | کی تفصیل ہے جنگی وجہ سے مامون | کے عیسائیوں کا مجنونانہ تعصب |
| تاریخ بابل و نینوا۔ شہر بابل و نینوا | الرشید کا عہد عموماً شاہان اسلام کے | اور اسلامی خلافت کی سعادت |
| کے حیرتناک واقعات انکی تباہی و | عہد سے علمی حیثیت سے ممتاز | پروری قیمت ہر |

فہرست مضامین کتاب سیرۃ النعمان

MA LIBRARY, AMU

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|---|------|--------------------------------------|
| ۷۷ | ذکر و عبادت | ۶۰ | امام ابو حنیفہ بغداد میں طلبہ کے گئے |
| ۷۸ | ہجرت پیری | ۷۱ | عہدہ قضا سے انکار |
| ۷۹ | تقسیم اوقات | ۷۲ | قید |
| ۸۲ | نفع یدین کے مسلمان امام دزاعی سے مناظرہ | ۷۳ | امام صاحب کو زہر دیا گیا |
| ۸۳ | قرأت خلف الامام | ۷۴ | سباغہ آمیز روایتیں |
| ۸۴ | ایک خارجی سے گفتگو | ۷۵ | امام صاحب کا حلیہ اور گفتگو |
| ۸۵ | فتاویٰ بصری سے مناظرہ | ۷۶ | درباری ٹوپی |
| ۸۶ | یحییٰ بن سعید سے مناظرہ | ۷۷ | وظیفہ خواری سے اجتناب |
| ۸۷ | قاضی ابن ابی لیلیٰ کے فیصلہ پر نگہ چینی | ۷۸ | آزادی اور بے نیازی |
| ۸۸ | دیانت | ۷۹ | بلاغرض حتی گوئی |
| ۸۹ | استغنا | ۸۰ | تجارت اور دیانت |
| ۹۰ | رائے و تدبیر دیانت و طباعی | ۸۱ | فیاضی |
| ۹۱ | قاضی ابو یوسف کیلئے جو ہدایت نامہ | ۸۲ | شاگردوں کے ساتھ سلوک |
| ۹۲ | لکھا تھا اسکے بعض مقامات | ۸۳ | حلم و عفو |
| ۹۳ | حکیمانہ مقولے | ۸۴ | بہرہ رسی اور ہمسائیگی کا لحاظ |
| ۹۴ | امام صاحب کے بعض اشعار | ۸۵ | والدہ کی خدمت |
| ۹۵ | دیانت و طباعی | ۸۶ | رقت طبع و استقلال |
| ۹۶ | ظرافت | ۸۷ | حفظ نسیان |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|--|------|--|
| | { بخاری و سنن سے روایت | ۱۰۵ | فقہ اکبر |
| | { نہیں کرتے تھے۔ | ۱۰۶ | العالم والمنعم |
| ۱۲۹ | اہل الائمہ کی تحقیق رسیۃ الائمہ | ۱۰۷ | مسند خوارزمی |
| ۱۱۰ | { جو لوگ اہل الائمہ کے لقب | ۱۰۸ | فقہ اکبر |
| ۱۱۱ | { سے مشہور تھے۔ | ۱۱۱ | اعمال جزا ایمان نہیں ہیں |
| ۱۱۲ | محدثین میں دو گروہ تھے | ۱۱۲ | ایمان اور عمل۔ جدا گانہ چیزیں ہیں |
| ۱۳۰ | { امام صاحب کے اہل الائمہ کے لقب | ۱۱۳ | جو لوگ مرجیہ کہلائے |
| ۱۱۵ | { سے مشہور ہونے کی وجہ | ۱۱۴ | امام صاحب کی تحریر |
| ۱۳۱ | ایک اور وجہ | ۱۱۸ | ایمان کم و زیادہ نہیں ہوتا |
| ۱۱۹ | امام ابو حنیفہ کا محدث اور حافظ احادیث | ۱۱۹ | متعلق ایمان میں سب برابر ہیں |
| ۱۲۱ | ہونا۔ | ۱۲۱ | امام صاحب اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے |
| ۱۳۲ | { اجتہاد کی شروط اور امام ابو حنیفہ کا | ۱۲۲ | اہل قبلہ سب مومن ہیں |
| ۱۲۳ | { مجتہد مطلق ہونا | ۱۲۳ | مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں |
| ۱۲۴ | محدث ذہبی نے امام ابو حنیفہ کو حافظ حدیث | ۱۲۴ | خلفائے اربعہ کی قلت روایت |
| ۱۲۵ | { میں محسوب کیا ہے۔ | ۱۲۵ | { بخاری و مسلم نے امام شافعی کے واسطے سے |
| ۱۳۵ | سلسلہ حدیث کی مختصر تاریخ | ۱۲۶ | { کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ |
| ۱۳۶ | حضرت عمر کثرت روایت کو روکتے تھے | ۱۲۷ | { جو شخص ایمان کی حقیقت میں عمل |
| ۱۳۷ | حدیثوں کا وضع کیا جانا | ۱۲۸ | { کو دخل نہیں سمجھتا تھا امام |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|--|------|--|
| ۱۴۸ | یا زیادتی ہو گئی اوس کی مثالیں | ۱۳۸ | وضع حدیث اور روایت میں بے احتیاطی |
| ۱۴۹ | { روایت بالمعنی کے متعلق امام ابو حنیفہ | | { کے اسباب |
| ۱۵۱ | { کے اصول | ۱۳۹ | { نزاعوں کے چودہ ہزار حدیثیں وضع کیں |
| ۱۵۲ | { اصول روایت | | { ایک شخص نے چار ہزار حدیثیں وضع کیں |
| ۱۵۳ | { جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو | ۱۴۰ | { امام صاحب کا خیال تھا کہ بہت کم |
| ۱۵۵ | { صحیح نہیں | | { حدیثیں صحیح ہیں |
| ۱۵۶ | { مخالفت قیاس | | { اس خیال کا ایک بڑا سبب |
| ۱۵۷ | { امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ وہ حدیث | ۱۴۱ | { ام مالک دامام ابو حنیفہ کی شروط |
| ۱۵۸ | { کے مقابلہ میں قیاس کا اعتبار نہیں کرتے | | { روایت قریب متعین ہیں |
| ۱۶۰ | { قیاس کے ایک اور سنے | | { امام شافعی کا قول تھا کہ صحیح حدیثیں |
| ۱۶۱ | { مراتب احادیث کا تفاوت | | { بہت کم ہیں |
| ۱۶۲ | { متواتر | ۱۴۲ | { امام صاحب نے روایت کسے کیا |
| | { شہید | | { شرح میں مقرر کیں |
| ۱۶۳ | { احاد | ۱۴۳ | { اخیر ناودشت کی مفہوم کی وسعت |
| ۱۶۴ | { احاد کی طنی الثبوت ہونے کی تحقیق | | { ابراہیم سے روایت |
| ۱۶۵ | { معتمد روایتیں | ۱۴۴ | { روایت بالمعنی |
| ۱۶۶ | { رجال کی تنقید | | { روایت بالمعنی میں صحابی کی احتیاط |
| ۱۶۷ | { اراستے مطلب | | { صحابہ سے اراستے مطلب میں ہو گئی |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|--|------|---|
| ۱۹۱ | سائل فقہ کی تقسیم | ۱۴۱ | خبر واحد قطعی نہیں |
| ۱۹۲ | تشریحی اور غیر تشریحی احادیث کا فرق | ۱۴۲ | خبر واحد میں صحابہ سے شک کیا |
| ۱۹۳ | جو سائل تشریحی سائل نہیں ہیں | ۱۴۳ | اس قاعدہ کا اثر علم کلام کے مسائل پر |
| ۱۹۴ | استنباط احکام کی ابتداء | ۱۴۵ | فقہ کی مختصر تاریخ |
| ۱۹۵ | واصل بن عطاء نے اصول فقہ کے بعض | ۱۴۷ | مجتہدین صحابہ |
| ۱۹۶ | قاعدے بیان کئے | ۱۴۸ | حضرت علی |
| ۱۹۷ | اصول فقہ کی کلیات | ۱۴۹ | عبداللہ بن مسعود |
| ۱۹۸ | فقہ کا دوسرا حصہ | ۱۵۰ | ابراہیم نخعی |
| ۲۰۳ | کیا فقہ حنفی رومن لائے ماہ ۷۰۰ء | ۱۵۱ | امام ابو حنیفہ کی فقہ کی ندوین کا خیال |
| ۲۰۴ | فقہ حنفی کی خصوصیتیں فقہی نسخی کا اصول | ۱۵۲ | کیونکہ پیدا ہوا |
| ۲۰۵ | عقلم کے موافق ہونا | ۱۵۳ | تلافی جو فقہ کی مدد میں تمہیک تھے |
| ۲۱۳ | دوسری خصوصیت فقہ حنفی کا آسان | ۱۵۴ | طریقہ تدریس |
| ۲۱۴ | اوپر سہل ہونا | ۱۵۵ | اس مجموعہ کا رواج |
| ۲۱۶ | سرفہ کے احکام | ۱۵۶ | امام صاحب کے زمانہ میں جو مجموعہ فقہ مرتب |
| ۲۱۷ | تیسری خصوصیت | ۱۵۷ | ہوا غلط ۵۰۰۰۰۰۰۰ ہونگیا |
| ۲۱۸ | فقہ حنفی میں معاملات کے متعلق جو | ۱۵۸ | سنالین اکثر حسنی سے |
| ۲۱۹ | قاعدے میں رہنمائی دینے | ۱۵۹ | حقیقی فقہ کے حسن قبول کا سبب |
| ۲۲۰ | مجتہدین کے واقع ہیں | ۱۶۰ | اور مجتہدین کے رواج دینے کے اسباب |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|---------------------------------------|------|--|
| ۲۴۲ | مقتدی کو قرأت فاتحہ ضروری نہیں | ۲۱۹ | نکاح کے مسائل |
| ۲۴۳ | کتابا خطروالا باحتہ اپنے حلال و حرام | ۲۲۰ | حرمات نکاح |
| ۲۴۴ | باب کا باب | ۲۲۱ | معاملہ نکاح میں اختیار |
| ۲۴۵ | باب انجائیات | ۲۲۳ | عقد نکاح کا استحکام |
| ۲۴۸ | وراثت | ۲۲۴ | عورتوں کے حقوق |
| ۲۴۹ | نکاح و طلاق | ۲۲۷ | دستورات نکاح |
| ۲۵۰ | نکاحین | ۲۲۸ | چوتھی خصوصیت ذبیہوں کے حقوق |
| ۲۵۱ | نسب و ولادت | ۲۲۹ | پانچویں خصوصیت فقہ حنفی کا نصوص |
| ۲۵۲ | تحصیل علوم کے سامان | ۲۳۰ | شرعی کے موافق ہونا |
| ۲۵۳ | اساتذہ | ۲۳۱ | اس بدگمانی کی تردید کہ فقہ حنفی کے مسائل |
| ۲۵۴ | عہدہ قضا | ۲۳۲ | حدیث کے مخالفین |
| ۲۵۵ | وفات | ۲۳۳ | باب الطہارۃ |
| ۲۵۶ | کثرت حدیث | ۲۳۴ | فرائض وضو |
| ۲۵۷ | تصنیفات | ۲۳۵ | عورت کے چھوٹے سے وضو نہیں ٹھٹھا |
| ۲۵۸ | آزادی کیساتہ اپنے فرائض کا انجام دینا | ۲۳۶ | ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں |
| ۲۵۹ | مخالفین کی تمت آمیز روایتیں | ۲۳۷ | تیمم کا اثنائ نماز میں پانی پر قادر ہونا |
| ۲۶۰ | اولیت | ۲۳۸ | باب الصلاۃ تکبیر تحریر مجزہ نماز نہیں |

تمت بالخیر

ہوستان

سیرۃ النعمان

یعنی

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری

کا

حصہ اول

مؤلف

مولانا محمد شمس الدین نعمانی

قومی پریس ڈپارٹمنٹ، لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

| | |
|---|---|
| <p>حمد و ستایش که بعنوان شصت شیفگانیم و پیوسته تا بخودی پایه نگذار باش هر چه زین است و ز کم یار دانا بزره الفت که بود چو پیچ نعت همانگونه همانسان شصت سجده اگر نیست ازین بوس است دم ز شریعت زن و بشارت سجده و تعظیم و جزم باز دان پا چونی - بر تو نگیریم هیچ</p> | <p>من که درین دایره از دیر یار باز برانم که درین دایره خسته طبع دیگر گشتن بزم دیگر است و تمنا دیگر</p> |
| <p>پای ز خلوت نه نهادم فدا از دل برم از خلق با فدا دیگر شعبه تازه بر انگشتن باده و گر آرم و میسنا دگر</p> | |

ز منزله تازه باز آنگم
 باوه فرستم بجزایان دگر
 زخمه که بر تار سخن میزد نم
 قاعده سحر طس از پست این
 پاچه درین سحر که افشوده ام
 حرمت این کار نگذاشتن ق
 کار من است این حد هر خام نیست
 دست اگر سوخته قیج برده ام
 کان معافی همه کاویده ام
 غارت بتخانه چین کرده ام
 خاک در سبکده باخیزتم
 دایه اگر از دگران خواستم
 فن سیر گرچه بود و پذیر
 گرچه متسع از دگر آورده ام

گرچه مرا شیوه فن این نبود
 پیشتر از گرم طلب بوده ام
 بزم چو آن فره و آن ساز داشت
 لیک چو آن سطر و ساقی نماند

غلطه در حلقم راز قسکم
 از می دوستین قدر ستند تر
 یان بنگر تا بچه فن میزد نم
 نیک نگه کن که چه باز نیست این
 پای فن تا بجز برده ام
 نامه به لعل و گسار نداشتن
 این بود آن س که به هر جا هست
 جائے غیب نخت دل افشوده ام
 کین گری چند فخر اچیده ام
 تا صنی چند گزین کرده ام
 کین می صافی بقصوح ریختم
 چاره نه ز بود از ان خواستم
 نیست در و خود ز روایت گزید
 قطره ز بودم گسار آورده ام

حرف به ارد و زدن آیین نبود
 بادیه پیما کے عسب بوده ام
 ساغر من باوه شیراز و بیت
 بوئے از ان میسکده باقی نماند

| | |
|--|--|
| <p>خوشتر از ان نیز که منجو استم شمع ہما نست - لکن دیگرست بادہ گلگون بسفالینہ جام</p> | <p>برم جسزدگر آراستم اگرچہ سر و برگ سخن دیگرست بادگوارا بہ عزیزان تمام</p> |
|--|--|

ناموران مسلام جس کا ایک حصہ الامون چھپکر شائع ہو چکا ہے۔ اول دن جب
 جھکو اس کا خیال پیدا ہوا تو نہایت وسیع بنیاد پر ہوا۔ جس طرح میں نے خلافت و سلطنت کے
 مختلف خاندانوں سے ہیر و زینت کیے۔ ارادہ تھا کہ اسی طرح عالم و فنون کے جدا جدا
 خاندان قائم کیے جائیں اور جو لوگ ان خاص خاص فنون میں اپنا نظیر بنیں رکھتے تھے انکو
 اس سلسلہ کا ہیر و قرار دیا جائے۔ مگر اتنا بڑا کام تھا میرے بس کا نہ تھا مجبوراً حیثیت
 حکومت کی قید لگا کر میں نے اس وسیع خیال کو بہت کچھ محدود کر دیا۔ بلکہ سلسلہ حکومت
 سے بھی بہت سے خاندان چھوڑے۔ تاہم وہ خیال دل سے نہ گیا کہ فرصت ہو تو اہل کمال
 کا دربار بھی سجایا جائے کہ السیف و القلم تو امان۔

المامون کے بعد میں نے الفاروق لکھنی شریعت کی تھی اور ایک معتد بہ حصہ لکھ بھی
 لیا تھا۔ لیکن بعض مجبوروں سے چند روز کے لئے اس کی تالیف سے ہاتھ اٹھا نا پڑا۔ اس پر
 کوتاہ بینوں نے عجیب عجیب بدگمانیاں کیں۔ حالانکہ بات اتنی تھی کہ بعض نادکتابین جو اس تصنیف
 کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ اور یورپ میں چھپ رہی ہیں ابھی تک پوری چھپکر آئیں چکیں
 اس زمانہ انتظار میں بیٹھا بیٹھا ناوشکل تھا۔ خیال ہوا کہ کسی اور نامور کی لایف شروع کروں لیکن
 یہ دیکھ کر کہ الفاروق نام تمام ہے۔ طبیعت ترک جاتی تھی اور اس میدان میں قدم آکے نہ بڑھ سکتا
 تھا۔ ادھر برہنہ جین نیلے دیتی تھی کہ علمی نام آوردن کے کارنامے دکھانے بھی ضرور ہیں کیونکہ
 اسلام میں تیغ و قلم کا ہمیشہ ساتھ رہا ہے۔

آخر خیال غالب آیا اور چند روز کے لئے خاندان حکومت کو چھوڑ کر علمی سلسلہ کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ فقہ حدیث۔ ادب۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ مختلف خاندان سامنے تھے بعض وجہ سے فقہ کو ترجیح دی اور امام ابو حنیفہ کو جو فقہ کے بانی ہیں اسکا پیرو قرار دیا۔ امام ابو حنیفہ کے اجتہادی مسائل قریباً بارہ سو برس سے تمام ممالک اسلامی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بڑی بڑی عظیم الشان اسلامی سلطنتوں میں ان ہی کے مسائل قانون سلطنت اور آج بھی ہیں۔ اسلامی دنیا کا غالب حصہ ان ہی کے مسائل کا پیرو ہے۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ بلکہ یورپ کی زبانوں میں۔ انکی متحدہ سوانح عمریان لکھی گئیں۔ ظلم تھا۔ اگر انکی لائف خود اردو میں نہ لکھی جاتی جو بلحاظ غالب ان ہی کے پیروں کی زبان ہے۔

امام ابو حنیفہ کو اسلام میں جو رتبہ چھل ہے اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے انکی سوانح عمریان لکھی گئیں کسی کی نہیں لکھی گئیں مسلمانوں میں علم رجال کو جو ترقی ہوئی دنیا میں سبکی کوئی نظیر موجود نہیں۔ تراجم۔ طبقات۔ قرون۔ ذیات۔ اعیان۔ سین۔ وغیرہ کے نام سے جدا جدا عنوان قائم ہوئے۔ اور ایک ایک عنوان کے ذیل میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ انکا شمار بھی مشکل ہے۔ لیکن خاص سیرت (لائف) کے فن کو چندان ترقی نہیں ہوئی۔ علماء شعراء۔ قضاة۔ حکماء میں سے بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں جنکے حالات مستقل تصنیفوں میں لکھے گئے۔ جہاں تک ہمکو معلوم ہے صرف امام ابو حنیفہ ایک شخص ہیں جنکے واقعات زندگی کے ساتھ معمول سے زیادہ اعتنا کیا گیا۔ نہایت کثرت سے انکی سوانح عمریان لکھی گئیں اور ان ناسوروں نے لکھیں جو خود اس قابل تھے کہ انکی مستقل سوانح عمریان لکھی جاتیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہ کا ہمسر ہے تو صرف امام شافعی ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے حالات میں جتنی کتابیں لکھی گئیں ان میں سے جتنی ہم تحقیق کر سکے ہیں ان میں

| نام کتاب | نام مصنف | کیفیت |
|--|---|---|
| عقود المرجان | امام احمد بن محمد طحاوی المستوفی ۱۲۷ | امام طحاوی حدیث شریف فقہ کے مشہور امام اور معروف ایک استاد اسلمہ سے امام شافعی کے شاگرد ہیں ان کی تصنیفات میں سے معانی الآثار چھپ چکی ہے۔ یہ عقود المرجان کا خلاصہ ہے۔ |
| قلائد نفوس البراہین الرفیعة الخالصة فی حقہ مناقبہ لہذا | امام احمد بن محمد طحاوی المستوفی ۱۲۷ | امام محمد بن احمد مدینہ میں حاکم سیکہ آستانہ ہیں یہ کتاب بیس جزون میں ہے۔ (ابو ابراہیم المصنف ترجمہ محمد بن احمد) قاضی حنفی بڑے فقیہ اور فاضل حدیث ہیں دارقطنی کے شاگرد تھے۔ مونیخ خطیب نے ان سے روایت کی ہے۔ قاضی ابو الوائظ باجی نے انکو امام الخلیفہ کہا ہے۔ ۳۳۳ھ میں وفات پائی۔ یہ تصنیف میں ایک مختصر کتاب ہے اور امام ابو حنیفہ کی متعلق تصنیفات کا زیادہ تر اخذ یہی کتاب ہے۔ (ابو ابراہیم المصنف فی طبقات الحنفیہ) |
| مناقب النعمان | شیخ ابو عبد اللہ الصمدی حسین بن علی | |

۳۳۳ھ میں وفات پائی۔ یہ تصنیف میں ایک مختصر کتاب ہے اور امام ابو حنیفہ کی متعلق تصنیفات کا زیادہ تر اخذ یہی کتاب ہے۔ (ابو ابراہیم المصنف فی طبقات الحنفیہ)

| نام کتاب | نام مصنف | کیفیت |
|------------------|-------------------------------|---|
| مناقب النعمان | ابو العباس احمد بن الصلت | نہایت مفصل کتاب ہے صاحب کشف الخصال نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے ابو العباس کی تصنیف کی ہے۔ جیسا کہ حنفیوں کی نسبت انکی عام عادت ہے۔ |
| شقیاق النعمان فی | علامہ جبار السمرقندی | زمخشری ایک نامور مصنف ہیں۔ تفسیر کشاف |
| مناقب النعمان | المتوفی ۵۳۸ھ | انکی مشہور کتاب ہے۔ |
| مناقب النعمان | موفق الدین بن احمد | یہ کتاب چالیس بابوں میں ہے۔ موفق الدین |
| | الملکي انوار زمی المتوفی ۵۶۱ھ | علامہ زمخشری کے شاگرد ہیں۔ فقہ و ادب |
| | | میں کامل تھے۔ حافظ بیہولی نے بیئۃ الوعاة |
| | | میں انکا ذکر کیا ہے۔ |
| کشف الآثار | امام عبد العزیز بن محمد | مشہور مصنف ہیں۔ ابن جوزی نے ابو عبد |
| | اسخارشی | سے روایت کی ہے کہ حدیث ابن ادریس کا اعتبار |
| | | نہیں۔ اچھر صاحب جواہر المصنوعہ فرماتے |
| | | ہیں کہ امام عبد العزیز کا رتبہ ابن جوزی و ابویہ |
| | | دونوں سے بڑھ کر ہے۔ |
| مناقب النعمان | امام ظہیر الدین ابن عقیلی | مشہور فقیہ ہیں۔ جواہر المصنوعہ کے مصنف نے |
| | المتوفی ۸۰۰ھ | لکھا ہے کہ قاضی خان انہیں کے شاگرد تھے |
| مناقب النعمان | امام محمد بن محمد الکوری | گیا رد بابون میں ہے اس میں امام کے حالات |

| نام کتاب | نام مصنف | کیفیت |
|-----------------|------------------|--|
| | المتوفی ۱۲۸ | <p>کے ساتھ آنکے مشہور تلامذہ یعنی قاضی ابویوسف</p> <p>امام محمد - عبد البر بن المبارک - امام زفر داؤد</p> <p>اطالی - وکیع بن الجراح -</p> <p>حفص بن غیاث - یحییٰ بن زکریا - حسن بن زیاد</p> <p>کے حات بھی جدا جدا بلوانین لکھتے ہیں۔ یہ</p> <p>کتاب دوم میں بہت مستداول ہو سلطان</p> <p>سراوانی کے حکم سے محمد بن عمر نے ترکی زبان</p> <p>میں اس کا ترجمہ کیا۔</p> |
| سیناقب النعمان | ابوالقاسم بن کاس | <p>عقود و ایحان میں اس کتاب کے اکثر حصے</p> <p>قاضی بن عبد البر ہیں۔</p> |
| کتاب لانتہار فی | المتوفی ۴۶۳ | <p>امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی</p> <p>کے حالات ہیں۔ علامہ بن خلیکان نے</p> <p>قاضی ابویوسف کے ترجمہ میں اس کتاب کا</p> <p>ذکر کیا ہے۔</p> |
| سناقب الثلاثۃ | | |
| الفقہاء | | |
| | | <p>قاضی بن عبد البر بہت بڑے محدث اور</p> <p>امام ہیں۔ انکی کتاب الاستیعاب صحابہ کے</p> <p>حالات میں ایک مشہور اور مستند کتاب</p> <p>ہے۔</p> |

| نام کتاب | نام مصنف | کیفیت |
|-------------------------------------|--|---|
| مناقب النعمان | ابوالقاسم عبدالسمہ بن محمد احمد المعروف بابن ابی العوام | علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے مناقب ایک جداگانہ رسالہ میں لکھے ہیں۔ علامہ ذہبی بہت بڑے محدث تھے اس فن میں اس کے بعد کوئی اس رتبہ کا نہیں ہوا میرزا الاعتدال و کاشف و جمر۔ دودل الاسلام و تذکرۃ الحفاظ کی مشہور کتابیں ہیں۔ |
| المواہب الشریفہ | اس کا ترجمہ ہو گیا ہے جس کا نام تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان ہے۔ | ابجواب المصنیع فی طبقات الحنفیہ الزمین کی تالیف ہے۔ حدیث میں حافظ ثقی الدین سبکی کے شاگرد ہیں۔ مشہور مصنف ہیں۔ |
| بستان فی مناقب النعمان | شیخ محی الدین عبدالقادر القرشی المتوفی ۷۵۵ھ حافظ جلال الدین سیوطی | زیادہ تفصیل آگے آئے گی۔ |
| تبیین الصبیحہ فی مناقب ابی حنیفہ | محمد بن یوسف بن علی الدرستی | |
| عقود البحان فی مناقب النعمان | | |

| نام کتاب | نام مصنف | کیفیت |
|--|--|--|
| انجیرات احسان فی مناقب النعمان قلایہ عقود العقیان | حافظ بن حجر مکی مصنف صواعق محرقہ | مشہور مصنف ہیں مؤلف کا نام معلوم نہیں۔ دیا چھپے معلوم ہوا کہ یمن کا کوئی عالم ہے۔ ترکی میں ہے اور نظم ہے |
| مناقب النعمان | شمس الدین احمد بن محمد الستوای | فارسی زبان میں ہے |
| مناقب الامام الاعظم رسالہ فی فضائل ابی حنیفہ نظم البکمان | شیخ ابوسعید علیق بن داؤد البیہقی شیخ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن قحاق المتوفی ۳۸۰ھ | تین جلدوں میں مکتبہ الامام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف و امام محمد۔ ہر ایک کے حال میں اللہ تعالیٰ کا جوار رحمت ہے۔ ترکی میں ہے۔ |
| مناقب الامام اعظم | مولانا محمد کامی افندی قاضی بغداد المتوفی ۱۳۶ھ | |
| مناقب الامام اعظم | مستقیم زادہ سلیمان سعد الدین افندی | ضخیم کتاب ہے ۲۹۹ھ میں تالیف ہوا ترکی زبان میں ہے |

افسوس ہے کہ یہ کتابیں ہمارے ملک میں ناپید ہیں۔ میرے پاس عقود الجمان و انجیرات
 احسان موجود ہیں۔ اور تلامذہ العقیان کا ایک عقیق نسخہ نظر سے گزرا ہے۔ انجیرات احسان
 اگرچہ اسوجہ سے کہ ابن حجر کی طرف منسوب ہے زیادہ مشہور ہے۔ لیکن وہ خود کوئی مستقل
 تصنیف نہیں ہے بلکہ تاملت عقود الجمان کا خلاصہ ہے اور خود مصنف نے دیباچہ کتاب
 میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ تلامذہ العقیان کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر قاضی
 ضمیری کی تصنیف سے ماخوذ ہے۔ عقود الجمان جو نہایت جامع اور مفصل کتاب ہے
 اور میری تالیف کا عام ماخذ وہی ہے۔ حافظ ابو المحاسن محمد بن یوسف بن علی الدمشقی الصالحی
 نہر بل برقوقیہ کی تصنیف ہے۔ حافظ ابو المحاسن۔ جلال الدین سیدوطی کے شاگرد اور فن حدیث
 میں ممتاز ہیں۔ یہ کتاب جیسا کہ خود مصنف نے خاتمہ میں تصریح کی ہے ربیع الثانی ۹۳۹ میں
 تمام ہوئی۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے حالات میں بہت سی کتابیں دیکھی
 ہیں جن میں سے موفق بن احمد خوارزمی کی تصنیف سب سے عمدہ تر اور جامع ہے۔ کتاب کے خاتمہ
 میں لکھا ہے کہ دین نے اس بحث میں جس قدر کتابیں دیکھیں اگر ان سے لکھنا چاہتا تو یہ کتاب
 دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوتی۔“

امام ابو حنیفہ کے حالات میں مستقل تصنیف تو محض ایک ہی مل سکی۔ لیکن ربہا و تاریخ کی
 مستند کتابیں جن میں امام کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گزریں جن میں تاریخ صغیر بخاری۔ معارف بن
 قتیبہ۔ مختصر تاریخ خطیب بغدادی۔ انساب سمعانی۔ تہذیب الاسماء واللغات للنووسی۔ تذکرۃ
 الحفاظ علامہ ذہبی۔ دول الاسلام لذہبی۔ عبر فی اخبار من غیر لذہبی۔ تہذیب التہذیب حافظ
 بن حجر عسقلانی۔ خلاصہ تہذیب التہذیب للکمال للعلامة صفی الدین الخوارزمی خاتمہ قابل ذکر ہیں
 کیونکہ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر آج فن رجال کا مدار ہے۔ اور حدیثوں کی تنقید کے لئے

زیادہ تر انہیں تصنیفات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

میری کتاب کا پہلا حصہ جس میں امام ابو حنیفہ کے عام حالات ہیں انہیں تصنیفات سے ماخوذ ہے۔ لیکن دوسرا حصہ جس میں امام صاحب کی طرز اجتہاد و اصول استنباط سے بحث ہے اس کے لئے یہ تمام دفتر بیکار تھا۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں سوانح عمریوں کا یہ ڈھنگ ہی نہ تھا کہ حال زندگی کے ساتھ اس شخص کی تصنیفات یا مسائل سے بھی بحث کرتے۔ مناظرہ اور مذہبی حمایت کے پیرایہ میں البتہ ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان سے مسائل اور تصنیفات پر تفصیلی ریویو لکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے مسائل پر جو اعتراضات کئے اور ثابت کیا کہ وہ حدیث کے مخالف ہیں۔ قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۹۷۷ھ نے اس کا مفصل جواب لکھا۔ شمس الامۃ گوری نے منہول کے جواب میں ایک مستقل کتاب لکھی۔ اسی طرح

ترجیع مذہب ابی حنیفہ کے نام سے شیخ اکمل الدین محمد بن محمد الباقی المتوفی ۷۷۷ھ اور شیخ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ البحر جانی المتوفی ۷۹۷ھ نے مستقل کتابیں لکھیں۔ مورخ سبط ابن جوزی نے ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں لکھی جس کا نام الانتصار لامام ائمۃ الامصار ہے۔ اسی مورخ کی ایک اور تصنیف ہے جو تیس بابوں میں ہے اس میں تفصیلاً امام ابو حنیفہ کے مسائل کی عمدگی ثابت کی ہے۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ دوسری کتاب اپنے باب میں بے نظیر ہے، ”ہی

مضمون پر عمر بن محمد سید الموصلی کی ایک تصنیف ہے جس کا نام الانتصار والترجیع ہے سب سے مفصل کتاب۔ الا بات ہے جو قاضی ابو جعفر احمد بن عبدالعزیز القاسم کی تصنیف ہے اور چہ بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ثابت کیا ہے کہ امام کا مذہب اصول سلطنت سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ دوسرا باب اس بحث میں ہے کہ ان کے مسائل حدیث و آثار سے ثابت ہیں چوتھے باب میں ان مسائل کا ذکر ہے جن پر مخالفوں نے اعتراض کیے ہیں۔ پھر نہایت

تفصیل کے ساتھ اس کے جواب دیے ہیں۔ جو اہر مفید کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب
 دیکھی ہے نہایت عمدہ کتاب ہے اور جو دعوے کیا ہے اس کے ثبوت میں بہت سی مثالیں
 دی ہیں۔“

یہ شہداس قسم کی تصنیفات سے بہت بڑی مدد مل سکتی تھی لیکن میں مصنف کثیف الطوآن
 کی سی قسمت کمان سے لانا کمان نایاب تصنیفات پر دسترس پاسکتا۔ بڑی تلاش سے شمس الامم
 کروڑی کا رسالہ ہم پہنچا کہ اس ناواری میں وہ بھی غنیمت ہے۔ بعض ایض باتیں اس رسالہ سے لین
 باقی میل بیچ اور تحقیق ہے۔ جس کے لئے خوش قسمتی سے حدیث و فقہ کا بڑا ذخیرہ میرے پاس
 تھا تھا۔

یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ امام ابو حنیفہ کی زندگی کی مختلف حیثیتیں ہیں ولادت
 نشو و نما۔ طریقہ معاش۔ طرز معاشرت وغیرہ۔ اس قسم کے حالات تاریخی پہلے رکھتے ہیں۔ روایت
 میں آئی کا لائق ہونا نہ ہونا محدثانہ بحث ہے۔ ان کے مسائل و طریقہ اجتہاد پر رائے قائم کرنی
 مجتہد کا کام ہے۔ اس لئے جو کتاب ان تمام حیثیتوں پر مشتمل ہوگی ضرور ہے کہ مختلف بحثوں
 میں جو اس کی حیثیتیں بھی بدلتی جائیں۔ اس کا طرز تحریر کہیں مورخانہ ہوگا۔ کہیں محدثانہ
 اور کہیں دونوں پہلوؤں سے الگ مجتہدانہ روش ہوگی۔ اس کتاب میں میں نے ان
 مختلف حیثیتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ جو حالات تاریخ سے متعلق ہیں ان میں وہ شہادتیں کافی بھی
 ہیں جو عام مورخوں کے نزدیک مسلم ہیں۔ جو ائمہ محدثانہ پہلو رکھتا ہے اس میں زیادہ تر تدقیق
 کی ہے اور تمام تر ان اصول سے کام لیا ہے جو محدثین نے اخبار و روایت کے لئے قرار دیے ہیں
 عام ناظرین کو شاید ان بحثوں میں مزنا آئے مگر ایسے ضروری حصہ کو میں کیونکر چھوڑ سکتا تھا عام
 تاریخی واقعات میں گورۃ حدیث کی طبع ہال کی کھال نہیں نکالی ہے تاہم کوئی ایسا

واقعہ نہیں لکھا جس کی سند موجود نہ ہو۔ ساتھ ہی اس کا التزام کیا ہے کہ ایسی کتاب کا حوالہ نہ دیا جائے جو خود میری نظر سے نہ گزری ہو کیونکہ نقل و نقل ہو کر اکثر دایتین اپنی حالت پر قائم نہیں رہتیں۔ ان احتیاطوں کے ساتھ بھی ممکن بلکہ ضرور ہے کہ مجھے مسامحت اور غلطیان ہوں ہوں۔ لیکن میں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا۔ وقال اللہ تعالیٰ لَا يَكْفُرُ اللَّهُ
نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

امام ابو حنیفہ کا نام و نسب و ولادت

نعمان۔ نام۔ ابو حنیفہ کنیت۔ امام اعظم نقب۔ شجرہ نسب یہ ہے نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ۔ یہ امر جیسا کہ خود ناموں کی ترکیب سے ظاہر ہے عموماً مسلم ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کس نسل سے تھے اور عرب میں کیونکر آئے خطیب موصی بغدادی نے امام کے پوتے اسمعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں اسمعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابو حنیفہ مشہد بن پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے انھوں نے انکے اور انکے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی۔ بھکوا امید ہے کہ وہ دعائے اثر نہیں رہی، اسمعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتایا اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ عام طرح پر زوطی اور ماہ مشہور ہے۔ غالباً جب زوطی ایمان لائے۔ تو ان کا نام نعمان سے بدل دیا گیا۔ اسمعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے باپ کا اصلی نام غائب کچھ اور ہو گا اور ماہ اور مرزبان نقب ہوں گے۔ کیونکہ اسمعیل کی روایت بقدر اور بھی ثابت ہے

سنہ مختصر تاریخ بغداد لابن حزم۔ ترجمہ امام ابو حنیفہ ص ۱۱

کہ ان کا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارس میں رہیں شہر کمر زبان کہتے
 اسی نے نہایت قریب قیاس سے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں امام۔ حافظ ابوالمحاسن نے
 قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہونگے، انھوں نے قیاس کہا کیونکہ وہ
 فارسی زبان نہیں جانتے تھے۔ لیکن میں یقیناً کہتا ہوں کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک
 معنی ہیں ماہ دراصل وہی مرہ ہے جسکے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں۔ مشہور مصرع ہے
 مذکر را منزلت مانند مرہ را۔ عربی لہجہ نے مرہ کو ماہ کر دیا ہے۔

بعض مورخوں نے زوطی کی نسبت لکھا ہے کہ کمال سے گرفتار ہو کر گئے اور قیدیہ بنی
 تیمم المدری ایک عورت نے خریدا۔ کچھ دنوں غلامی میں رہے پھر اسے آزاد کر دیا اسی نے امام کل
 خاندان مولیٰ بنی تیمم المدری کہتا ہے، ”مخالفون نے چنکوا امام کی تنقیض میں مرزا آپسے اس روایت
 زیادہ چمکایا ہے حالانکہ اس قسم کی غلامی ثابت بھی ہو تو کسر شان کی کیا بات ہے۔ زمانہ
 نے خاندان کسری پر اس لقب کا دلغ لگایا ہے۔ ہمارے علما حضرت ہاجرہ کو کنیز
 تسلیم کرتے ہیں دگو توریت سے ثابت نہیں اسلام کے قریب تر زمانہ میں اکثر وہ لوگ حدیث
 و روایت کے امام منظر آتے ہیں جن پر اس قسم کی غلامی کا اطلاق ہو چکا تھا۔ امام حسن بصری
 بن سیرین۔ طاووس۔ عطاء بن یسار۔ نافع۔ حکمہ کھول۔ جو اپنے زمانہ کے مقتدا تھے امام
 خود۔ یا اس کے باپ دادا غلام رہ چکے تھے۔

زوطی کا غلام ہونا بھی ثابت ہو تو کچھ عار نہیں لیکن تاریخی شہادتیں اسکے غلام ہیں
 امام کے نسب میں اور بھی اختلافات ہیں ابو سطح نے انکو قسمل عرب سے شمار کیا ہے اور سلسلہ
 نسب یوں بتایا ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد الانصاری
 حافظ ابواسحق نے شجرہ نسب کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے نعمان بن ثابت بن کاؤس بن ہریر

بن ہرلم زوطی کے مقام سکونت میں بھی اختلاف ہے اور یہ اختلافات ضرور ہونے چاہئیں تھے۔ زوطی اول اول جب عرب میں آئے ہوں گے تو برسوں تک آن کی حالت بگاڑی کی حالت رہی ہوگی۔ لوگوں کو آن کے حالات کے ساتھ چندان اعتنا نہ ہوگا اور ہوگا تو زبان کی اجنبیت کی وجہ سے صحیح حالات نہ معلوم ہو سکے ہوں گے۔ معاشرت کی ضرورتوں نے زوطی کو مجبور کیا ہوگا کہ وہ ان کے رہنے والوں سے دوستانہ تعلق پیدا کریں۔ یہ طریقہ عرب میں عام طور پر جاری تھا اور اس قسم کے تعلق کو دلا رکھتے تھے جن کا مشتق مولیٰ ہے۔ مولیٰ غلام کو بھی کہتے ہیں۔ اس طرح لفظی مشارکت سے بعضوں نے زوطی کو غلام سمجھ لیا اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل پکڑ کر کسی قدر عام ہو گیا جس کی وجہ سے اسمیل کو دفع دخل کرنا پڑا واصلہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں لایا۔ اسمیل نہایت ثقہ اور محترم شخص تھے اس وجہ سے دقیقہ سنج مورخوں نے اس بحث میں ان ہی کی روایت پر اعتنا دیا ہے کہ صاحب البیت اور سہری ہا فیہما قاضی صیری نے جو بڑے پایہ کے مصنف ہیں صاف تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف بنے ہم قسم تھے اس روایت کا (جس میں زوطی کی غلامی کا ذکر ہے) یہ حصہ بھی غلط ہے کہ وہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے۔ زوطی کے باپ دادا کے نام فارسی زبان کے ہیں خود امام ابوحنیفہ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے۔ یہہ خطا ہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہ تھی۔

زوطی کی نسبت ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص کس شہر کے رہنے والے تھے۔ مورخوں نے مختلف شہروں کے نام دیے ہیں جن میں سے کسی کی نسبت ترجیح کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا

۱۔ دیکھو قلابہ عقود العقیان باب اول۔ علامہ نووی نے تہذیب لاسا واللغات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مولیٰ

کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے ۱۱

یعنی بطور پر جو ثابت ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ قلم فارسی اور فارسی نسل سے تھے یہ ہمالک
 اس زمانہ میں اسلامی اثر سے معمور تھے اور اکثر بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کرتے جاتے
 تھے۔ غالباً زوطی ہی زمانہ میں اسلام لائے۔ اور جوش شوق۔ یا خاندان دالون کی ناراضی سے
 جن کا باعث تبدیل مذہب تھا۔ عرب کا رخ کیا۔ یہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کا زمانہ
 تھا۔ اور شہر کوفہ دارالخلافہ ہونے کا شرف رکھتا تھا۔ اس تعلق سے زوطی نے کوفہ کو پسند کیا
 اور وہیں سکونت اختیار کی۔ کبھی کبھی جناب امیر کے دربار میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت
 کے آداب بجالاتے۔ ایک بار فہرہ زر کے دن کہ پارسیوں کی عید کا دن ہے فالودہ کے طور پر بچا
 حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نور ذرا نکل یوم ما یعنی دہ خائے ہاں مہرہ و زور و زہے اثابت
 امام ابو حنیفہ کے پند بزرگوار کو فہرہ ہی میں پیدا ہوئے۔ زوطی نے نیک نال لڑکے کو حضرت علی
 کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے بزرگوار کا شفقت فرمایا اور ان کے اعدائے کی اولاد کے حق
 میں دعائے خیر کی۔

ثابت کے حالات زندگی بالکل نامعلوم ہیں۔ قرآن سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ تجارت
 کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ چالیس برس کی عمر ہوئی تو خدا نے فرزند عطا کیا جس کا نام
 والدین نے نعمان رکھا لیکن زمانہ نے آگے چل کر امام اعظم کے لقب سے پکارا۔
 اس وقت عبدالملک بن مروان جو دولت مروانہ کا دوسرا تاجدار شمار کیا جاتا ہے مسند
 آرائے خلافت تھا۔ یہ وہ مہیا کہ محمد تھا کہ رسول اللہ کے جمال مبارک سے جن لوگوں کی انگلیں
 روشن ہوئی تھیں ان میں سے چند بزرگ موجود تھے جن میں سے بعض امام ابو حنیفہ کے آغاز شباب
 تک زندہ رہے۔ اس بن مالک نے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے سلسلہ میں وفات
 پائی۔ اہل بن سعد نے سلسلہ میں انتقال کیا اور ابو الطیفیل عامر بن وائلہ تو سو پچھری تک زندہ

رہے۔ لیکن یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ امام ابو حنیفہؒ نے کسی سے بھی کوئی حدیث روایت کی۔ اگر لوگوں کو نہایت تعجب ہے اور مورخوں نے اسکے مختلف اسباب خیال کئے ہیں۔ بعضوں کی رائے ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس وقت تک کسی قسم کی تعلیم نہیں چل کی تھی۔ انکے باپ دادا تجارت کرتے تھے۔ اسی لئے انکا لشو و نما بھی ایک عام لاجر کی حیثیت سے ہوئی۔ بڑے ہونے پر امام شعبیؒ کی روایت سے علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا یعنی صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا۔

لیکن میرے نزدیک اسکی ایک اور وجہ ہے۔ محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لئے کم از کم کیا عمر مشروط ہے۔ اس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درس گاہ میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ انکے نزدیک چونکہ حدیثین بالمعنی روایت کی گئی ہیں اسی لئے ضرور ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کے سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے۔ غالباً یہی قید تھی جسے امام ابو حنیفہؒ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا اور سچ پوچھو تو یہ قید مصلحت سے خالی ہی نہیں جن لوگوں نے دس بارہ برس کے سن میں صحابہ سے حدیثیں سنیں انکی روایتیں اس لحاظ سے تو نہایت قابل اعتماد ہیں کہ رسول اللہؐ تک صرف ایک واسطہ ہے۔ لیکن اس بات کا تو ہی احتمال موجود ہے کہ کم سنی کی وجہ سے مضمون حدیث کی تمام خصوصیتیں خیال میں نہ آئی ہوں جسکی وجہ سے ادائے مطالب میں عظیم اشران غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

بہر نوح وجہ کچھ ہو واقعہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی تاہم یہ شرف انکی قسمت میں تھا کہ جن انکھوں نے پیغمبرؐ کا جمال دیکھا تھا انکے دیدار سے عقیدت کی انکھیں

تابعیت کی
بحث

روشن کین۔ یہ واقعہ ایک تاریخی واقعہ ہے لیکن چونکہ اس سے تابعیت کا رتبہ چل ہوتا ہے اسلئے یہ مسئلہ مذہبی پیرائے میں لگایا ہے اور اسپر بڑی بڑی بحثیں قائم ہو گئی ہیں بے شبہ امام ابو حنیفہ کو اس شرف پر ناز تھا اور بچا تھا کہ انھوں نے حضرت انس صحابی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا غیر توہین ان باتوں کو معمولی امر خیال کریں گی۔ لیکن ان واقعات سے اس محبت اور جوش عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کو رسول اللہ اور ان کے تعلق کی وجہ سے صحابہ کے ساتھ تھا۔ سچ ہے شعر

فی الجملہ نسبتی تہو کافی بود مرا | بلبل ہیں کہ قافیہ گل شود پس است

حافظ بن محمد
کافوئے

ہمارے زمانہ کے بعض مصنفوں نے امام کی تابعیت سے انکار کیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی لوگوں کو شبہ ہوا تھا لیکن محدثین نے جنکو اس قسم کی بحثوں کے طے کرنے کا سب سے زیادہ حق حاصل ہے۔ امام کے موافق فیصلہ کیا جانظر بن حجر عسقلانی سے کہ فن حدیث کے ایک عنصر بن قوی لیا گیا تھا انھوں نے یہ جواب لکھا دو امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں کسی صحابی موجود تھے اس لئے کہ امام شہدہ میں بمقام کو فہ پیدا ہوئے اور اس وقت وہاں صحابہ میں سے عبداللہ بن ابی اونی موجود تھے کیونکہ وہ شہدہ میں یا اس کے بعد مرے اور ابن سیرین نے روایت کی ہے جس کی سند میں کچھ نقصان نہیں۔ کہ امام ابو حنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا تھا ان دو صحابہ کے سوا اور صحابہ بھی مختلف شہروں میں موجود تھے۔ بعض لوگوں نے ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو امام نے صحابہ سے روایت کیں۔ لیکن ان حدیثوں کی سیدین ضعیف سے خالی نہیں۔ اور صحیح یہی ہے کہ امام ان کے ہم زمان تھے۔ اور بعض صحابہ کو دیکھا تھا جیسا کہ ابن سعد نے روایت کی ہے۔ پس اس لحاظ سے امام ابو حنیفہ تابعین کے طبقہ میں ان اور یہ امر اور اماموں کی نسبت جو ان کے ہم عصر تھے مثلاً اوزاعی۔ شام میں۔ حماد بن

بصرہ میں - توری - کوفہ میں - مالک - مدینہ شریفہ میں - لیث - مصر میں - ثابت نہیں
ہوا واللہ اعلم،

ابن سعد کی جس روایت کا حافظ بن حجر نے حوالہ دیا ہے وہ صرف ایک واسطہ
یعنی سیف بن جابر کے ذریعہ سے امام ابو حنیفہ تک پہنچتی ہے۔ یعنی ابن سعد نے سیف بن جابر
سے سنا اور سیف نے خود امام ابو حنیفہ سے۔ ابن سعد وہ شخص ہیں جنکی نسبت علامہ نووی
نے تہذیب الاسما میں لکھا ہے کہ اگرچہ ان کا شیخ و اقدسی ثقہ نہیں مگر وہ خود نہایت ثقہ ہیں
سیف بن جابر - بصرہ کے قاضی اور صحیح الروایت تھے ابن کحاط سے یہ روایت اس قدر صحیح
اور مستند ہے کہ قوی سے قوی حدیث بھی اس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر تمام بڑے
بڑے محدثین مثلاً خطیب بغدادی - علامہ سمعی مصنف کتاب الانساب - علامہ نووی
شرح صحیح مسلم - علامہ ذہبی حافظ حجر عسقلانی - زین الدین عراقی - سخاوی - ابوالحسن دمشقی
نے جن پر اب حدیث و روایت کا مدار ہے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت
انس کو دیکھا تھا۔

ابن خلکان نے بھی خطیب بغدادی کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن چونکہ مورخ مذکور نے لکھا ہے
کہ امام ابو حنیفہ کو کسی صحابی سے ملاقات اور روایت حاصل نہیں ہوئی یا تو کون کو دہوکا ہوا کہ ابن
خلکان تابعیت کے منکر ہیں۔ حالانکہ ابن خلکان کو ملاقات اور روایت سے انکار ہے
نہ روایت سے۔ لیکن اگر ابن خلکان کی عبارت کا وہی مطلب ہو جو بعض ظاہر مبینوں نے
قرار دیا ہے تاہم کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے بڑے بڑے محدثین کے مقابلہ میں ان کی شہادت

اس قوی کو حافظ ابوالحسن نے عقداً ایمان میں مبارک نقل کیا ہے۔ اور میں نے اسی کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔
مذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی میں یہ تصریح موجود ہے کہ محض تاریخ خطیب بغدادی - کتاب الانساب - و تہذیب الاسما
واللغات و تذکرۃ الحفاظ و غیر فی اخبار من غیر الذہبی و تہذیب التہذیب میں امام ابو حنیفہ کا ترجمہ دیکھو۔

کچھ بھی اعتبار کے قابل ہوگی۔ اصول روایت میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے اثبات و نفی میں برابر درجہ کی شہادتیں موجود ہوں تو اثبات کا اعتبار ہوگا۔ یہاں نفی کی شہادت ثبوت کے مقابلہ میں بالکل کم زور ہے۔

بعض حنفیوں نے روایت سے بڑھ کر روایت کا بھی دعوے کیا ہے اور تعجب ہے کہ طائیفہ عینی شریح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعوے ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ حافظ ابو الحسین نے عقوالحجاء میں ان تمام حدیثوں کو مع سند نقل کیا ہے جن کی نسبت یہ خیال ہے کہ امام نے صحابہ سے سینہ تین۔ پھر اصول حدیث سے ان کی جرح کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں۔ محدثانہ بحثیں تو وقت طلب ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے ملاذ خاص اسکو شہرت دیتے۔ لیکن قاضی ابویوسف امام محمد۔ حافظ عہد الرزاق بن ہمام۔ عبداللہ بن المبارک۔ ابویعم فضل بن دین۔ سبکی۔ بن ابراہیم۔ ابوعاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور باخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھے تو زیادہ تر انہیں لوگوں نے ایسے نام آدمی کے لئے بٹھائے ہیں۔ ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔

امام کی کفایت جو نام سے زیادہ مشہور ہے۔ حقیقی کفایت نہیں ہے۔ امام کی کسی اولاد کا نام حلیفہ نہ تھا۔ یہ کفایت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ابوالملک الحلیفہ قرآن میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے واتبعوا امیراہیم حلیفا امام ابوحلیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابوحلیفہ اختیار کی۔

سن رشد۔ تعلیم و تربیت۔ تیغ و ساساۃ

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پر آشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف۔ خلیفہ عبدالملک کی طرف

صحابہ سے
روایت نہیں
کی

سے عراق کا گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی۔ چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب و عراق میں اتناک مرواں حکومت کے پانوں نہیں جے تھے۔ حجاج کی سفالیاں زیادہ تر انہیں لوگوں پر مبذول تھیں جو ائمہ مذہب۔ اور علم فضل کی حیثیت سے مقتولے عالم تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہایت سچ کہا کہ ”اگر اور پیغمبروں کی امتیں سب ملکر اپنے اپنے زمانے کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو مقابلہ میں لائیں تو اسد عیال پہ بھاری رہے گا۔“ عہد الملک نے ۹۳ھ میں وفات کی اور اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ ولید کے زمانہ میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی۔ سپین و سندھ و بڑی مملکتیں اسلام کے قبضہ میں آگئیں۔ خوارزم و سمرقند سے گزر کر کابل و فرغانہ پر علم اسلام نصب ہوا مغرب کی طرف جزایر منورقہ و میورقہ فتح ہوئے۔ لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا۔ ملکی عہدہ داروں میں سے جو لوگ جس قدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے اسی قدر ظالم اور سفاک تھے۔ اسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کہ تھے کہ وہ ولید پر شام میں۔ حجاج عراق میں۔ عثمان حجاز میں۔ قرۃ مصر میں و اسد تمام دنیا ظلم سے بھر گئی۔ اس عالمگیر آشوب میں بھی اگرچہ درس و تعلیم کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا جا بجا حدیث و روایت کی درسگاہیں موجود تھیں اور فقہا و محدثین باوجود بے اطمینانی کے درس و تدریس میں مشغول تھے تاہم اسلام کی حوصلہ مندیوں اور جوش کے لحاظ سے۔ جس قدر تھا۔ نہایت کم تھا۔

ملک کی خوش قسمتی تھی کہ حجاج ۹۵ھ میں مر گیا۔ ولید نے بھی ۹۶ھ میں وفات پائی ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے مسند خلافت کو زینت دی جس کی نسبت مورخین کا بیان ہے کہ خلفائے نو آئینہ میں سب سے افضل تھا۔ سلیمان نے اسلامی دنیا پر سب سے زیادہ احسان کیا کہ عمر بن عبدالعزیز کو مشیر مصلحت بنایا اور مرتے دم تک برحق وصیت کیا کہ

دوسرے بعد عمر بن عبدالعزیز تخت نشین ہوں، سلیمان نے ۹۹۹ء میں وفات پائی اور وصیت
سوانحی عمر بن عبدالعزیز مسند خلافت پر بیٹھے۔ انکی خلافت نے وقت حکومت مرانی کارنگ
بدل دیا۔ اور تمام ملک میں عدل و انصاف۔ علم و عمل۔ خیر و برکت کی جان تازہ ڈال دی ایک
مدت سے حضرت علی پر خطبوں میں چولن پڑا جاتا تھا۔ کلفت موقوف کر دیا۔ شہزادگان
بنو امیہ کے ہاتھوں سے جاگیر بن چین لین۔ جہاں جہاں ظالم عمال تھے ایک ظلم معزول کر دیا
سب سے بڑا یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق دی کہ گھر گھر ہی چرچے پھیل گئے۔ امام زہری کو حکم دیا
کہ حدیثوں کو یکجا کریں۔ یہ مجموعہ تیار ہوا تو مالک اسلامیہ میں اس کی نقلین بھجوائیں۔

غرض حجاج دوسرے عہد تک تو امام ابو حنیفہ کو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہونے کی رغبت
ہو سکتی تھی نہ کافی موقع مل سکتا تھا۔ تجارت باپ دادا کی میراث تھی۔ اسلئے خزانہ کا کارخانہ
قائم کیا۔ اور حسن تدبیر سے اسکو بہت کچھ ترقی دی۔ لیکن سلیمان کی عہد خلافت میں جب درس
اندیس کے چرچے زیادہ عام ہوئے تو اس کے دل میں بھی ایک تحریک پیدا ہوئی۔

حسن اتفاق یہ کہ ان ہی دنوں میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آیا جس سے ان کے ارادہ کو ابھی
استحکام ہوا۔

تحصیل علم
کی تحریک

ایک دن بازار جا رہے تھے۔ امام شعبی۔ جو کوفہ کے مشہور امام تھے ان کا مکان راہ میں تھا
سامنے سے نکلے تو ادھنوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے۔ پاس بلا لیا اور پوچھا
کہ دو کمان جا رہے ہو، ادھنوں نے ایک سو داگر کا نام لیا۔ امام شعبی نے کہا دو میل مطلب نہ تھا
تم پڑتے کس سے ہو؟ ادھنوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ کسی سے بھی نہیں
تسمیٰ نہ کیا کہ درہم کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علما کی صحبت میں بیٹھا کرو،

اس نصیحت نے انکے دل میں گہر کر لیا۔ اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے۔ اس وقت تک علم جس چیز کا نام تھا۔ وہ ادب۔ الساب۔ ایام العرب۔ فقہ۔ حدیث۔ کلام تھا کلام۔ اگرچہ کج کل کا علم کلام نہ تھا۔ کیونکہ اس عہد تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو نہیں پڑا تھا تاہم ان علوم میں۔ وقت نظر۔ بلند خیال زور طبع۔ کئے لئے اس سے وسیع تر میدان نہ تھا اسلام جب تک عرب کی آبادی میں محدود رہا اسکے مسائل نہایت سادہ اور صاف رہے لیکن۔ فارس اور مصر و شام پہنچ کر ان میں رنگ آمیزیاں شروع ہو گئیں۔ ان ملکوں میں اگرچہ حکمت و فلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا۔ تاہم فلسفہ کے بگڑے بگڑائے مسائل عام لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے اور طبیعتیں عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھیں قرآن پاک میں خدا کی ذات و صفات۔ مبدء و معاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب نے اسکو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوص اعتقاد کے لئے وہی کافی تھا۔ بخلاف اسکے فارس و شام میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہو گئیں جو وسعت تمدن اور ترقی خیالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہئیں تھیں۔ تنزیہ و تشبیہ۔ صفات کی عینیت وغیرہ۔ حدوث و قدم غرض اس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے جنکو بحث و تدقیق کی وسعت نے مستقل بنا دیا رفتہ رفتہ عام اعتقادی مسائل میں بھی موشگافیاں شروع ہو گئیں۔ اور راپوں کے اختلافات سے مختلف فرقے بنے گئے جو قدری۔ سرجی۔ معتزلی۔ جہمی۔ خارجی۔ رافضی کہلائے یہ فتنہ یہاں تک بڑا کہ اہل حق جو اب تک ان بحثوں سے الگ تھے انکو بھی مخالفت کی ضرورت سے اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اس طرح علم کلام پیدا ہو گیا۔ جسکو تدوین و ترتیب کی سوجھ بوجھ اس مرتبہ کو پہنچا یا کہ بڑے بڑے امام مذہب (مثلاً امام شافعی و ابوالمصور و مالکی و حنفی) کا مایہ ناز تھا۔

علم کلام کی
طرف توجہ

علم کلام زمانہ مابعدین اگرچہ مدون و مرتب ہو کر انسانی علوم میں داخل ہو گیا لیکن اس وقت تک اسکی تحصیل کے لئے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں۔ قدرتِ اہم ابو حنیفہ میں یہ تمام باتیں جمع کر دی تھیں۔ مگر گون مین ایرانی خون۔ اور طبیعت میں برور اور جد تھی۔ مذہبی روایتیں اور مسائل۔ کو فہم میں ایسے عام تھے کہ ایک معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں اٹھ بیٹھ کر چل کر سکتا تھا۔ امام ابو حنیفہ نے اس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذہ فن۔ بحث کرنے میں ان سے جی چراتے تھے۔ تجارت کی ضرورت سے اکثر بصرہ۔ جانا ہوتا تھا۔ جو ان تمام فرتون کا دنگل اور خاکسار جیون کا مرکز تھا۔ اباضیہ صغیر حشویہ۔ وغیرہ سے اکثر بحثیں کہیں اور ہمیشہ غالب ہے۔ اگرچہ آخر ان جھگڑوں کو چھوڑ کر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے اور تمام عمر اس کی نذر کر دی۔ لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا خارجیوں وغیرہ سے اس کے مناظرے۔ علم کلام کی جان ہیں۔ انکی علمی زندگی کے تذکرہ میں ہم بعض واقعات کی تفصیل بیان کرینگے۔

شروع شروع میں تو امام صاحب اس فن کے بہت دلدادہ رہے لیکن جس قدر عمر و تجربہ بڑھتا جاتا تھا انکی طبیعت رکتی جاتی تھی۔ خود ان کا بیان ہے کہ در آغاز عمر میں اس علم کو سب سے فضل جانتا تھا کیونکہ جھگڑتین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انہیں باتوں پر ہے لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کبار ان بحثوں سے ہمیشہ الگ رہے۔ حالانکہ ان باتوں پر کی حقیقت ان سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ انکی توجہ جس قدر تھی فقہی مسائل پر تھی۔ اور یہی مسائل وہ دوسروں کو تعلیم دیتے تھے۔ ساتھ ہی خیال گزرا کہ جو لوگ علم کلام میں مصروف ہیں ان کا طرز عمل کیسے ہے۔ اس خیال سے اور بھی بیدار ہوئی۔ کیونکہ ان لوگوں میں وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو اگلے بزرگوں کا نمائندہ امتیاز تھا۔ اسی زمانہ میں

ایک دن ایک عورت نے آکر یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقے پر طلاق دینی چاہتا ہے، کیونکر دے۔ خود تو بتا نہ سکے عورت کو ہدایت کی کہ امام حاد۔ جن کا حلقہ درس یہاں سے قریب ہے جا کر پوچھے۔ یہ بھی کہہ دیا کہ حاد جو کچھ بتائیں تجھے کہتی جانا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی اور کہا کہ حاد نے یہ جواب دیا۔ مجھ کو سخت عبرت ہوئی اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور حاد کے حلقہ درس میں جا بیٹھا۔

امام کی ابتدائی تحصیل کے متعلق ایک اور روایت ہے جس کا سلسلہ سند خطیب نے امام تک پہنچایا ہے یعنی امام صاحب کا بیان ہے کہ جب میں نے تحصیل علم پر توجہ کی تو بہت علوم پیش نظر تھے اور میں متروک تھا کہ کس کو اختیار کروں۔ سب کے پہلے کلام کا خیال آیا۔ ساتھ ہی دل میں گزرا کہ وہ کندن و کاہ برآوردن ہے۔ ایک مدت کی محنت اور دردِ دوسری کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ انہما نہیں کر سکتے کہ لوگ اس کا ذکر نہ لگائیں۔ ادب اور قناعت کا بھڑا سکے کہ مکتب پڑھائیں۔ اور کچھ فائدہ نہ تھا۔ شعر و شاعری میں ہجو اور جھوٹی مدح کے سوا اور کیا دہرا تھا۔ حدیث کے لئے اولاً تو ایک مدت درکار تھی۔ اس کے علاوہ۔ کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں۔ آخر فقہ پر نظر پڑی اور اور دنیا و دین کی حاجتیں اس سے وابستہ نظر آئیں، لیکن یہ روایت محض غلط ہے تمام معتمد روایتیں اسکے خلاف ہیں۔ جو ربیعہ امام صاحب کی طرف منسوب کئے ہیں ایسے چاہلانہ و بے باری ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی نسبت نہیں کی جاسکتی۔ اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑے گا کہ حدیث و کلام کی طرف امام ابو حنیفہ نے توجہ ہی نہیں کی۔ حالانکہ ان فنون میں امام ابو حنیفہ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن بنائیں۔ اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں۔ فقہ سے وابستہ ہیں

ایسی کو ترجیح دی۔ یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیزیوں سے اس حد تک پہنچ گئی جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ روایت بالسنہ کہ قید کتابت میں آچکی تھی عقود ابھان کے مصنف نے نقل کی تو بہت سے اختلافات پیدا ہو گئے۔ ان جزلہ نے تاریخ بغداد کا جو اختصار کیا ہے ہماری پیش نظر ہے اس میں اس روایت کا بھان فکر ہے ہر علم کے متعلق جو پارک ہیں۔ وہ رسول کی طرف منسوب ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی نسبت صرف ان کا تسلیم کرنا بیان کیا ہے۔

حماد کو ذکے۔ مشہور امام۔ اور استاد وقت تھے۔ حضرت انس سے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کی فیض صحبت سے مستفید ہونے لگے۔ انسوفت کو زمین انہیں کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا مسعودی نے جو ائمہ فنی خیال کیے گئے ہیں انہیں کے حلقہ درس میں تعلیم پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (صحابی) سے فقہ کا جو سلسلہ چلا آتا تھا۔ اس کا مدار انہیں پر رہ گیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانہ نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا۔ یعنی دو تہند اور فارغ البال تھے اور اس وجہ سے نہایت اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے۔ ان وجود سے امام ابو حنیفہ نے علم فقہ پڑھنا چاہا۔ تو استاد ہی کے لئے انہی کو انتخاب کیا۔ انسوفت درس کا طریقہ یہ تھا۔ کہ استاد کسی خاص مسئلہ پر زبان گفتگو کرتا تھا جسکو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی کبھ بھی دیا کرتے تھے امام ابو حنیفہ پہلے دن پانچ صنف میں بیٹھے کیونکہ مبتدیوں کے لئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا۔ لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقوں میں ایک شخص بھی جانتا ہے اور زبانت میں ان کا ہمسر نہیں ہے تو حکم دیا کہ ابو حنیفہ صبح آگے بیٹھا کریں۔ امام نے اگرچہ اسی زمانہ میں حدیث پر نہیں شروع کر دی تھی جسکا تفصیلی بیان آگے آئے گا

تاہم حماد کے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے۔ خود ان کا بیان ہے کہ مدین دس برس تک حماد کے حلقہ درس میں حاضر ہوتا رہا پھر خیال ہوا کہ اب خود درس و تعلیم کا سلسلہ قائم کروں۔ لیکن استاد کا ادب مانع ہوتا تھا۔ اتفاق سے انہیں دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا مل گیا۔ حماد کے سوا اور کوئی اس کا وارث نہ تھا۔ اس ضرورت سے انکو بصرہ جانا پڑا۔ چونکہ ہم کو اپنا جانشین کر گئے تھے۔ تلامذہ اور ارباب حاجت نے سیری طرف رجوع کیا۔ بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں استاد سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی۔ اسی لئے اپنے اجتہاد سے جواب دیے اور احتیاط کے لئے ایک یادداشت لکھنا گیا دوہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے۔ میں نے وہ یادداشت پیش کی۔ کل ساٹھ مسئلے تھے جن میں سے میں نے غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں۔ میں نے عہد کیا کہ حماد جب تک زندہ ہیں ان کی شاگردی کا تعلق کبھی پھوٹوں گا۔

حماد نے سلسلہ میں انتقال کیا۔ امام ابو حنیفہ نے اگرچہ حماد کے سوا اور بزرگوں کی خدمت میں بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن خاص میں وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ حدیث سے زیادہ انکی تعظیم کرتے تھے۔

حماد کے زمانہ میں ہی امام نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔

حدیث کی
تحصیل

اس وقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے۔ صحابہ جنکی تعداد کم از کم دس ہر رہے تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے۔ اور انکی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ لوگ ہر کسی صحابی کا نام سن پاتے تھے ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ جیگر رسول اللہ کے حالات

کو کہہ جو امام ابو حنیفہ کا مولد مسکن تھا اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا۔ اہل عرب کی روز افزون ترقی کے لئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی۔ اس ضرورت سے حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو جو اس وقت حکومت کسریہ کا خاتمہ کر کے۔ مدائن۔ میں اقامت گزین تھے خط لکھا کہ دو مسلمانوں کے لئے ایک شہر بساؤ جو ان کا دار الحجۃ اور قرار گاہ ہو، سعد نے کوفہ کی زمین پسند کی۔ شام میں اس کی بنیاد کا پتھر کھا گیا اور معمولی سادہ دضع کی عمارتیں بنائیں ہوئیں۔ اسی وقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آکر آباد ہونے شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خطہ بن گیا۔ حضرت عمرؓ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے لئے جو وہاں جا کر آباد ہوئے تھے۔ روزیئے مقرر کر دیئے۔ چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروقؓ۔ کوفہ کو برحق اللہ، کثر الایمان، ”دعجۃ العرب“ یعنی خدا کا علم۔ ایمان کا خزانہ۔ عرب کا نثر۔ فرمایا کرتے تھے۔ اور خط لکھتے تو اس عنوان سے لکھتے تھے۔ الی الی راس الاسلام، الی الی راس العرب، حضرت علیؓ نے اس شہر کو دارالافتخار قرار دیا۔ صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جنہیں چوبیس برس تک تھے جو غزوہ بدر میں رسول اللہؐ کے ہمراہ رہے تھے وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کر لی۔ ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے۔ اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت

کا درس گاہ بن گیا تھا۔

بصرہ بھی اسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسرہ تھا۔ یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے دارالعلم خیال کئے جاتے تھے۔ علامہ ذہبی نے ہمام کے دوسرے تیسرے دو تین جن لوگوں کا حال میں حدیث کا لقب پایا ہے اور ان کے مستقل ترجمے لکھے ہیں۔ ان میں اکثر مثلاً مشرق بن ابی جریہ حبیدہ بن عمر اسود بن یزید۔ ابو عمر النخعی۔ ذر بن حبیش۔ ربیع بن خثیم۔ عبد الرحمن بن ابی یعلیٰ ابو عبد اللہ السلمی۔ شریح بن الحارث۔ شریح بن یالی۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ۔ قیس بن ابی حازم۔ محمد بن سیرین۔ حسن بصری۔ شعبہ بن حجاج۔ قتادہ بن دعامہ۔ انہیں دونوں شہروں کے رہنے والے یا خوشنشین تھے۔ سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اکثر فرماتے تھے کہ مناسک کے پئے مکہ۔ قرأت۔ سکے مدینہ۔ اور جلال و حرام یعنی فقہ کے لیے کوفہ ہے یا فقہ میں امام نے زیادہ تر حاد کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا۔ لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی۔ یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ روایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔ حدیث میں اس وقت تک نہایت پریشان اور غیر مرتب تھیں ہمارے کہ بڑے بڑے اساتذہ۔ دوچار سو حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ یہ تعداد ضرور مسائل کے لئے بھی کافی نہ تھی۔ اس کے علاوہ طرق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہوا تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے نہ معلوم ہوا اسکے مفہوم اور تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا۔ امام ابو حنیفہ کو حاد کی صحبت اور سختی عمر نے ان خصوصاً فقہ تمام تفصیل ختم البلدان بلاذری ذکر آبادی کوفہ۔ مجمع البلدان۔ وقع المئیت صفحہ ۳۸۲ میں لکھا کہ تزکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ۱۲۷۵ مجمع البلدان ذکر کوفہ ۱۲

سے اچھی طرح واقف کر دیا تھا۔ اسی لیے نہایت سنی اور اہتمام سے حدیثوں کے ہم پہنچا پر توجہ کی تقریباً۔ کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئی شاگردی طے نہ کیا ہو۔ اور حدیثیں نہ سیکھی ہوں۔ ابو الحسن شافعی نے جہاں ان کے شیوخ حدیث کے نام لگائے ہیں۔ تراویحے شخصوں کی نسبت لکھا ہے کہ کوفہ کے رہنے والے یا تزیل تھے۔

امام کے شیوخ
حدیث

تہذیب التہذیب و تہذیب الاسماء و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں۔ اگرچہ (جیسا کہ ان کتابوں کا عام طریقہ ہے) امام کے شیوخ کا استقصا نہیں کیا ہے۔ تاہم انہیں کتابوں کے نتیجے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی جن میں ۲۹ شخص خاص کوفہ کے رہنے والے تھے اور ان میں اکثر تابعی تھے۔ شیوخ کوفہ میں خاص کر امام شعبی سلمۃ بن کہیل حارث بن ڈار۔ ابوسحق معنی۔ عون بن عبداللہ۔ سہاک بن حرب۔ حمزہ بن مرقہ۔ منصور بن المعمر۔ اعش۔ ابراہیم بن محمد۔ عدی بن ثابت الانصاری۔ عطاء بن السائب۔ ہوشی بن ابی حاشم۔ حلقہ بن مرثد۔ بہت بڑے محدث۔ اور سند و روایت کے صریح عام تھے۔ سفیان ثوری اور امام حنبل وغیرہ کا سلسلہ سند اکثر انہیں بزرگوں تک پہنچتا ہے۔

امام شعبیؒ۔ ذہبی بزرگ ہیں جنہوں نے اول اول امام ابو حنیفہ کو تحصیل علم کی رغبت دلائی تھی۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں۔ مشہور ہے کہ پانچ سو صحابہ کو دیکھا تھا عراق عرب۔ شام میں چار شخص جو استاد کامل تسلیم کئے جاتے تھے ان میں ایک یہ تھے۔ امام زہریؒ کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں ابن المسیب۔ بصرہ میں حنن۔ شام میں مکحول۔ کوفہ میں شعبیؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے انکو ایک بار معاذی کا دریں وسیع دیکھا تو فرمایا کہ دو والدیر یہ شخص اس فن کو مجھے اچھا جانتا ہے۔ ایک مدت تک منہ صبر قضا پر مامور رہا امام کے شیوخ حدیث کا حال میں نے زیادہ تر تہذیب التہذیب معارف بن قتیبہ۔ و مرآۃ المعانی باقی سے لکھا ہے

رہے۔ خلفاء و اراعیان دولت۔ ان کا نہایت احترام کرتے تھے۔ ۳۲ھ ہجری یا ۳۳ھ ہجری میں وفات پائی۔

سلمۃ بن کہیل۔ مشہور محدث اور تابعی تھے۔ جناب بن عبد اللہ بن ابی اوفی ابو الطفیل اور ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے انکو کثیر السعدیث لکھا ہے۔ سفیان بن عیینہ (امام شافعی کے استاد) فرماتے تھے کہ سلمۃ بن کہیل ایک رکن ہیں ارکان میں سے ابن ہمدی کا قول تھا کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایہ تھے منصور سلمۃ عمر بن مرۃ۔ ابو حصین۔

ابو اسحق سبعی۔ کبار تابعین سے تھے۔ عبد اللہ بن عباس۔ عبد اللہ بن عمر بن زبیر نعمان بن بشیر۔ زید بن ارقم۔ اور بہت سے صحابہ سے جنکے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسما میں تفصیل لکھے ہیں۔ حدیثیں سین تھیں رجال نے کہا ہے کہ ۳۸ صحابہ سے انکو بالمشافہ روایت ہے علی بن المہدی جو امام بخاری کے استاد تھے انکا قول ہے کہ ابو اسحق کے شیوخ حدیث میں نے شمار کیے تو کم بیش تین سو تھے۔ حافظ بن حجر نے تہذیب میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔ سماک بن حرب۔ بہت بڑے تابعی اور محدث تھے۔ امام سفیان ثوری نے کہا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی۔ خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسی صحابہ سے ملا ہوں صحابہ بن وثار نے عبد اللہ بن عمر اور جابر وغیرہ سے روایت کی۔ امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ وہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جسکو محارب پر ترجیح دوں، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجت ہیں امام احمد بن معین۔ ابو زرہ۔ وارثی۔ ابو حاتم یعقوب۔ بن سفیان نسائی نے انکو ثقہ تسلیم کیا ہے۔ کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے ۶۷ھ میں وفات کی عون بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر حدیثیں

روایت کیں۔ نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ مشہور تابعی تھے۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری۔ امام مالک۔ سفیان بن عیینہ انکے شاگرد تھے۔ ابو جعفر منصور کے زمانہ میں کوفہ گئے۔ اہل کوفہ نے اسی زمانہ میں ان سے حدیثیں روایت کیں۔ خلیفہ منصور ان کا نہایت احترام کرتا تھا۔ ایک بار لاکھ درہم انکو عطا کئے۔ انکے جنازہ کی نماز بھی منصور نے ہی پڑھائی تھی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابو حاتم نے انکو امام حدیث کہا ہے۔

سیلان بن مہران معروف بامش۔ کوفہ کے مشہور امام تھے۔ صحابہ میں سے انس بن مالک سے ملے تھے اور عبداللہ بن ابی بکر سے حدیث سنی تھی۔ سفیان ثوری و شعبہ انکے شاگرد ہیں۔ امام کی تحصیل حدیث کا دو مسلک درسم۔ بصرہ تھا جو امام حسن بصری و شعبہ و قوادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھا۔ تعجب ہے کہ حسن بصری باوجودیکہ سلسلہ ہجری تک زندہ رہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کا انکے درس سے مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ قوادہ کی شاگردی کا ذکر عام محدثین نے کیا ہے۔ اور عقود الجمان کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے حدیث روایت کی اور انھوں نے اپنے سامنے ہی فتویٰ دے دی تھے۔

قوادہ۔ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے۔ حضرت انس بن مالک و عبداللہ بن سحر و ابوالطفیل و دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ حضرت انس کے و شاگرد ہوئے۔ نامور ہیں ان میں ایک سیہ ہیں۔ اس خصوصیت میں انکو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بعینہ ادا کرتے تھے۔ یعنی الفاظ و معنی میں بالکل فرق نہیں ہوتا تھا۔ انکی قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال لکھی ہے۔ عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ میں سعید بن المسیب سے حدیث

پڑھتے تھے ایک دن انھوں نے فرمایا کہ تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو تم کو ان میں سے کچھ یاد بھی ہیں؟ انھوں نے کہا وہ ایک ایک حرف محفوظ ہے! چنانچہ جس قدر ان سے سنا تھا بقیہ تاریخ اور دن کے بیان کرنا شروع کیا۔ وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا: ”خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کئے ہیں،“ اسی بنا پر لوگ انکو احفظ الناس کہا کرتے تھے۔ امام حنبل نے انکے فقہ - دو اقیقت اختلافات و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے اور کہا ہے کہ دو کوئی شخص ان باتوں میں انکی برابر ہو تو ہو مگر ان سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا حافظ بن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے انکی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شعبہ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے۔ دو ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ سفیان ثوری نے فن حدیث میں انکو امیر المؤمنین مانا ہے عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے حج و تعدیل کے مراتب متعین کیے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا۔^{۱۴} ابن ابی عمیر نے انتقال کیا۔ سفیان ثوری کو انکے مرنے کی خبر پہنچی تو کہا دلچ فن حدیث بھی مر گیا۔ شعبہ کو امام ابو حنیفہ کے ساتھ ایک خاص ربط تھا۔ غیبت میں اکثر انکی زیارت اور خلی فہم کی تعریف کرتے۔ ایک بار انکا ذکر آیا تو کہا کہ وہ جو طرح میں جاتا ہوں کہ آفتاب روشن ہو رہی تھیں کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہ ہم نشین ہیں۔ ”یحییٰ بن سعید سے جو امام بخاری کے استاد تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں فرمایا میں ان قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انکو حدیث و روایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں،“ بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام ابو حنیفہ نے حدیثیں روایت کیں ان میں عبد الکریم بن امیہ اور عامر

بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں۔

امام ابو حنیفہ کو اگرچہ ان درس گاہوں سے حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لئے حرمین جانا ضرور تھا۔ جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سنہ میں واقع ہوا تاہم ظن غالب یہی ہے کہ جب انھوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ دیکھنے خود امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ درج میں ایک حجام نے جس سے سینے بال سینڈ واسی تھے کئی باتوں میں مجہر گرفت کی۔ میں نے اجرت پوچھی تو بولا وہ مناسک چکائے نہیں جاتا میں چپ ہو کر صہار ہوا نے لگا۔ اسے پھر ٹوکا کہ درج میں چپ نہیں رہنا چاہئے۔ تکبیر کہنے جاؤ اچھا سبک فارغ ہو کر میں گھر چلا آؤں گے کما دو پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا۔ میں نے تعجب ہو کر پوچھا کہ یہ سائل تم نے کہاں سیکھے۔ بولا در عطاء بن ابی رباح کا فیض ہے۔
اس واقعہ سے زیادہ مزیدی قیاس ہو سکتا ہے کہ تبدلی زمانہ تھا۔

جس زمانہ میں امام ابو حنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا متعدد ستاندہ کی جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے ان کے گاہ درس گاہ قائم تھے۔ ان میں عطاء بن ابی رباح کا حلقہ سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا عطاء مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے اور ان کی فیض صحبت اجتماعت کا بہرہ حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس۔ بن عمر۔ بن زبیر۔ اسماء بن زید۔ جابر بن عبد اللہ زید بن ارقم۔ عبداللہ بن سائب۔ عقیل۔ رافع ابو دردار۔ ابو ہریرہ۔ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنیں تھیں۔ خود ان کا بیان ہے کہ دو سو ہزر گون سے ملا ہون جنکو رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا، مجتہدین صحابہ ان کے علم و فضل کے معترف تھے

معترف تھے۔ عبداللہ بن عمر جو حضرت فاروق کے فرزند رشید اور صاحبِ افتاء تھے اکثر فرماتے تھے کہ "عطاء بن رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں؟ حج کے زمانہ میں ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ در عطا کے سوا کوئی شخص فتوے دینے کا مجاز نہیں ہے۔" بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی - زہری - عمرو بن دینار انہیں کے حلقہ درہن سے نکل کر اوستاد کہلائے۔

امام ابو حنیفہ استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا۔ امام نے کہا میں سلف کو برا نہیں کہتا۔ گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا قضا و قدر کا قائل ہوں، عطا نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شریک ہو اگرچہ روز بروز ان کی دیانت و طباعی کے جوہر ظاہر ہوتے گئے اور اسکے ساتھ استاد کی نظر میں ان کا وقار بھی بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ جب یہ حلقہ درس میں جلتے تو عطا اور ون کو ہٹا کر ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔ عطاء اللہ تک زندہ رہا۔ اس مدت میں امام ابو حنیفہ کو جب مکہ جانے کا اتفاق ہوتا تو ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور استفادہ ہوتے۔

عطا کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جنہے امام نے حدیث کی سند لی ان میں سے حکمرہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ حکمرہ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے انھوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے ان کی تعلیم و تربیت کی تھی۔ یہاں تک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتوے کا مجاز کر دیا تھا۔ حکمرہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علی - ابو ہریرہ - عبداللہ بن عمر - عقبہ بن عمر - صفوان - جابر - ابو قتادہ حدیثیں سنی

لہ ابن خلکان۔ اور کتب جلالین ان کے حالات پر ہو۱۱۱۱ مختصر تاریخ تعداد لابن جزلہ ۱۱۱۱

عقود ایمان باب حاشیہ ۱۱

تھیں اور فقہی مسائل تحقیق کے تھے۔ کم و بیش ستر مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں ان کے شاگرد ہیں۔ امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن کا جتنے والا حکم منہ سے بڑھ کر نہیں رہا۔ سعید بن جبیر کہ تابعین کے سردار تھے اُسے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ کا بڑھ کر بھی کوئی عالم ہو فرمایا ہاں حکمران اسی زمانہ میں یعنی سلسلہ سے پہلے۔ امام ابو حنیفہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن اور نبوت کا اخیر قرار گاہ تھا۔ صحابہ کے بعد۔ تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بن گئے تھے اور مسائل فقہ میں عموماً ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور یہ مرتبہ چل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامی میں واسطہ در واسطہ ان کے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترک مجلس افتاء کے ذریعہ سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے۔ مدینہ کی فقہ جسکی تدوین امام مالک نے کی اُس کی بنیاد زیادہ تر انہیں کے فتوؤں پر ہے۔ امام ابو حنیفہ جب مدینہ پہنچے تو ان بزرگوں میں سے صرف دو شخص زندہ تھے سلیمان۔ و سالم بن عبد اللہ سلیمان حضرت میمونہ کے جو رسول اللہ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے اون کا دوسرے نمبر تھا۔ سالم۔ حضرت فاروق کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابو حنیفہ۔ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اون سے روایت کیں۔

امام ابو حنیفہ کی طالب علمی کی مسافت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے۔ تاہم علم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا۔ اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے۔ حج کی تفریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال کہ میں اگر جمع ہو جاتے تھے جن کا مقصد حج کے ساتھ افادہ اور استفادہ بھی ہوتا تھا۔ امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملتے اور استفادہ

ہوتے۔ امام اوزاعی اور کچھ تلامذہ کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابو حنیفہ نے
 کہہ ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب
 کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دور دور پہنچ گئی تھی۔ یہاں تک کہ ظاہر بنیون نے ان کو قیاس
 مشہور کر دیا تھا۔

انہیں دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں بیروت کا
 سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں۔ پہلی ہی ملاقات میں اوزاعی نے ان
 سے پوچھا کہ در کوفہ میں ابو حنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے۔ جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے۔
 انھوں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزا۔ ساتھ
 لیتے گئے۔ اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے وہ اجزائے لیے۔ سرنامہ پر لکھا تھا: قال
 النعمان بن ثابت: "ویر تک غور سے دیکھا کہ۔" پھر عبداللہ سے پوچھا تھان کون بزرگ ہیں
 انھوں نے کما عراق کے ایک شیخ ہیں جنکی صحبت میں میں رہا ہوں۔ "فرمایا بڑے پایہ کا
 شخص ہے۔ عبداللہ نے عرض کی۔ یہ وہی ابو حنیفہ ہیں جنکو آپ متبع تھے۔ اوزاعی
 کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا۔ حج کی تقریب سے اوزاعی مکہ گئے تو امام ابو حنیفہ سے ملاقات ہوئی
 انہیں مسائل کا ذکر آیا۔ اتفاق سے عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے ان کا بیان ہر کہ امام
 ابو حنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابو حنیفہ کے جانیکے بعد مجھے کہا
 کہ اس شخص کے کمال نے ہر کو کو نکالنا محسوس ہونا دیا ہے بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی جسکا میں
 افسوس کرتا ہوں۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فن حدیث میں امام اوزاعی
 کی شاگردی کی ہے۔ غالباً یہی زمانہ ہوگا۔

حضرت امام باقر علیہ السلام کی ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابو حنیفہ دوسری

امام باقر علیہ السلام
 کی شاگردی

بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے پچھوایا کہ یہ ابو حنیفہ ہیں۔ انھوں نے ابو حنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ وہ ان تہمین قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہوئے انھوں نے نہایت ادب سے کہا وہ عیاذ باللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے۔ آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو حنیفہ مرد ضعیف ہے یا عورت۔

امام باقر۔ عورت

ابو حنیفہ وراثت میں عورت کا حصہ زیادہ ہے یا مرد کا۔

امام باقر۔ مرد کا۔

ابو حنیفہ میں قیاس لگانا تو کتنا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہئے۔

ابو حنیفہ ہر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ۔

امام باقر۔ نماز

ابو حنیفہ اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہئے نہ روزہ کی حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں۔

امام باقر اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر انکی پیشانی چوم لی ابو حنیفہ ایک مدت تک ہتھکڑی کی غرض سے انکی خدمت میں حاضر رہا بعد فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادریا میں صلیٰ کہیں شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ۔ حضرت

مہدی کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے اُنکے زہد رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخون میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادق کے معاصر اور ہمسر تھے اسی لئے اُنکی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیر دشمنی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں اُن کو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم الہدیت کے گھر سے نکلے و صاحب بیت ادھر ہی جائیگا۔

یا تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابو حنیفہ نے ایک طالبِ علم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا یا اب یہ نوبت پہنچی کہ سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف میں شہرہ ہو جاتا کہ فقیہ عراق عرب کو جارہا ہے۔ جس شہر یا گاؤں میں گزر رہوتا ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہو جاتا۔ ایک دفعہ مکہ معظمہ گئے تو لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ مجلس میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ اریاب حدیث و فقہ دونوں فرتے کے لوگ تھے اور شوخی کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گر اڑتا تھا۔ آخر امام صاحب نے تنگ آکر فرمایا رکاشت ہمارے میزبان سے کوئی جا کر کہنا کہ اس ہجوم کا انتظام کر لے۔ ابو حاصم نبیل حاضر تھے۔ عرض کی کہ میں جاتا ہوں لیکن چند مسئلے دریافت کرنے رہ گئے ہیں۔ امام نے پاس بلایا اور زیادہ توجہ کے ساتھ اُنکی باتیں سنیں اس میں میزبان کا خیال جاتا رہا۔ ابو حاصم سے فارغ ہو کر ایک اور طالبِ علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور پھر وہی سلسلہ قائم ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خیال آیا تو فرمایا کسی شخص نے میزبان کے پاس جانے کا اقرار کیا تھا وہ کہاں گیا۔ ابو حاصم بوسے میں نے عرض کیا تھا۔ فرمایا پرتھم گئے نہیں؟ ابو حاصم نے مناظرانہ شوخی سے کہا میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ابھی جاتا ہوں۔ جب فرصت ہوگی جاؤں گا۔

امام نے فرمایا: "عام بول چال میں ان احتمالات کا موقع نہیں۔ ان لفظوں کے معنی ہمیشہ وہی لیے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے۔" ایک اعتبار سے یہ بھی ایک فقہی مسئلہ تھا جسکو امام صاحب نے باتوں باتوں میں حل کر دیا۔

امام صاحب کے
اساتذہ انہی
نہایت عزت
کرتے تھے

امام صاحب کے اساتذہ۔ انکا اس قدردان و احترام کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا محمد بن الفضل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام ابو حنیفہ ایک حدیث کی تحقیق کے لئے خصب کے پاس گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ خصب نے ان کو آتے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت تعظیم کے ساتھ لاکر اپنے برابر بیٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ وہ بیضہ نعام کے بارہ میں کیا حدیث لائی ہے؟ خصب نے کہا: "بخاری ابو حنیفہ عن عبد اللہ بن مسعود فی بیضۃ النعام یصیبہا المحرم ان فیہ قیمۃ، عمرو بن دینار جو کہ مشہور محدث تھے ابو حنیفہ کے ہوتے حلقہ درس میں اور کسی کی طرف خطاب نہیں کرتے تھے۔"

امام کی
صحبت

اس عظمت کے ساتھ امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے ان سے تیرہ برس کم تھے۔ انکے حلقہ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ امام مالک کے سامنے ابو حنیفہ اس طرح مسود بیٹھتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔ اسکو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے لیکن ہم اسکو علم کی قدر شناسی اور شرافت کا ثبوت سمجھتے ہیں۔ امام مالک بھی انکا نہایت احترام کرتے تھے۔ عبد اللہ بن المبارک کسی زبانی منقول ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک بزرگ آئے جنکی آنکھوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنے برابر بیٹھایا۔ انکے جانے کے بعد فرمایا جانتے ہو کون شخص تھا؟ یہ ابو حنیفہ عراقی تھے۔

سۃ الجواہر المصنیۃ باب لکنی ترجمہ ابو حنیفہ النیل ۱۷۱ عقود الجمان باب عاشہ ۱۲

جو اس ستون کو مومنوں کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں ۱۰ ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ نے امام مالک سے انکی بھی تعظیم کی لیکن نہ اس قدر جتنی ابو حنیفہ کی کی تھی۔ وہ اٹھ گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے۔

تعلیم حدیث
کے مختلف طریقے

حجاز و عراق کے ایسے فن۔ روایت کے متعلق جدا جدا اصول رکھتے تھے۔ طرز تعلیم بھی مختلف تھا۔ بعضوں کے نزدیک لکھنے کا زیادہ اعتبار تھا۔ بعض مثلاً ابراہیم و شعبی صرف حافظہ سے سمجھتے تھے۔ اکثروں نے اس بات کو جائز نہ کہا تھا کہ مطلب میں فرق نہ آئے تو روایت میں حدیث کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا جاسکتا ہے۔ بعض اس کے بالکل خلاف تھے۔ ایک فرقہ کہتا تھا کہ روای جب تک سانس نہ ہو اس سے روایت نہیں لیجا سکتی۔ شعبہ جو امام صاحب کے استاد تھے انکا یہی مذہب تھا۔ دوسرے اگر وہ پردہ کی اوٹ سے تحریر کی بنا پر روایت کر لے کو جائز سمجھتا تھا۔ امام زہری کی عادت تھی کہ روایت کے ساتھ الفاظ و مطالب کی تفسیر بھی کرتے جاتے تھے۔ بعض لوگ اس کے سخت مخالف تھے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے خود زہری کو ٹوکا کہ ”حدیث نبوی میں آپ اپنے الفاظ نہ ملائیں“ امام مالک کو یہ طریقہ زیادہ پسند تھا۔ کہ شاگرد پڑھیں اور وہ سنتے جائیں۔ بعض اسکے مخالف تھے جی بن سلام اتنی بات پر ان کے حلقہ درس سے ناراض ہو کر اٹھ آئے کہ ”وہ خود نہیں پڑھا“ شاگردوں سے پڑھواتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے اختلافات تھے جن کو فتح المیزان میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کی کثرت شیوخ اور ریزہ چینیوں کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ان مختلف اصول سے آگاہ ہوں تاکہ سب کے مقابلہ سے خود ایک مستقل اور چنی ہوئی رائے قائم کر سکیں۔ امام موصوف نے اصول سے اس میں جو اصلاح کی ہیں انکا بیان آگے آئے گا۔

امام کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ انکی آغاز تحصیل ہی میں حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب اور باقاعدہ ہو چلا تھا۔ اس سے پہلے عمر مازانی۔ وایت کار و اج تھا۔ بعض ائمہ حدیث کتابت کو قریباً ناجائز سمجھتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تقریباً سترہ صدی میں اہل مدینہ کو خط لکھا جسکے یہ الفاظ تھے

انظر واکان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبرہ فانی خشیئت دروس العلم و ذہاب العلم یعنی رسول اللہ کی جس قدر حدیثیں ہیں قلمبند کر لی جائیں ورنہ ضائع ہونے کا ڈر ہے اور شہرہ دن میں بھی اس مضمون کے فرائین بھیجے۔ چنانچہ مدینہ میں امام زہری نے ایک مجموعہ مرتب کیا جسکی نقیین سلطنت کی طرف سے تمام مالک اسلامیین شائع کی گئیں۔ اس وقت سے مدینہ کا عام۔ راج ہو گیا اور جہاں جہاں اہل حدیث تھے اسی طریقہ کو برتنے لگے نجی درام ابو حنیفہ کے استاد کو اگرچہ زبانی روایت پر اصرار تھا تاہم کتاب ساتھ رکھتے تھے۔

طرز تعلیم نے بھی نہایت ترقی کی شیعہ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھا اور حدیث کا مجموعہ ہاتھ میں ہوتا۔ شاگرد و دوات قلم لیکر بیٹھے۔ اور استاد جو کچھ روایت کرتا اسی کے الفاظ میں لکھتے جاتے۔ شائقین کی زیادہ کثرت ہوتی تو ایک مستقل کٹر اہو کردہ الفاظ دوسرے بیٹھے لوگ لکھ پڑھتا۔ مگر یہ التزام تھا کہ مطلب بلکہ جہاں تک ممکن ہو الفاظ میں فرق نہ آئے۔ اس ضرورت سے مستقل ہمیشہ ایسا شخص مقرر ہوتا تھا۔ جس کا حافظہ قوی اور معلومات وسیع ہوں۔ ساتھ ہی خوش لہجہ اور بلند آواز ہو۔ چنانچہ امام شعبہ کی مجلس درس میں۔ آدم بن ابی ایاس۔ اور امام مالک کے حلقہ میں ابن علیہ اس خدمت پر مامور تھے۔

ابو حنیفہ اسی خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں کہ انکے شیوخ حدیث بشیر لکھے۔ ابو حنیفہ کبیر نے دعویٰ کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایں لیکن اگرچہ تاریخ

ملفوظ المینت صفحہ ۲۶۹۔ سند قسطلانی شیخ بخاری مطبوعہ لکھنؤ صفر ۱۲۶

امام کے سیوہ
حدیث بہت
تھے

اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ مسلمانوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں جو ضعیفین اور
حافظانِ نیاں کی ہیں دنیا کی اور قویں اُس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔ ہم متعدد شخصوں کے
نام بتا سکتے ہیں جنکے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے اور ایسے تو بہت نذر سنہین
جنکے اساتذہ ہزار سے زیادہ تھے علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں ان لوگوں کے نام
بھی گنائے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ دعویٰ محمد ثناء موصول
پر ثابت نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر ترقی
کی ہے اور اس کا خود محدثین کو اعتراف ہے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہان انکے
شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں اخیر میں لکھ دیا ہے دو خلق کثیر، حافظ ابو المعاسر ثنائی
نے عقوبت بھان میں تین سو انیس شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں۔ اور اخیر میں لکھ دیا ہے
کہ میں نے ایک دوسری کتاب میں جبکہ نام تحصیل السبل الی معرفۃ الثقات والمجاہلین
ہے۔ ان لوگوں کے حالات بھی تفصیل سے لکھے ہیں۔ لیکن چونکہ انکی فہرست زیادہ تر فقہ
حنفیہ سے ماخوذ ہے۔ ممکن ہے کہ محدثین کو کچھ اُس سے اتفاق نہ ہو۔

افسوس ہے کہ محدثین نے امام کے حالات میں جو کچھ لکھی ہیں اور جنہیں انکے شیوخ
کا پورا پورا اتقوا کیا ہے۔ ہماری نظر سے نہیں گذرین۔ رجال کی مستند کتابیں جن میں امام
کا ذکر ہے ہمارے سامنے ہیں لیکن ان میں سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے حالات ہیں جو ہم
سے کسی خاص شخص کے متعلق پوری تفصیل نہیں مل سکتی۔ مختصر تاریخ بغداد و تہذیب
الکمال۔ تہذیب اللسان و اللغات۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ملخص طبقات الحفاظ۔ ہدایہ التہذیب
انساب سمعانی۔ موطا امام محمد۔ کتاب الاثر امام محمد۔ کے متبع سے جس قدر رُتلے تینوں کتاب
ہو سکتے ہیں ان کے نام حسبِ میل ہیں۔ ان میں سے اکثر کے اجمالی حالات ہم اوپر لکھائے ہیں

سلہ ان کتابوں میں سے تہذیب اللسان۔ ہری نظر سے نہیں گذری مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے التعلیل الجدید میں امام
ابو حنیفہ کی شعبہ تہذیب الکمال کے حوالہ سے لکھے ہیں۔ چنانچہ اُن کے حوالہ سے لکھا ہے۔

شيخ حديث
كا شمار

عطاء بن ابى رباح كنى - عاصم بن ابى النخود كوفى - علقمة بن شرث كوفى - حكيم بن عتبة كوفى - سلمه
بن كميل كوفى - حضرت امام باقر عليه السلام مدنى - على بن الاقر الكوفى - زياد بن علقمة كوفى - سعيد
بن مروق كوفى - عدى بن ثابت انصارى كوفى - عطيه بن سعيد كوفى - ابو سفيان سعدى بن عبد
بن امية بصرى - يحيى بن سعيد مدنى - هشام بن عروه مدنى - راز تذيب التذيب حافظ بن حجر عسقلانى
ابو اسحق السبعى كوفى - نافع بن عمر مدنى - عبد الرحمن بن هزيم الاسعج المدنى - قتاده بصرى - عمرو
بن دينار الملكى - محارب بن ثمار كوفى - هشيم بن حبيب لصراف كوفى - قيس بن مسلم كوفى - محمد المنكدر
المدنى - يزيد الفقيه كوفى - سماك بن حرب كوفى - عبد العزيز بن رفيع الملكى - كجول شامي - عمرو بن مرة
الكوفى - ابو الزبير محمد بن مسلم كنى - عبد الملك بن عمر كوفى - منصور بن رازان - منصور المعتز عطاء بن
السابغى - عطاء بن ابى مسلم الخراسانى - جاسم بن سليمان الاحول بصرى - اعشى كوفى -
عبد الله بن عمر بن حفص المدنى - امام ادزاجى - (طبقات الحفاظ ذهبى از مقامات مختارة ابراهيم
بن محمد الكوفى - جميل بن عبد الملك الملكى - حارث بن عبد الرحمن الملكى - خالد بن علقمة الوداعى - رجعة
الزهرى - شداد بن عبد الرحمن بصرى - شيبان بن عبد الرحمن بصرى - طاؤس بن كيسان يمينى - عبد
بن دينار المدنى - عكرمة بن مولى بن عباس كنى - عون بن عبد الله كوفى - قابوس بن ابى ظبيان كوفى - محمد
بن السائب الكلبى كوفى - محمد بن مسلم بن شهاب الزهرى - ابو عبد مولى بن عباس (تذيب المال)
موسى بن ابى عائشة كوفى - صلح بن بهرام عثمان بن عبد الله بن وشب - بلال بن رستم بن
ابى الهيثم حصين بن عبد الرحمن - من - ميمون بن سياه - جواب القسقى - سالم الافطس - يحيى بن عمرو
بن مولى بن جبير - عبد الله بن عمر - محمد بن مالك الهذلى - ابو السوار - خارج بن عبد الله بن عبد
بن ابى زياد - حكيم بن زياد - كشيح الاصم - حميد الاعرج ابو العطوف - عبد الله بن الحسن - سليمان الشيبانى
- حميد المزبان - عثمان بن عبد الله - ابو حنيفة - كتاب الآثار امام محمد

ہم نے اس قدر نام سرسری طور سے انتخاب کئے ہیں زیادہ جہان ہیں کہتے تو شاید عقود و الجحان کی فہرست کے برابر آتے۔ لیکن یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے لئے کثرت شیوخ اس قدر فخر کا باعث نہیں جتنا کہ ان کی احتیاط اور تحقیق ہے۔ وہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جس قدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ ان کے اساتذہ اکثر تابعین ہیں۔ جنگو رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل دیانت۔ و پرہیزگاری کے نمونے خیال کئے جاتے تھے۔ ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں تو شاید ہیں۔ ان کی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالب علموں سے الگ تھا بحث و اجتہاد کی شمرح سے عادت تھی۔ اور اسباب میں وہ استادوں کی مخالفت کی بھی کچھ پروا نہ کرتے تھے ایک دفعہ حماد کے ساتھ امام اعظم کی شایعہ کو نکلے۔ چلتے چلتے مغرب کا وقت آگیا وضو کئے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ مل سکا حماد نے تیمم کا فتویٰ دیا۔ امام نے مخالفت کی اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیے۔ اتفاق یہ کہ کچھ دور چلکر پانی مل گیا اور سب وضو سے نماز ادا کی کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ استاد سے مخالفت کی اور غالباً یہ زمانہ تحصیل کا آغاز تھا۔

امام شہبی۔ ان کے استاد قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں۔ ایک دفعہ استاد و شاگرد کشتی میں سوار جا رہے تھے۔ اس مسئلہ کا ذکر آیا۔ اونھوں نے کہا در ضرور معصیت میں کفارہ ہو کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور میں آیت میں داغیم لبقول منکلم من القول و زورما تصیح کر دی ہے کہ ظہار معصیت ہے، امام شہبی کچھ جواب نہ دیکے خفا ہو کر فرمایا اقیام انتا عطار بن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے وابتنا کما اہلہ و مثلہم معہم عطار نے کہا در خدا نے حضرت ایوب کے آل و اولاد جو مر گئی تھی زندہ کر دی۔

اور ان کے ساتھ اور نئی پیدا کر دی۔ امام ابو حنیفہ نے کہا جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہوا ہو وہ اس کی ادھ دیکھ کر جو سکتا ہے ۱۱

امام کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ان کو ہر بڑے اہل کمال کی صحبتیں میسر آئیں۔ جن شہروں میں ان کو رہنے کا اتفاق ہوا اپنے کو فہم بصرہ۔ مکہ۔ مدینہ۔ یہ وہ مقامات تھے کہ مذہبی روایتیں دیان کی ہوا میں سرایت کر گئی تھیں۔ خلافت سے ملنے اور علمی جلسوں میں شریک ہونے کا شوق۔ امام کے خیمہ میں داخل تھا۔ ساتھ ہی اسکے ان کی شہرت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ جہاں جاتے تھے۔ استفادہ۔ ملاقات۔ مناظرہ۔ کی غرض سے خود ان کے پاس ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔

درس افتاء و بقیہ زندگی

اگرچہ حماد کی زندگی ہی میں امام صاحب نے اجتہاد کا رتبہ حاصل کر لیا تھا۔ عمر بھی کچھ کم نہ تھی یعنی حماد کی وفات کے وقت کم و بیش چالیس برس کا سن تھا تاہم شاگردانہ خلوص نے یہ گوارا نہ کیا کہ استاد کے ہوتے اپنا دربار الگ جائیں۔ اگلے زمانہ میں استاد کے ساتھ جو محبت اور لب آسیر تعلق ہوتا تھا آج اسکا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ خود امام سے منقول ہے کہ حماد جب تک زندہ رہے میں نے ان کے مکان کی طرف کبھی پانوں نہیں پھیلائے۔ حماد نے مسئلہ میں فقط کی چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا دلسا انہیں پر رہ گیا تھا ان کی موت نے کو فہم بصرہ چرائ کر دیا حماد نے ایک لائق بیٹا چھوڑا تھا۔ لوگوں نے انھیں کو سند درس پر بٹھایا۔ لیکن وہ لغت اور ادب کی طرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے جو حماد کے شاگردوں میں تھے بکا را اور سن کے لحاظ سے سب سے ممتاز تھے ان کی جگہ لی۔ وہ اگرچہ فقہ کے پورے ماہر نہ تھے لیکن اکثر

امام کا ادب

۱۱ مختصر تاریخ بغداد۔ ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

بزرگوں کی صحبتیں اٹھائی تھیں اور اس وجہ سے لوگوں پر انکا ایک خاص اثر تھا۔ چند روز تک حلقہ درس ان کی وجہ سے قائم رہا۔ وہ حج کو چلے گئے۔ تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابوحنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں۔

مختلف حالتوں کا اقتضا دیکھو! یا تو وہ زمانہ تھا کہ جوانی ہی میں ابتدائی کی مسند پر بیٹھے کی آرزو تھی یا اب اور لوگ درخواست کرتے ہیں اور انکو اسکی ذمہ داریوں کے لحاظ سے انکار ہے تاہم لوگوں کا اصرار غالب آیا اور چار دنا چار قبول کرنا پڑا۔ پھر بھی دل مطمئن نہ تھا۔

حافظ ابوالمحسن نے لکھا ہے کہ وہ انہیں دنوں میں خواب دیکھا کہ وہ پیغمبر خدا کی قبر مبارک کو کھودے ہیں۔ ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ میری ناقابلیت کی طرف اشارہ ہے۔ امام بن سیرین۔

علم تعبیر کے استاد مانے جاتے تھے۔ انھوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے۔ امام صاحب کو تسکین ہو گئی اور اطمینان کے ساتھ درس میں مشغول ہو گئے۔

خواب کا ذکر تمام مورخوں اور محدثوں نے بھی کیا ہے۔ اس لحاظ سے گمان غالب ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہو لیکن یہ زمانہ۔ اور ابن سیرین۔ کی تعبیر گوی۔ محض غلط ہے کیونکہ ابن سیرین اس سے بہت پہلے ملاحہ میں قضا کر چکے تھے۔ بہر حال امام صاحب نے ہتھقلال کے ساتھ

تدریس شروع کی۔ اول اہل حماد کے پیرانے شاگرد درس میں شریک ہوتے تھے۔ لیکن چند روز میں وہ شہرت ہوئی کہ کوفہ کی اکثر درس گاہیں ٹوٹ کر انکے حلقہ میں آئیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ

خود انکے اساتذہ۔ مثلاً سحر بن کدام۔ امام الشمس وغیرہ ان سے استفادہ کرتے تھے اور دوسروں کو تدریس لاتے تھے۔ اسپس کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جو ان کی شاگردی کے

تعلق سے آزاد رہا ہو۔ جن جن مقامات کے رہنے والے انکی خدمت میں پہنچے ان سب کا شمار نہیں ہو سکتا۔ لیکن جن اضلاع یا ممالک کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے وہ یہ ہیں

سندھ
کویت

کے۔ مدینہ۔ دمشق۔ بصرہ۔ واسطہ۔ موصل۔ جزیرہ۔ رتہ نصیبین۔ رملہ۔ مصر۔ یمن۔ یاسر
بحرین۔ بغداد۔ ہوازہ۔ کرمان۔ اصفہان۔ حلوان۔ استراباد۔ ہمدان۔ ہمدان۔ راسہ۔ قوس
وامغان۔ طبرستان۔ جرجان۔ نیشاپور۔ سرخس۔ لسا۔ بخارا۔ سمرقند۔ کس۔ صغانیان
ترند۔ ہرات۔ ہستار۔ الزم۔ خوارزم۔ سیدستان۔ دہان۔ حصیہ۔ حصیہ۔ مختصر یہ کہ ایسے
استادی کے حدود۔ خلیفہ وقت کی حدود حکومت کے برابر تھے۔

رتہ رتہ عراق میں ان کا ملکی اثر قائم ہو گیا۔ یہاں تک کہ ملک میں جو انقلابات ہوتے تھے
لوگوں کو ان کی شرکت کا عموماً گمان ہوتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہے کہ زید
بن علی نے ہوامیہ کے حمید بن جریف کی تھی امام صاحب بھی اس میں شریک تھے۔

تائید وانشوران کے موفیوں نے بھی ایسا ہی گمان کیا ہے۔ لیکن ہم اسپر یقین نہیں کر سکتے
جس قدر یحییٰ اور جمال کی کتابیں۔ مارے سلسلہ میں ابن یمن کہیں اس کا ذکر نہیں حالانکہ اگر

ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ زید بن علی نے سلمہ بن بخات کی تھی اس وقت ہشام بن
عبدالملک تخت خلافت پر تھیں تھا ہشام۔ اگرچہ کفایت شعراء اور بعض امور میں نہایت بزرگوار

تھا لیکن اس کی سلطنت نہایت امن و امان کی سلطنت تھی ملک میں ہر طرف امن و امان کا سکھ
بٹھایا ہوا تھا۔ رعایا۔ عموماً رخصا مند تھی۔ بیت المال میں ناجائز آمدنیوں داخل ہو سکتی تھیں

حالت میں امام ابوحنیفہ کو مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی زید بن علی۔ سادات میں ایک صاحب دعا
شخص تھے سب سے شہرہ انگو بخات کرنی ضرور تھی کیونکہ (بجائے ان کے) خلافت ان کا خاص حق

تھا۔ غالباً اس غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا خاندان اہل بیت کے ساتھ ایک خاص
ارتباط رکھتا تھا۔ امام صاحب نے ایک مدت تک امام باقر کے دامن فیض میں تربیت پائی

زید بن علی کے
خروج میں امام
صاحب شریک
نہ تھے

تھی کہ فرکی ہوا میں ایک مدت تک شیعیہ پر کا اثر تھا۔ ان اتفاقی واقعات نے امام الوصفیہ کی نسبت یہ گمان پیدا کر دیا۔ ورنہ تلامذہ بھی شہادتین بالکل اسکے خلاف ہیں۔

ہشام نے سن ۱۲۵ھ میں وفات کی۔ اسکے بعد ولید بن یزید۔ یزید النافص۔ ابراہیم بن ابی مرادان انکار کیے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ عباسی خلافت کی سلسلہ جنبانی جو ایک مدت سے ہو رہی تھی مروان کے عہد میں نہایت قوت پکڑ گئی۔ ابو مسلم خراسانی نے تمام ملک میں سارے شہنشاہ کجاں بھجیادیا اور مروانی حکومت کی جڑ ہلا دی۔ چونکہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور عراق میں بھی خاض کوثر تھا۔ مروان نے یزید بن عمر بن ابیہرہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا جو ہشتاد ویر۔ فیاض۔ خاندانی۔ اور صاحب اثر شخص تھا۔ یزید۔ نے حکومت مروانی کی ترکیب کو غور سے دیکھا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اس گلی میں اور سب کچھ ہے لیکن مذہبی پرزے نہیں ہیں اس بنا پر اس نے چاہا کہ ایوان حکومت مذہبی ستونوں پر قائم کیا جائے۔ عراق کے تمام فقہاء کو جعین تافہ بن ابی لیلی بن شہرہ۔ داؤد بن ہند بھی شامل تھے بلا کہ بڑی بڑی ملکی خدمتین بن امام صاحب کو سیر منشی اور انفسر خزانہ مقرر کرنا چاہا۔ انھوں نے صاف انکار کیا۔ یزید نے قسم لگا کر کہا کہ جیسا منظور کرنا ہوگا۔ ان کے ہم محبت بزرگوں نے بھی سمجھایا۔ مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ اور کہا کہ اگر یزید کہہ کہ مسجد کے دروازے گرنے دو تو بھی جھکو گوارا نہیں۔ نہ کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا شرمان لکھے اور میں اسپر مہر کر دینا، یزید نے غصہ میں اگر حکم دیا کہ ہر روز ان کو دس درے لگائے جائیں۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی تاہم وہ اپنی خدمت سے باز نہ آئے آخر مجبور ہو کر یزید نے چھوڑ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور مسالہ ۱۳۵ھ کی اخیر تک وہیں رہے۔ ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ میر جھگڑا تفصا کے قبول کے

قبول شدت
سے انکار

پر تھا۔ ممکن ہے کہ یہ عمدہ بھی اسکے لئے تجویز ہوا ہو۔ اور انھوں نے اس سے بھی انکار کیا ہو۔
 مسئلہ ۱۲ میں سلطنت اسلام نے دو ستر پہلو بدلا۔ یعنی بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا اور آل عباس
 تاج و تخت کے مالک ہوئے۔ اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفاح تھا اس نے چار برس
 کی حکومت کے بعد ۱۲۰ھ میں قضا کی۔ سفاح کے بعد اس کا بھائی منصور تخت نشین ہوا جیسے
 نے گوراموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا۔ تاکہ خلفائے بنی امیہ کی قبریں اکثر و گراں کی
 ہریاں تک جلا دیں۔ تاہم چونکہ نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا۔ عابجا عاقبت
 انھیں۔ ان فتنوں کے فرو کرنے میں سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے
 اور وہ زیادتیوں میں کہ مروانی حکومت کا نقشہ انگہوں میں پر گیا۔ تمام ملک کی آنکھیں ان کے
 جانشینوں پر لگی تھیں لیکن ان خونریزوں نے سب کے دل افسردہ کر دیے۔ چنانچہ ایک موقع
 پر منصور نے عبدالرحمن سے جو اس کا بچپن کا یار تھا پوچھا کہ ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت
 سے کیا نسبت ہے، اسے لکھا میرے نزدیک تو کچھ فرق نہیں، منصور نے کہا دیکھا کروں کام
 کے آدمی نہیں ملتے، عبدالرحمن نے کہا بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے۔ کثرت بھی
 اسی کی ہوتی ہے۔

سفاح منصور
 کی سفلیان

اور بہرحیان تو قتی بن منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی فروع کی ان میں
 شہر نہیں کہ سادات۔ ایک مدت سے خلافت کا خیال پکڑ رہی تھی۔ اور ایک لحاظ سے ان کا
 حق بھی تھا۔ تاہم سفاح کی وفات تک انکی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی۔ صرف بدگالی پر منصور
 نے سادات اور علویں کی بیخ کنی شروع کی۔ جو لوگ ان میں ممتاز تھے انکے ساتھ زیادہ بہرحیان
 کہیں۔ محمد بن ابراہیم کہ حسن جمال میں یکانہ روزگار تھے اور اسوجہ سے دیباچہ کو لاتے تھے انکو
 زندہ دیوار میں چبوا دیا۔ ان بہرحیوں کی ایک بڑی داستان ہے جسکے بیان کرنے کو بڑا سخت

دل چاہیے آخر تک اگر شکستہ میں انہیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا اور چند روزین ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتیٰ کہ امام مالک نے فتوے دیدیا کہ منصور کے جبراً بیعتی خلاف نفس ذکیہ کا حق ہے، نفس ذکیہ اگرچہ نہایت دلیر قوی بازو فن جنگ سے واقف تھے لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۳۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑ کر میدان جنگ میں مارے گئے۔ ان کے بعد ابراہیم ان کے بھائی نے علم خلافت باندھ لیا اور اس سرور سامان سے مقابلہ کر اٹھے کہ منصور کے حواس جا بے رہ گئے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے۔ سرانے سے نکیلا تھا لیتا تھا اور کتا تھا کہ وہیں نہیں جاتا۔ نیکہ میرا ہے یا ابراہیم کا؟ انہیں دونوں میں دو کینیز میں حرم میں کہیں۔ ان سے بات نہ کی۔ ایک شخص نے سبب پوچھا۔ تو کہا وہ یہ فرصت کے کام ہیں۔ اس وقت نویر وہیں ہے کہ ابراہیم کا سر میرے آگے۔ یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جاوے گا۔ ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور شہساز عالم تھے ان کے دشمنی خلافت پر ہر طرف سے لہیک کی صدائیں بلند ہوئیں خاص کوہ۔ میں کم و بیش ایک آدمی ان کے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے۔ نہ ہی گروہ خاص کہ علماء و فقہانے عوام ان کا ساتھ دیا۔ امام ابوحنیفہ شریعت سے ہراسیدوئی بے اعتدالیان دیکھتے آتے تھے۔ مسخاج ہی کے زمانہ میں انکی رائے قائم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے نمایان نہیں۔ ابراہیم بن ہشام جو ایک نہایت دیندار عالم تھے امام صاحب کے خالص دوستوں میں سے تھے۔ وہ اکثر کہتے کہ ان مظالم پر کیا ہتھکوپ رہنا چاہیے۔ امام صاحب فرماتے کہ امر بالمعروف و نہی عنکر ہے مگر اس لئے کہ ان شرط ہے۔ لیکن وہ مذہبی جوش میں صبر کی تاب لاتے۔ ابو مسلم خراسانی

نفس ذکیہ
اور ابراہیم
کی بہادری

کہ ان ظالموں کو بانی تھا۔ اس کے پاس گئے اور نہایت مہربانی کے ساتھ اس امر کے متعلق گفتگو کی جسے
انکی گستاخی یا فساد پیدا ہونے کے احتمال سے انکو قتل کرادیا۔ امام ابو حنیفہ۔ منکر بہت
روئے۔ لیکن کیا کر سکتے تھے۔ یہ ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے ۱۳۲ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند
کیا تو ادریشیویان مذہب کے ساتھ امام صاحب نے بھی انکی تائید کی۔ خود شریک جنگ ہونا چاہتے
تھے لیکن بعض مجبور یوں کی وجہ سے نہ ہو سکے۔ جس کا انکو ہمیشہ افسوس رہا۔

نامہ دانشوران میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو آنحضرت ابراہیم کو لکھا تھا
اس کے یہ الفاظ ہیں "اما بعد فانی قد جھرت الیہ ادبۃ الاحفد مرہم ولہ یکن
عندی خدیجہا وکولہ امانات الناس عندی للبحث ہکذا ذوالقیمت القوم ظہر
ہم فادخل کما فعل ابولہ فی اہل صفین اقل من مرہم واجہز علی جس یجہد
ولا تفعل کما فعل ابولہ فی اہل الجمل فان القوم لہم فیثۃ"

یعنی میں آپ کے پاس چار ہزار مرہم بھیجتا ہوں کہ اسوقت اسی قدر موجود تھے۔ اگر لوگوں کی
امانتیں میرے پاس نہ رکھی ہوتیں تو میں ضرور آپ سے آلتا۔ جب آپ دشمنان پر فتح پائیں
تو وہ برتاؤ کریں جو آپ کے باپ (حضرت علی) نے صفین والوں کے ساتھ کیا تھا۔ نہ زخمی
اور بھاگ جانے والے سب قتل کئے جائیں۔ وہ طریقہ خدا تعالیٰ کیجے گا جو آپ کے والد عرب
جمل میں جائز رکھا تھا۔ کیونکہ مخالفت بڑی جمیعت رکھتا ہے۔ نامہ دانشوران میں اس خط
کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے۔ لیکن کسی خاص کتاب کا نام نہیں بتایا
اسی لئے ہم اسکی صحت پر یقین نہیں کر سکتے۔

یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر یحییٰ شہد نہیں کہ امام صاحب۔ ابراہیم کے زمانہ طرفدار تھے اور
بجز اس کے کہ خود شریک جنگ نہ ہو سکے اور ہر طرح پرانگی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے

شکست کھائی اور ابصرہ میں نہایت دلیری سے لڑ کر مارے گئے۔ اس ہم سے فارغ ہو کر منصور
 ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیمؑ کا ساتھ دیا تھا۔ ان میں امام صاحب بھی تھے
 اسوقت تک منصور کا پایہ تخت ہاشمید ایک مقام تھا جو کوہ سے چند میل پر ہے۔ لیکن چونکہ کوہ
 والے سادات کے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ منصور نے ایک دوسری
 وار الخلفاء کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا۔ ۱۲۶۶ھ میں بغداد پہنچ کر امام ابو حنیفہ کے نام فرمان بھیجا
 کہ خود اپنے تخت میں حاضر ہوں۔ وہ ہوا میہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے اور کوہ
 میں مقیم تھے۔ منصور نے گو پہلے ہی اسکے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تاہم بہانہ ڈھونڈتا تھا۔ دربار میں
 حاضر ہوئے تو رجم کے کھجالت کا عہدہ رکھتا تھا ان لفظوں سے انکو دربار میں پیش کیا وہ دنیا
 میں آج سب سے بڑا عالم ہے۔ منصور نے پوچھا تم نے کس سے علم کی تحصیل کی۔ امام نے استادوں
 کے نام بتائے جنکا سلسلہ شاگردی بڑے بڑے صحابہ تک پہنچتا تھا۔ منصور نے اسکے لئے قضا
 کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب نے صاف انکار کیا اور کہا کہ دین اسکی قابلیت نہیں رکھتا۔ منصور
 نے غصہ میں انکو دھمکھوٹے ہوئے کہ امام صاحب نے کہا اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعوے
 ضرور سچا ہے کہ میں عہدہ قضا کے قابل نہیں کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہو سکتا
 یہ تو ایک منطقی لطیفہ تھا۔ لیکن دراصل وہ قضا کی ذمہ داریاں نہیں اٹھا سکتے
 تھے۔ انہوں نے منصور کے سامنے اپنی قابلیت کی جو وجہیں بیان کیں وہ بالکل بجا تھیں
 یعنی یہ کہ دو جھکو اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں۔ ”درین عربی النسل نہیں ہوں اسی لئے اہل
 عرب کو میری حکومت ناگوار ہوگی۔“ دربار یوں کی تعظیم کرنی پڑے گی اور یہ مجھے نہیں
 ہو سکتا۔ پھر بھی منصور نے نہ مانا اور قسم کھا کر کہا کہ تم کو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب
 نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہ قبول کروں گا۔

امام ابو حنیفہ

دربار میں
عالم بزرگوارعہدہ قضا
سے انکار

اس جرات اور سہاوت پر تمام دربار حیرت زدہ تھا۔ رجب نے غصہ میں اگر کہا ابو حنیفہ! تم امیر المؤمنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا: ہاں کیونکہ امیر المؤمنین کی قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے۔

خطیب کی ایک اور روایت ہے کہ منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً دارالقضا میں جا کر بیٹھے۔ ایک مقدمہ پیش ہوا حسین قرضہ کا دعویٰ تھا۔ لیکن ثبوت کے گواہ نہ تھے مدعا علیہ کو سرے سے انکار تھا۔ امام صاحب نے حسب قاعدہ مدعا علیہ سے کہا تم قسم کھاؤ کہ مدعی کا تم پر کچھ دینا نہیں آتا۔ وہ تیار ہو گیا۔ اللہ کا لفظ کہا تھا کہ امام صاحب نے گہرا کر روک دیا اور آستین سے کچھ روپے نکال کر مدعی کے حوالہ کئے کہ تم اپنا قرض لو۔ ایک مسلمان کو قسم کیوں کھلاتے ہو۔ عدالت سے اگر منصور سے کہدیا کہ مجھے کسی طرح یہ کام نہیں چل سکتا۔ اسپر حکم ہو کہ قید خانہ بھیجے جائیں جس سے اس وقت چھوٹے قیدی حیات سے چھوٹے اس بدین منصور اکثر انکو قید خانے بلالیتا اور علی بخشین لیا کرتا۔

وفات۔ جب ۱۵ ہجری

منصور نے امام کو ۱۴۶ھ میں قید کیا۔ لیکن اس حالت میں بھی اسکو انکی طرف کا طینان نہ تھا۔ بعد ازاں دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے آتے تھے بغداد وہی گارج کرتے تھے۔ امام صاحب کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ قید کی حالت نے انکے اثر اور قبول عام کو بچائے کم کرنے کے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر بہن بہت کچھ اثر تھا۔ انکے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے انکو کو نظر بند رکھا۔ لیکن کوئی امر ان کے ادب اور تعظیم

کے خلاف نہ کر سکتا تھا۔ قید خانہ میں ان کا سلسلہ تعلیم بھی برابر قائم رہا امام محمد نے کہ قید خانہ کی
کے دست و بازو ہیں۔ قید خانہ ہی میں ان سے تعلیم پائی۔ ان وجوہ سے منظور۔ کہ امام محمد
کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید کی حالت میں بھی باقی رہا۔ جسکی آخری تدبیر یہ تھی کہ پھر
میں آگودھر دلوادیا۔ جب آگودھر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی اس کے
مرنے کی خبر تمام شہر میں بہت جلد پھیل گئی اور سارا بغداد افسوس کیا۔ حسن بن عمار نے کہ قاضی
شہر تھے غسل دیا۔ نہلاتے تھے اور کتے جاتے تھے والدہ تم سب سے بڑے فقیہ بڑے
عابد بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس
کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں۔ غسل دیا۔ اور دفن ہوئے ہوئے لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ
پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کھینچا۔ اس پر بھی آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا
یہاں تک کہ چہرہ بار نماز پڑھ ہی گئی اور عصر کے قریب جا کر لاش دفن ہو سکی۔ امام نے وصیت
کی تھی کہ خیران کے مقبرہ میں دفن کیے جائیں۔ کیونکہ یہ جگہ اس کے خیال میں مفضول تھی
اس وصیت کے موافق خیران کے مشرقی جانب انکا مقبرہ تیار ہوا۔ مومن خطیب نے لکھا ہے
کہ دو دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے کیے۔ قبول عام کی آیت
زیادہ دیکھا دلیل ہوگی؟

اس وقت ان خالاک میں بڑے بڑے ائمہ مذہب موجود تھے جن میں بعض خود امام صاحب
استاد تھے۔ سب نے اس کے مرنے کا سوچا اور نہایت تاسف و افسوس کیا۔ ان میں سے
میں تھے۔ سنکر کہا: "انا لہ بہت بڑا علم جاتا رہا"۔ شعب بن الحجاج نے کہ امام ابو حنیفہ کے شیخ
اور بصرہ کے امام تھے۔ نہایت افسوس کیا اور کہا: "دو کوفہ میں اندھیرا ہو گیا"۔ اس واقعہ کے
چند روز کے بعد عبداللہ بن المبارک کو بغداد جلنے کا اتفاق ہوا امام کی قبر پر گئے اور رو کر کہا

عہدہ
سے انکار

کہا کہ ابو حنیفہ! خدا تم پر رحم کرے ابراہیم۔ مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ افسوس تم نے تمام دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہ چھوڑا!

امام کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاہ خلافت رہا اور کج بھی سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے کہ بڑی عظمت و شان کا فرمانروا اور نہایت عادل اور فیاض تھا ۳۵۹ھ میں اون کی قبر پر ایک قبر اور اسکے قریب ایک مدرسہ تیار کرایا۔ غالباً بغداد میں یہ پہلا مدرسہ تھا۔

کیونکہ نظامیہ جو تمام اسلامی مدرسوں کا آدم خیال کیا جاتا ہے وہ اسی سنہ میں لیکن اسکے بعد تعمیر ہوا۔ رفعت اور خوبی عمارت کے لحاظ سے بھی لا جواب تھا۔ ابو سعد شرف الملوک الپ ارسلان کا مستوفی تھا اسکے اہتمام سے عمارت تیار ہوئی۔ افتتاح کی رسم میں بغداد کے تمام علما اور علماء شریک تھے۔ اتفاق سے اسی وقت ابو جعفر مسعود جو ایک مشہور شاعر تھا انکلا اور برحسہ یہ اشعار پڑھے۔

| | |
|------------------------------|-----------------------------|
| الوتران العبد کان مبددا | مجموعہ هذا المصنف فی المحل |
| کذا لک کانت هذه الاوضاع قیمة | فالشاعر فاعل الحمید ابی سعد |

یعنی تم دیکھتے نہیں! علم کس طرح اتر ہو رہا تھا۔ پھر اس شخص نے اسکو ترتیب دی جو اس شخص میں مدفون ہے۔ اسی طرح یہ زمین مرزہ پڑی تھی ابو سعد کی کوشش نے اسکو دوبارہ زندہ کیا یہ مدرسہ جو مشہور ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہے مدت تک قائم رہا اور پڑھے پڑھنے والے نامور علما اسکے پروفیسر مقرر ہوئے۔ جبکہ نام اور اجمالی حالات ابجوابہ المصنف فی طبقات الحنفیہ میں اکثر پائے جاتے ہیں۔ ۳۵۹ھ میں حکیم بن جزلہ لے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا اپنی تمام کتابیں اس مدرسہ پر وقف کیں اس مدرسہ کے متعلق ایک مسافر نے بھی لکھا کہ عقود الحان میں یہ تعلیم تفصیل مذکور ہے ۱۱۵۸ھ ابن خلکان۔ ترجمہ بخاری بن جزیلی بن الطیب ۱۲۰۰ھ

شائقان علم جو اطراف ملک سے اکبر بغداد میں عارضی قیام کرتے تھے انکو وہاں سے کھانا ملتا تھا۔ ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جو وقت بغداد میں پہنچا ہے عباسی حکومت کا اخیر زمانہ تھا وہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ در اس وقت تمام بغداد میں مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ موجود نہیں ہے جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو، آج بھی ان کا مقبرہ بغداد کے مشہور اور سنیکر مقامات سے ہے۔ حال کے شاہ ایران سلطان ناصر الدین قاجار خلد اس سلطنت سے اپنے حالات سفر میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "میں نے امام ابو حنیفہ کے مزار پر فاتحہ پڑھائی اور غریبوں کو کھانا دیا" علم کی شان و بکھو جس کی بدولت کوفہ کے ایک خزانے پر رتبہ چل گیا کہ ہزار سو برس کے بعد آج اسکے مزار پر بڑے بڑے شاہنشاہوں کے سر جھکتے ہیں۔

امام کی اولاد

امام صاحب کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہیں مگر اس قدر یقینی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا ان کے کوئی اور اولاد موجود نہ تھی۔ حماد بڑے بڑے فاضل تھے بچپن میں انکی تعلیم تہا انتہا سے ہوئی تھی۔ چنانچہ جب محمد بن حاتم کی تو اس کے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچ درہم دیئے۔ بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی۔ علم و فضل کے ساتھ بے نیازی اور پرہیزگاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے۔ امام صاحب نے جب انتقال کیا تو ان کے گھر میں لوگوں کا بہت سا مال و اسباب امانت رکھا تھا۔ انھوں نے قاضی کے پاس حاضر کیا کہ جنکی امانتیں ہیں انکو پہنچا دی جائیں قاضی صاحب نے کہا کہ ابھی اپنے ہی ہاں رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہے گا۔ انھوں نے کہا آپ انکی جلیج کر لیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہو جاوے۔ غرض تمام مال و اسباب قاضی صاحب کو سپرد کر کے خود روپوش

ہو گئے اور اسوقت ظاہر ہوئے کہ وہ چیزیں کسی اور قسم کے اہتمام میں دیدی گئیں۔ تمام عمر کسی کی ملازمت نہ بنیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ ذیقعدہ سالہ میں قضا کی چار بیٹے چھوڑ دیے۔
 عمر۔ اسمعیل۔ ابو حنیان۔ عثمان۔ اسمعیل نے علم و فضل میں نہایت شہرت حاصل کی چنانچہ امون الرشید نے انکو عمدہ قضا پر مامور کیا جسکو انھوں نے اس دیانت واری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب نصرہ سے چلے تو سارا شہر انکی مشایعت کو نکلا۔ اور سب لوگ انکے جان و مال کو دعائیں دیتے تھے۔ مسافر نے انکی طرح میں کہا ہے۔

| | |
|--|---|
| اذا اما للناس يومًا قايحون اتيناهم بمقياس صحيح اذا سمع الفقيه بها وعاءها | بابدؤ من الفتيا طريقه تلاو من طراز ابي حنيفة واثبتها فجر في صحيفه |
|--|---|

امام صاحب کی معنوی اولاد و تواتر تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہ ہوگی۔ لیکن انکی جسمانی اولاد بھی جا بجا موجود ہے خود ہندوستان میں متعدد خاندان ہیں جن کا سلسلہ نسب امام تک پہنچتا ہے اور خد کے فضل سے علم و فضل کا جوہر بھی نسل بعد نسل ان کی میراث میں چلا آتا ہے۔

اخلاق و عادات

ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اس قدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی وہ چالیس برس تک عشا کے دھڑ سے صبح کی نماز پڑھی، "تیس برس تک متصل روزے رکھے"، دو جہان وفات کی اس جگہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا، نہر کو فر میں مشتبہ گوشت کا ٹکرا پڑ گیا تو اس خیال سے کہ چھایوں نے کھایا ہوگا اور پھیلیاں بہت دونوں تک زندہ رہتی ہیں، ایک مدت تک

سب الفرائض
روایتیں

مچھلی نہیں کھائی۔ اسی طرح ایک ٹیبرہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ اُن کا ذاتی صرفہ صرف
دس آنہ ماہوار تھا۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے افسانے انکی نسبت مشہور ہیں اور لطف یہ کہ
ہمارے مورخین انہیں وہ راز کار قصوں کو۔ امام کے کمالات کا جو ہر سچتے ہیں۔ حالانکہ یہ واقعات
تاریخی اصول سے ثابت ہیں نہ اُن سے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ امام صاحب کے جن فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہیں وہ بھی انہیں
کتبوں سے ماخوذ ہیں نہ کہ یہ فضول قصے مذکور ہیں لیکن ہر واقعہ کی حیثیت الگ ہوتی ہے
اور اسی اعتبار سے شہادت کی حیثیت بھی بدل جاتی ہے۔ معمولی واقعات میں امام شہادتین
کا فی ہین۔ لیکن اس قسم کے واقعات کے لئے ایسی سند درکار ہے جس میں درج بھی شبہ کی گنجائش
نہ ہو یعنی حدیث صحیح مرفوعہ متصل کے لئے جو قیدیں ضروری ہیں اُن سے بھی کچھ بڑھ کر سنا
جیسا کہ روایت کے اصل پر منطبق ہو۔ امام صاحب کی دانشمندی۔ دقیقہ بینی۔ مکمل شناسی چوب
نگاہ پڑتی ہے جنکا ثبوت سعی نہیں۔ عیانی موجود ہے۔ تو اُن واقعات پر شکل سے یقین آ سکتا
جو رہبانیت اور بے اعتدالی کی حد سے بھی متجاوز ہیں۔

امام صاحب کے محاسن اخلاق کی صحیح لکرا جالی تصویر دیکھنی ہو تو قاضی ابو یوسف کی تقریر
سنو۔ جو انھوں نے ہارون الرشید کے سامنے بیان کی تھی۔ ہارون نے ایک موقع پر قاضی
صاحب موصوف سے کہا کہ ابو حنیفہ کے اوصاف بیان کیجئے۔ انھوں نے کہا جہان تک
میں جانتا ہوں ابو حنیفہ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پرہیزگار تھے منہیات سے
بہت بچتے تھے۔ اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو
معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے۔ نہایت سخی اور فیاض تھے۔ کسی کے اُگے
حاجت نہ لیجائے۔ اہل دنیا سے احتراز تھا۔ دنیوی جاہ و عزت کو غیر سمجھتے تھے غیبت بہت

بچے تھے۔ جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ اور مال کی طرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے۔ ہارون الرشید نے یہ سن کر کہا: یہ صاحبین کے یہی اخلاقی ہوتے ہیں۔ عام نگاہوں میں یہ باتیں چنداں وقعت نہیں رکھتیں لیکن روحانی اور صالحانہ کے نکتہ شناس سمجھ سکتے ہیں کہ یہ طرز زندگی ظاہر میں جس قدر سادہ اور آسان ہے۔ دراصل اسی قدر مشکل اور قدر کے قابل ہے۔

امام صاحب کا
عید اور گنگو

یاس

امام صاحب کو خزانہ حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا۔ میانہ قدر خوش رو۔ اور موزوں اندام تھے۔ گنگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے۔ مزاج میں تکلف تھا۔ اور اکثر خوش لباس رہتے تھے۔ کبھی کبھی سنباب و قاقم کے بچے بھی استعمال کرتے تھے۔ ابو مطیع بلخی ان کے شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن انکو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنے دیکھا جنکی قیمت کم از کم چار سو درہم ہوگی۔

ایک دن نصر بن محمد ان سے ملے گئے۔ امام صاحب کہیں ماہر جانے کی تیاری کر رہے تھے اسلئے کہا کہ ذرا دیر کے لئے اپنی چادر مجھے دیدو۔ واپس آئے تو شکایت کی کہ نہ ہاتھ تھری چادر لیکر مجھ کو شرمندہ ہونا پڑا، اور ہونے لگا کیوں؟ فرمایا بہت گندہ ہے نصر کہتے ہیں کہ! میں نے وہ چادر پانچ دینار کو خریدی تھی اور مجھ کو اسپرنا نہ تھا۔ اسی لئے امام صاحب کی شکایت سے تعجب ہوا لیکن دوسرے موقع پر جب میں نے انکو ایک چادر اوڑھے دیکھا جو بیس دینار سے کم قیمت کی نہ تھی تو وہ تعجب جاتا رہا، خلیفہ منصور نے درباریوں کے لئے خاص قسم کی ٹوپیاں ایجاد کی تھیں جو نرکل وغیرہ سے بنی تھیں اور انپر سیاہ کپڑا بندھا ہوتا تھا چونکہ نہایت لمبی ہوتی تھیں ابو ولاتہ شاعر نے طرفہ کہا۔

وکنانہی من امام زیادۃ خزانہ الامام المرتضیٰ فی القلائد

یعنی ہجو خلیفہ سے اخلافہ کی امید تھی۔ سو حضرت نے اخلافہ کیا تو وہ بیوں میں کیا؟ امام صاحب اگرچہ دربار سے کوسوں بھاگتے تھے لیکن اس قسم کی ٹوپی جو اہل دربار اور امراء کے ساتھ مخصوص تھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ دنیا دار دو قسمندوں کے لئے تو ایک معمولی بات ہے۔ لیکن علماء کے دائرہ میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانہ میں اکثر سات اٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تھیں۔

اور باتوں میں بھی امام صاحب کا طرز معاشرت ان جیشیوان میں اور علمائے بالکل جدا تھا۔ ان کے معاصر عموماً شاہی اور باریا و زرا اور امراء کے وظیفہ خوار تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ قاضی بن عبدالبر پر کسی نے اعتراض کیا تھا۔ کہ آپ امراء کے وظیفہ خوار ہیں۔ انھوں نے اس کے جواب میں بعض صحابہ۔ اور بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی نظیریں پیش کیں جو امراء کے روزینے اور انعامات سے زندگی بسر کرتے تھے۔

اگرچہ ہم اسکو نئے خیال والوں کی طرح کارہی اور مفت خواری کا اثر نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس زمانہ تک تعلیم کا سلسلہ۔ معاوضہ کی بنیاد پر نہیں قائم ہوا تھا۔ علما۔ بطور خود اپنے گھرن یا مسجدوں میں لوگوں کو مفت تعلیم دیتے تھے۔ اور یہ سلسلہ اس قدر وسیع اور مفید تھا کہ آج تک اس سے بڑھکر نہ ہو سکا۔ امراء کے ہاں سے ان لوگوں کے لئے جو وظیفے مقرر تھے یا کبھی کبھی صلہ و نذر کے طور پر مل جاتا تھا اسکو ان آنریری پروفیسرن کی خواہ سمجھ لینا چاہیے لیکن اس سے انکار نہیں نہیں ہو سکتا کہ رفتہ رفتہ انہیں مثالوں سے پیروی کی اور مفت خواری کی بنیاد قائم ہو گئی۔ جسے قوم کے ایک بڑے حصہ کو بالکل نکما اور اپاہج بنا دیا ہے۔ شبہہ امام ابو حنیفہ اس اصول کے سرے سے مخالف تھے اور اس کا طے سے انکی مخالفت بجا بھی تھی

وظیفہ خواری سے ابتدا ہے

اس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ امر حق کے اظہار میں امام صاحب کو کسی سے باک نہیں ہو جاتا تھا۔ انسان کتنا ہی آزاد و منہ راج اور صاف گو ہو لیکن احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اس کے اثر سے بچنا ناممکن نہیں تو قریباً ناممکن ہے۔ امام صاحب تمام عمر کسی کے احسان مند نہ رہے اور اس وجہ سے انکی آزادی کو کوئی چیز دبانہ سکتی تھی اکثر موقعوں پر وہ اس خیال کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے۔ بن ہسیر نے کہ کو نہ کا گورنر اور نہایت نامور شخص تھا۔ ان سے بہ سجاوحت کہا کہ وہ آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو بھرپور احسان ہوتا فرمایا وہ میں تم سے مل کر کیا کرونگا میرانی سے پیش آؤ گے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آجاؤں۔ عتاب کرو گے تو میری ذلت ہے۔ تمہارے پاس جو زر و مال ہے مجھ کو اسکی حاجت نہیں۔ میرے پاس جو دولت ہے اس کو کوئی شخص چھین نہیں سکتا۔ عیسے بن موسیٰ کے ہاتھ بھی ایسا ہی واقعہ گزرا۔

آزادی و بے
نیازی

خلیفہ منصور اور حرہ خاتون (منصور کی بیوی) میں کچھ شکریہ بھی ہو گئی تھی۔ خاتون کو شکایت تھی کہ خلیفہ عدل نہیں کرتا۔ منصور نے کہا کسی کو منصف قرار دو۔ اسے امام صاحب کا نام لیا اسی وقت طلبی کا فرمان گیا۔ خاتون پر دہ کے قریب بیٹھی کہ امام صاحب جو فیصلہ کریں خود اپنے کانوں سے سنے۔ منصور نے پوچھا۔ شریع کی رو سے مرد کتنے نکاح کر سکتا ہے امام صاحب نے کہا چار۔ منصور کی خاتون کی طرف ہنسا طلب ہوا کہ سنتی ہوا پر دہ سے آواز آئی کہ بان سنا۔ امام صاحب نے منصور کی طرف خطاب کر کے کہا مگر یہ اجازت اس شخص کیلئے خاص ہے جو عدل پر قادر ہو۔ ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اچھا نہیں خدا فرماتا ہے وان خفتن ان کا تعد لواواحد کہ منصور چپ ہو گیا امام صاحب نے کہا تو ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لئے ہوئے حاضر ہوا کہ خاتون نے نذر بھیجی ہے۔ اور کہا ہے کہ عیال کی کنیز آپ کو سلام کہتی ہے اور آپ کی حق گوئی کی نہایت مشکور ہے۔ امام صاحب نے روپیے پھیر دیے اور خادم سے فرمایا جا کر خاتون سے کہنا

بلاغرض
حق گوئی

کہ میں نے جو کچھ کہا کسی غرض سے نہیں کہا بلکہ میرا فرض منصبی تھا۔“

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی لاکھوں کالین دین تھا۔ اکثر شہروں میں گمشتے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگردن سے معاملہ رہتا تھا۔ ایسے بڑے کارخانہ کے ساتھ دیا اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حصہ بھی ان کے خزانہ میں نہیں ہو سکتا تھا۔ اس احتیاط میں کبھی کبھی نقصان اٹھانا پڑتا تھا مگر ان کو کچھ پروا نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حفص بن عبد الرحمن کے پاس خزنہ کے تھان بچھے اور کہلا بھیجا کہ فلان فلان تھان میں میری خریدار کو جادینا۔ حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا۔ تھان بچھ لے اور خریداروں کو عیب سے اطلاع نہ دی۔ امام صاحب کو معلوم ہوا تو نہایت افسوس کیا۔ تھانوں کی قیمت چوبیس ہزار تھی ابھی سب خیرات کر دی۔

تجارت
اور دین

ایک دن ایک درباریہ غز کا تھان لیکر آئی کہ فروخت کرادیجئے۔ امام صاحب نے دام پوچھے اسے سو روپیے بتائے۔ فرمایا کم ہیں۔ اسے کہا تو دو سو روپیے۔ فرمایا یہ تھان پانچ سو سے کم قیمت کا نہیں۔ اسے متعجب ہو کر کہا آپ شاید ہنسی کہتے ہیں۔ امام صاحب نے پانچ سو روپیے اپنے پاس سے دیدے اور تھان رکھ لیا۔ اس احتیاط اور دیانت نے ان کے کارخانہ کو بچا۔ نقصان پہنچانے کے اور بھی چمکا دیا تھا۔

تجارت اور انساب دولت سے ان کا مقصود زیادہ تر عام کو فائدہ پہنچانا تھا جتنے جہاں ورنے والے تھے سب کے روزیہ مقرر کر رکھے تھے شیوخ اور محدثین کے لئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا کہ اس سے جو نفع ہوتا تھا سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا۔ عام معمول تھا کہ گہر والوں کے لئے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علما کے پاس بھیج دیتے۔ اتفاق یہ کوئی شخص ملے آتا تو اس کا حال پوچھتے اور حاجت مند ہوتا تو حاجت روائی کرتے شاگردوں

فیاضی

میں جس کو تنگ حال دیکھتے اس کی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے کہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے۔ بہت سے لوگ جنکو منطقی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں مل سکتا تھا امام صاحب کی دستیگیری کی بروایت بڑے بڑے رہنما پر پہنچے انہیں میں قاضی ابوالیوسف صاحب بھی ہیں جنکا مفصل تذکرہ آگے آتا ہے۔

شاگردوں کے
ساتھ سلوک

ایک دفعہ کچھ لوگ ملے آئے ان میں ایک شخص ظاہری صورت سے شکستہ حال معلوم ہوتا تھا۔ لوگ رخصت ہو کر چلے تو امام صاحب نے اس سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ۔ جانماز کی طرف اشارہ کیا کہ ہسکو اٹھانا آسنے دیکھا تو ہزار درہم کی ایک تھیلی عرض کی کہ میں تو تندرست ہوں۔ بھگوا سکی ضرورت نہیں۔ فرمایا تو صورت ایسی بنائی چاہیے کہ دوسرے کو شہدہ نہ ہو۔ ایک دفعہ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے۔ راہ میں ایک شخص ملا جو انکا مقروض تھا آسنے دور سے آنکھ دیکھ لیا اور کمر اکرو دوسری طرف چلا۔ انھوں نے پکارا کہ کہاں جاتے ہو؟ وہ کھڑا ہو گیا قریب پہنچے تو پوچھا کہ بھگوا دیکھ کر تم نے راستہ کیوں کاٹا؟ آسنے کہا آپ کے دس ہزار درہم مجھ پر آتے ہیں جو مجھے اب تک ادا نہ ہو سکے۔ اس شرم سے آنکھ برابر نہیں ہوتی؟ امام صاحب اسکی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا۔ جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔ ایک بار سفر حج میں عبداللہ رحمہ اللہ کا ساتھ ہوا کسی منہل میں ایک بدوی نے آنکھ پکڑا اور امام صاحب کے سامنے لایا کہ اسپر میرے روپیے آتے ہیں اور یہ ادا نہیں کرتا۔

امام صاحب نے عبداللہ سے اسکی حقیقت پوچھی۔ انھوں نے سر سے انکار کیا۔ امام صاحب نے بدوی سے پوچھا آخر کتنے درہم ہوں پر یہ جھگڑا ہے آسنے کہا چالیس درہم۔ متعجب ہو کر فرمایا کہ زمانہ سے حیمت اٹھ گئی آسنے سے معاملہ پر یہ فضیحتی اسپر کی درہم اپنے پاس سے ادا کر دیئے۔ ابراہیم بن عقبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے اور اس ذمہ کی وجہ سے لوگو

سے ملنا چلنا چھوڑ دیا تھا۔ اُسکے ایک دوست نے چندہ کر کے اُنکا قرض ادا کرنا چاہا۔ لوگوں نے بقدر خشیت اعانت کی۔ امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا کہ کل کس قدر قرضہ ہے انھوں نے کہا چار ہزار۔ فرمایا اتنی سی رقم کے لئے لوگوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ یہ کہہ کر پورے چار ہزار روپے خود دیدیئے۔ تاریخوں میں اس قسم کے اور بہت سے واقعات اُن کی نسبت منقول ہیں جنہیں اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرے۔

اس دو تہمدی اور عظمت و شان کے ساتھ نہایت متواضع۔ حلیم۔ اور غلیق تھے ایک دفعہ مسجد خیف میں تشریف رکھتے تھے۔ شاگردوں اور ارادتمندوں کا حلقہ تھا۔ ایک جہنی شخص نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب مناسب دیا۔ اُسے کہا ”مگر حسن بصری نے اس کے خلاف بتایا ہے۔“ امام صاحب نے فرمایا ”حسن نے غلطی کی“ حاضرین میں سے ایک شخص کہ حسن کا مستعد تھا طیش میں آگیا اور جھلا کر کہا ”ادابن الفاحشرہ تو حسن کو خاطی کہتا ہے“ اس گستاخی اور بیہودہ گوئی نے تمام مجلس کو برہم کر دیا اور لوگوں نے چاہا کہ اُسکو پکڑ کر سزا دیں۔ امام صاحب نے روکا۔ اُسکے لحاظ سے لوگ مجبور ہو گئے۔ مگر دیر تک مجلس میں سناٹا رہا۔ لوگوں کا جوش کم ہوا تو۔ امام صاحب نے اُس شخص کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ ”وہاں حسن نے غلطی کی عبد اللہ بن مسعود نے اس باب میں جو روایت کی ہے وہ صحیح ہے“

یزید بن کیت کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص نے اُن سے گستاخانہ گفتگو شروع کی۔ امام صاحب تحمل سے جواب دیتے تھے وہ اور شوخ ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اُسے امام کو نزدیک کہ دیا۔ اسپر فرمایا کہ خدام کو بجھئے۔

وہ خوب جانتا ہے کہ میری نسبت تم نے جو لفظ کہا۔ صحیح نہیں ہے۔“ امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی پر نفرت نہیں کی۔ کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کسی مسلمان۔ یا ذمی کو نہیں ستایا۔

کسی سے فریب اور بد عہدی نہیں کی۔“

امام سفیان ثوری اور امام صاحب بن کچہ شکر بنی تھی۔ ایک شخص نے امام صاحب سے اکر کہا کہ سفیان۔ آپ کو برا کہہ رہے تھے۔ امام نے فرمایا کہ ”خدا میری اور سفیان دونوں کی مغفرت کرے۔ یہ سچ ہے کہ برا ہیتم نخی کے موجود ہوتے بھی اگر سفیان دنیا سے اٹھ جاتے تو مسلمانوں کو سفیان کے مرنے کا ماتم کرنا پڑتا۔“

ایک دن مسجد میں درس دے رہے تھے۔ ایک شخص نے جملہ اُن سے کچھ عداوت تھی عام مجلس میں انکی نسبت نامنرا الفاظ کہے۔ انھوں نے کچھ التفات نہ کی۔ اداسی طرح درس میں مشغول رہے۔ شاگردوں کو بھی منع کر دیا کہ اسکی طرف متوجہ نہ ہوں۔ درس سے اٹھتے تو وہ شخص ساتھ ہوا اور کچھ منہ میں آتا تھا بکثرت جاتا تھا۔ امام صاحب اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ بھائی یہ میرا گھر ہے کچھ باتیں ریگیاں ہو تو اٹھا نہ رکھو کہ اب میں اندر جاتا ہوں اور تمکو موقع نہ ملے گا۔“

ایک اور دن۔ حلقہ درس قائم تھا۔ ایک نو عمر نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب دیا اُس نے کہا۔ ابو حنیفہ تم نے جواب میں غلطی کی۔ ابو الخطاب جرجانی بھی حلقہ میں شریک تھے انکو نہایت غصہ آیا اور حاضرین کو ملامت کی کہ تم لوگ بڑے بے حیثیت ہو۔ امام کی شان میں ایک نوٹراجی میں آتا ہے کہہ جاتا ہے۔ تم کو ذرا جوش نہیں آتا۔ امام صاحب نے ابو الخطاب کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ اُن لوگوں پر کچھ الزام نہیں۔ میں اس جگہ بیٹھا ہوں تو اسی سیٹے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیاں ثابت کریں اور میں تمہیں اس کے ساتھ سنوں۔“

محلہ میں ایک موچی رہتا تھا جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا۔ اسکا معمول تھا کہ

ہمدردی
اور جیسا بگی
کا بھانڈا

دن بھر مزدوری کرتا۔ شام کو بازار جا کر گوشت اور شراب مول لاتا۔ کچھ رات گئے دوست
اجباب جمع ہوتے۔ خوب سیخ پرکیاب لگاتا اور یاروں کو کہلاتا ساتھ ہی شراب کا دور چلتا
اور فرسے میں اگر یہ شعر لگاتا۔ اضاعونی وای فقی اضاعوا۔ لیوم کریمہ و سدا دفقر۔
یعنی دو لوگوں نے مجھ کو ہاتھ سے لکھو دیا اور کیسے بڑے شخص کو لکھو یا جو لڑائی اور رخنہ بندی
کے دن کام آتا، امام صاحب ذکر و شغل میں رات کو سوتے کم تھے۔ اسکی نغمہ سخیان سنتے اور
نظر اخلاق کی وجہ سے کچھ تعرض نہ کرتے۔ ایک رات کو تو ال شہر ادھر نکلا۔ اور اس غریب کو
گرتا کر کے قید خانہ میں بھیج دیا۔ صبح کو امام صاحب نے دوستوں سے تذکرہ کیا۔ کہ رات
کو ہمارے ہمسایہ کی آواز نہیں آئی۔ لوگوں نے رات کا اجرا بیان کیا۔ اسی وقت سواری طلب کی
دربار کے کپڑے پہنے اور دارالامارہ کا قصد کیا۔ یہ جہاں کا عہد حکومت تھا اور عیسیٰ بن موسیٰ
کہ خلیفہ منصور کا برادرزادہ اور تمام خاندان میں عقل و تدبیر دلیری اور شجاعت کے لحاظ
سے ممتاز تھا کوفہ کا گورنہ تھا۔ لوگوں نے اطلاع کی کہ امام ابو حنیفہ آپ کے ملنے کو آتے ہیں
آسنے درباریوں کو استقبال کے لئے بھیجا۔ اور حکم دیا کہ دارالامارہ کے صحن تک امام صاحب
کو سواری پہلائیں۔ سواری قریب آئی تو تعظیم کو اٹھا اور نہایت ادب سے لاکر بٹھایا
پھر عرض کی کہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی مجھ کو بلا بھیجتے کہ میں خود حاضر ہوتا
امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے محلہ میں ایک مہوچی رہتا ہے۔ کو تو ال نے اس کو گرفتار
کر لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ رہا کر دیا جاوے عیسیٰ نے اسی وقت داروغہ جیل
کو حکم بھیجا اور وہ رہا کر دیا گیا۔ امام صاحب عیسے سے رخصت ہو کر چلے تو مہوچی بھی
بہر کاب ہوا۔ امام اس کی طرف مخاطب ہوئے کہ کیوں! ہم نے تم کو ضائع نہ کیا
کیا۔ یہ اس شعر کی طرف اشارہ تھا جس کو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا اضاعونی و سدا

فتیٰ اضا حوا ائے عرض کی "نہیں۔ آپ نے ہمسائیگی کا پورا حق ادا کیا؟" اسکے بعد اُس نے عیش پرستی سے توبہ کی۔ اور امام صاحب کے حلقہ درس میں بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ علم فقہ میں مہارت حاصل کی۔ اور فقیہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔

امام صاحب کے والد نے امام کے سن رشد سے پہلے تفصیل۔ لیکن والدہ مدت تک زندہ رہیں اور امام کو انکی خدمت گزاری کا کافی موقع ہاتھ آیا۔ وہ مزاج کی شکی تھیں اور جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہے واعظوں اور قصہ گوؤں کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں کو فہم عمرو بن ذریک مشہور واعظ تھے۔ انکے ساتھ خاص عقیدت تھی۔ کوئی مسئلہ پیش آتا تو ام صاحب کو حکم دیتیں کہ عمرو بن ذریک سے پوچھ آؤ۔ امام تعمیل ارشاد کے لیے ان کے پاس جا کر مسئلہ پوچھتے۔ وہ عذر کرتے کہ آپ کے سامنے میں کیا زبان کھول سکتا ہوں۔ فرماتے کہ وہ والدہ کا یہی حکم ہے، اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو مسئلہ کا جواب نہ آتا۔ امام صاحب سے درخواست کرتے کہ وہ آپ جھگو بتا دیں۔ میں اسی کو آپ کے سامنے دہرا دوں۔

کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود جھگو پوچھوں گی۔ پھر پیر سوار ہو تیں۔ امام صاحب پابیا دہ ساتھ ہوتے۔ خود مسئلہ کی صورت بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں تب تسکین ہوتی۔ ایک دفعہ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ صورت پیش آئی، پوچھ کو کیا کرنا چاہیے امام صاحب نے جواب بتایا۔ بولیں کہ تمہاری سند نہیں۔ زرقہ واعظ تصدیق کریں تو جھگو اعتبار لے لے امام صاحب کو لیکر زرقہ کے پاس گئے۔ اور مسئلہ کی صورت بیان کی زرقہ نے کہا آپ مجھے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ کیوں نہیں بتا دیتے۔ امام صاحب نے فرمایا میں یہ فتویٰ دیا تھا۔ زرقہ نے کہا بالکل صحیح ہے یہ سنکر انکو تسکین ہوئی اور نہ واپس آئیں۔ بن ہسیرہ نے جب امام صاحب کو باکرہ میرنشی متھر کرنا لایا تو بہت سی کتابوں میں مختلف طریقہ سے مذکور ہوئیں کتاب لہرغائی و ابن خاکان و معبود بجان کی روایت

چاہا اور انکار کے جرم پر دوسرے لگوا لئے۔ اس وقت امام کی والدہ زندہ تھیں۔ ان کو نہایت صدمہ ہوا
امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو اپنی تکلیف کا چنداں خیال نہ تھا۔ البتہ یہ سچ ہوتا تھا کہ میری
تکلیف کی وجہ سے والدہ کے دل کو صدمہ پہنچا ہے۔“

امام صاحب اگرچہ نہایت رتبی القلب تھے اور کسی کو تکلیف اور رنج کی حالت میں کبھی
توبیخ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ مسجد میں بیٹھے تھے کسی نے آکر کہا کہ فلان شخص کو ٹھکے سے گریز
دفعہ اس زور سے چیخ اٹھے کہ مسجد میں تہلکہ مچ گیا۔ حلقہ درس چھوڑ کر برہنہ پاؤں دوسرے اور اس شخص
کے گھر پر جا کر بہت کچھ غمخواری اور ہمدردی کی جب تک وہ اچھا نہ ہوا روزانہ صبح کو جاتے اور
اسکی تیمارداری کرتے۔ تاہم اپنے اوپر کوئی مصیبت آن پڑتی تو اس استقلال سے برداشت کرتے
کہ لوگوں کو تعب ہوتا۔ حال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر انکو تکلیفیں پہنچیں مگر کبھی ان کے
پائے ثبات کو نفرت نہیں ہوئی۔ نہایت مضبوط دل رکھتے تھے اور ضبط و استقلال گویا
مایہ خمیر تھا۔

رفتاری

استقلال

ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے مستفیدین اور راوتندہ دن کا جمع تھا اتفاقاً
چہت سے ایک سانپ گرا اور امام کی گود میں آیا۔ تمام لوگ گہرا کر بھاگ گئے مگر وہ اسی
امینان سے بیٹھے رہے امام مالک کو بھی ایسا ہی اتفاق پیش آیا۔ اور وہ اولیٰ کی
تاریخ زندگی کا مشہور اور دلچسپ واقعہ ہے۔

بات نہایت کم کرتے اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے۔ درس میں بھی معمول
تھا کہ شاگرد آپس میں نہایت آزادی سے بحثیں کرتے۔ آپ چپ بیٹھے سنا کرتے۔ جب بحث
زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ نہ ہوتا تو قول فیصل بیان کر دیتے کہ سب کو تشفی ہو جاتی
فیصلیت سے پرہیز کرتے اس نعمت کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اس آلودگی

لفظ سان

سے پاک رکھا۔ ایک شخص نے کہا۔ حضرت! لوگ آپ کی شان میں کیا کچر نہیں کہتے مگر آپ سے میں نے کسی کی برائی نہیں سنی۔ فرمایا ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء امام سفیان ثوری سے کسی نے کہا۔ ابو حنیفہ کو میں نے کسی کی غیبت کرتے نہیں سنا۔ انھوں نے کہا کہ در ابو حنیفہ ایسے بیوقوف نہیں کہ اپنے اعمال صالح کو۔ آپ برباد کریں۔

قسم کھانی برا جانتے تھے اور اس سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ حمد کر لیا تھا کہ اتفاقاً بھی ہیں خطا کا مرتکب ہونگا تو ایک درہم کفارہ دون گا۔ اتفاق سے بھول کر کسی موقع پر قسم کھالی اس کے بعد حمد کہا کہ اب بجائے درہم کے دیناروں گا۔

ذکر عبادت

نہایت متراض اور زاہد تھے۔ ذکر و عبادت میں انکو مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق و خلوص سے ادا کرتے تھے۔ اس باب میں انکی شہرت ضرباً نقل ہو گئی تھی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ انکی پرہیزگاری اور عبادت کے واقعات تو اتنی حد کو پہنچ گئے ہیں کہ اکثر نماز میں یا قرآن پڑھنے کے وقت رقت طاری ہوتی اور گھٹنوں رویا کرتے۔ ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز فجر میں میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے یہ آیت پڑھی ولا تعجلین اللہ فی الاموال علی انظالمین یعنی خدا کو ظالموں کی کردار سے بے خبر نہ سمجھنا امام ابو حنیفہ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سارا بدن کانپنے لگا۔ نایدہ کہتے ہیں کہ مجھ کو ایک ضروری مسئلہ دریافت کرتا تھا امام ابو حنیفہ کے ساتھ نماز عشاء میں شریک ہوا اور منتظر رہا کہ نوافل سے فارغ ہوں تو دریافت کر دن وہ قرآن پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے وقانا عذاب السموم بار بار اس آیت کو پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور وہ یہی آیت پڑھتے رہے۔ ایک بار نماز میں یہ آیت پڑھی بل الساعة موعدهم والنساء اذھن وامرنا فی قیامت لنگھارون کا وعدہ گاہ ہے اور قیامت سخت مصیبت کی چیز اور ناگوار چیز ہے۔ اسی آیت میں رات ختم

ہو گئی۔ بار بار پڑھتے تھے اور روتے جلتے تھے۔

یزید بن کینث ایک مشہور طاہر اور امام صاحب کے ہم عصر تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ نماز عشاء میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ شریک تھا امام نماز نے ادا کر لیت پڑھی لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے میں تھرا ہوا امام ابو حنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ٹھنڈی سانبین بہہ رہے ہیں یہ دیکھ کر میں اٹھ آیا کہ آنکے اوقات میں خلل نہ ہو۔ صبح کو مسجد میں گیا تو دیکھا کہ غم زدہ بیٹھے ہیں۔ ڈاڑھی ہاتھ میں ہے اور بڑی رقت سے کہہ رہے ہیں دے دے وہ ابوزرہ بہرینی اور زہرہ بہرہ جی دونوں کا بدر دے کا نعمان اپنے غلام کو آگ سے بچانا۔

ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے۔ ایک لڑکے کے پاؤں پر پاؤں پڑ گیا وہ چیخ اٹھا اور کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ امام کو غش آگیا۔ مسعر بن کدام ساتھ تھے آنھوں نے سنبھالا۔ ہوش میں آئے تو پوچھا کہ ایک لڑکے کی بات پر اس قدر بیقراری ہو جانا کیا تھا؟ فرمایا دیکھا عجیب کہ اسکی آواز فہمی ہر بات ہو۔

عبرت پذیری

ایک دفعہ حسب معمول دوکان پر گئے۔ نوکر نے کپڑوں کے تھان لٹا کر رکھے اور تھالوں کے طور پر کہا۔ خدا ہکو جنت دے۔ امام صاحب پر رقت طاری ہوئی اور اس قدر روئے کہ شانے تر ہو گئے۔ نوکر سے کہا دوکان بند کر دو۔ آپ چہرہ پر رومال ڈال کر کسی طرف نکل گئے دوسرے دن دوکان پر گئے تو نوکر سے کہا۔ بھائی! ہم اس قابل کمان ہیں کہ جنت کی آرزو کریں۔ یہی بہت ہے کہ عذاب الہی میں گرفتار نہوں۔ حضرت عمر فاروق رض بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ معیامت کے دن اگر مجھے نہ مواخذہ ہو نہ انعام ملے۔ تو میں بالکل راضی ہوں۔

ایک دفعہ کسی کو مسئلہ بتا رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا ابو حنیفہ! خدا سے ڈر کر فتوے دیا کرو۔ امام صاحب پر اسکا اس قدر اثر ہوا کہ چہرہ کی رنگت زرد پڑ گئی۔ اس شخص کی طرف

مخاطب ہوئے۔ اور کہا بد بھائی! خدا تم کو جزا سے محروم کرے اگر تم کو یہ یقین نہ ہو تا کہ خدا مجھ سے
مواخذہ کرے گا کہ تو نے جان کر۔ علم کو کیوں چھپایا۔ تو میں ہرگز فتوے نہ دیتا۔ کوئی مسئلہ مشکل
آجاتا اور جواب نہ معلوم ہوتا تو مترود ہوتے کہ غالباً میں کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ یہ اسی کی شامت
ہے۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھتے۔ اور مستغفار کرتے۔ فیصل بن عیاض کہ مشہور صوفی گذرے ہیں
ان سے کسی نے یہ حکایت بیان کی۔ بہت روئے اور کہا ابوحنیفہ کے گناہ کم تھے اسی لیے
ان کو یہ خیال ہوتا تھا۔ جو لوگ گناہوں میں غرق ہیں انہیں ہزار آفتیں آتی ہیں اور مطلق خبر نہیں
ہوتی کہ یہ غیبی تنبیہ ہے۔

تقسیم اوقات

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے۔ دو دو دور سے سنتے آئے ہوتے۔
ان کے جو اب کہتے پھر تدین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی۔ بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا
جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہوتے فلنہ کہ لیے جاتے۔ نماز ظہر پڑھ کر گرتے۔ گرمیوں میں
ہمیشہ ظہر کے بعد سو رہتے۔ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس و تعلیم کا مشغلہ رہتا۔ باقی وقت
دوستوں سے ملنے طائفے۔ بیماروں کی عیادت۔ قائم پرسی۔ غریبوں کی خبر گیری میں صرف
ہوتا۔ مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشا تک رہتا۔ نماز عشا پڑھ کر عبادت
میں مشغول ہوتے اور اکثر رات رات بھر نہ سوتے۔ جاڑوں میں مغرب کے بعد مسجد ہی میں
سو رہتے اور تیرہ یا دس بجے اٹھ کر نماز عشا پڑھتے۔ پھر تمام رات تہجد اور درد و طاہت میں
گذرتی۔ کبھی کبھی دوکان پر بیٹھتے اور دین یہ تمام مشاغل انجام پاتے۔

ذہانت اور طباعی قوی اور مناظر۔ نصح اور دلپذیر باتیں

جو چیز امام صاحب کی قوت و بہادری و حدت طبع و وقت نظر و وسعت معلومات و غرض ان کے

تمام کمالات علمی کا آئینہ ہے۔ وہ علم فقہ ہے۔ جسکی ترتیب و تدوین میں انکو وہ پایہ حاصل ہے۔
 پھر ارسطو کو منطق اور اقلیدس کو ہندسہ میں۔ لیکن اسپر تفصیلی بحث کرنے کے لئے ایک مستقل
 کتاب درکار ہے۔ اسی ضرورت سے تھے اپنی کتاب کا دوسرا حصہ۔ اس بحث کے لئے
 خاص کر دیسے۔ اس موقع پر صرف وہ واقعات لکھے ہیں جو امام صاحب کی علمی تاریخ کے
 عام واقعات ہیں۔ لیکن غور سے دیکھو تو وہ بھی بجائے خود اصول ہیں جن پر سیکڑوں مسائل
 کی بنیاد قائم ہے۔“

اس مقام پر یہ کہہ دینا ضرور ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مناظرات اور نکتہ آخر بینوں کے
 متعلق بہت سے سروپا افسانے شہرت پکڑ گئے ہیں اور طرہ یہ کہ بعض مشہور مصنفوں نے بغیر
 تحقیق و تنقید کے انکو اپنی تالیفات میں نقل کر دیا جس سے عوام کو اپنے غلط خیالات کے لئے
 ایک دستاویز ہاتھ آگئی۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی فن میں کمال کے ساتھ شہرت
 حاصل کرتا ہے اُنکی نسبت بھی یا بڑی سیکڑوں روایتیں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں اور بعض حالتوں
 میں اس قدر عام زبانوں پر قبضہ کر لیتی ہیں کہ خواہ اس تک کو ان پر تو اثر کا دھوکا ہوتا ہے لطف
 یہ کہ معتقدین جو اس اعتقاد میں ایسی باتیں کر جاتے ہیں جس کو وہ روح سمجھتے ہیں اور دراصل
 ذمہ ہوتی ہے۔ اسی طرح مخالف۔ عیب و مشغبت کی شالیں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ غور سے دیکھئے
 تو ان واقعات سے بجائے اسکے کہ اُس شخص کی برائی ثابت ہو روح کا پہلو نکلتا ہے۔ امام ابو حنیفہ
 بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ بعض مصنفوں نے ان کی ذہانت اور طباعی کے ذیل
 میں بہت سے ایسے قصے لکھ دیے ہیں جنکو خدا نخواستہ ہم سچ تسلیم کریں تو عیاذ باللہ
 امام صاحب کو میدہ جو۔ چالاک۔ منفی سخن ساز۔ ماننا پڑے گا۔ لیکن وہ روایتیں تاریخی
 اصول سے ثابت نہیں اور اسی وجہ سے اہل تحقیق خصوصاً محدثین نے انکے لکھنے سے

ہمیشہ پر سزا کیا ہے۔ ہم بھی انکو قلم انداز کرتے ہیں اور انہیں روایتوں پر انگھا کرتے ہیں جو ظہن غالب ثابت اور صحیح ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ امام صاحب کو اور ائمہ کی نسبت مناظرہ اور مباحثہ کے موقعے زیادہ پیش آئے۔ انھوں نے علوم شرعیہ کے متعلق ہمت سے ایسے نکتے ایجاد کیے تھے جو عام طبقتوں کی دسترس سے باہر تھے۔ اسی لئے ظاہر مبینوں کا ایک بڑا گروہ جنہیں بعض مقدس ساوہ دل بھی شامل تھے انکا مخالف ہو گیا تھا۔ اور ہمیشہ ان سے بحث و مناظرہ کیلئے تیار رہتا تھا۔ امام صاحب کو بھی مجبوراً ان کے شہات رفع کرنے پڑتے تھے اس اتفاقی سبب نے مناظرہ اور مباحثہ کا ایک وسیع سلسلہ قائم کر دیا تھا لیکن امام صاحب کے مناظرات اسی پر محدود نہیں۔ مناظرہ اسوقت درس کا ایک خاص طریقہ تھا اور امام صاحب نے اکثر اساتذہ سے اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی۔ عیون والحدائق کے مصنف نے انکے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے شعبی، طاؤس، عطار سے مناظرات کیئے۔ یہ لوگ امام صاحب کے اساتذہ خاص ہیں اور وہ ان کو لوگ نہایت ادب کرتے تھے جس مناظرہ سے مقصود وہی درس کا مخصوص طریقہ ہے جو ابن عبد بن عمروا مروج تھا۔

امام او زاعی کہ اقلیم شام کے امام اور فقہین مذہب مستقل کے بانی تھے۔ مکہ معظمہ میں امام ابو حنیفہ سے ملے۔ اور کہا کہ عراق والوں سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں۔ اور رکوع سے سر اٹھا کے وقت۔ رفع یدین کہتے تھے۔ حالانکہ میں نے زہری سے انھوں نے سالم بن عبد اللہ سے انھوں نے عبد اللہ بن عمر سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رفع یدین کہتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے انکے مقابلہ میں عماد۔ ابراہیم۔ یحییٰ۔ علقمہ۔ عبد اللہ بن مسعود کے سلسلہ

سلسلہ امام صاحب کے بعض مناظرات موضح خطیب نے تاریخ بغداد میں اور امام رازی نے اپنی تفسیر میں علم آدم الاسرار لکھا ہے۔ اور عماد ابیجان میں زیادہ استقصا کیا ہے۔ انکے علاوہ اولئہ لون میں بھی جستہ جستہ تذکرہ ہیں ۱۲

رفع یدین کے
مسکرتن امام
اور زاعی سے
مناظرہ

سے حدیث روایت کی کہ آنحضرتؐ ان موقعوں پر رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ امام اوزاعیؒ نے کہا سبحان اللہ! وہیں تو زہریؒ سالم عبداللہ کے ذریعے سے حدیث بیان کرتا ہوں۔ آپ اس کے مقابلہ میں حادؒ بھی رطلہ کا نام لیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا۔ میری روایت آپ کی روایت سے زیادہ نصیبین اور عبداللہ بن مسعود کا رتبہ تو معلوم ہی ہے۔ اس لئے انکی روایت کو ترجیح ہے۔ امام لازمیؒ نے اس مناظرہ کو مناقب الشافعیؒ میں نقل کیا ہے اور گو واقعہ کی صحت سے انکار نہیں کر سکتے تاہم یہ نکتہ جہنی کی ہے کہ حسی واقعات میں تفقہ کو کیا دخل ہے۔

اس اصول پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں ہوگی۔ یہاں امام لازمیؒ کے حوالہ سے یہ مقصود ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہے جس سے شافعیوں کو بھی انکار نہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق امام محمدؒ نے کتاب الحج میں ایک لطیف بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہماری روایت عبداللہ بن مسعود تک نہیں ہوتی ہے۔ اور فریق مخالف کی عبداللہ بن عمر تک ایسی لئے بحث کا تمام تر مدار اس پر آجاتا ہے کہ ان دونوں میں کسی روایت ترجیح کے قابل ہے۔ عبداللہ بن مسعود آنحضرتؐ کے زمانہ میں پوری عمر کو پہنچ چکے تھے اور جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے جماعت کی صفوں میں جگہ پاتے تھے۔ بخلاف اسکے عبداللہ بن عمر کا محض آغاز تھا اور انکو دوسری تیسری صف میں کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ اسی لئے آنحضرتؐ کے حرکات و سکنات سے واقف ہونے کے جو موقع عبداللہ بن مسعود کو ملے۔ عبداللہ بن عمر کو کیونکر حاصل ہو سکتے تھے۔ امام محمدؒ کا یہ طرز استدلال حقیقت میں اصول درایت پر مبنی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ صاحب نے اپنی تقریر میں عبداللہ بن مسعود کی عظمت و شان کا جو ذکر کیا اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ ابن المہام نے اس مناظرہ کو فتح القدر میں ذکر کیا ہے اور حجۃ اللہ الباقیہ کے مختلف مقامات اسکے اشارے پائے جانے ہیں ۱۲

قرأت خلف
الامام

ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب
سے گفتگو کریں۔ امام صاحب نے کہا دوستو! آدھوں سے میں تنہا کیونکر بحث کر سکتا ہوں
البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپس میں جمع ہوں کسی کو انتخاب کر لیں جو سب کی طرف سے اس خدمت
کا کفیل ہو اور اس کی تقریر پر پورے مجمع کی تقریر بھی جائے، لوگوں نے منظور کیا۔ امام صاحب
نے کہا وہ آپ نے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہو گیا آپ نے جس طرح ایک شخص کو سب کی طرف سے
بحث کا مختار کر دیا۔ اسی طرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قرأت کا کفیل ہے۔
یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امام نے ایک شرعی مسئلہ کو صرف عقلی طور پر طے کر دیا۔ بلکہ حقیقت
میں یہ اس حدیث کی تشریح ہے جسکو خود امام صاحب نے بند صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نہایت پر ہے کہ من صلی خلف الامام فقراء الامام قرءوا لہ یعنی جو شخص امام کے پیچھے
نماز پڑھے تو امام کی قرأت بھی اسکی قرأت ہے۔
یہ امام صاحب کی مختصات میں ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم طریقہ سے
سمجھا دیتے تھے کہ مخاطب کے ذہن نشین ہو جاتا تھا اور بحث نہایت جلد اور آسانی سے طے ہو جاتی
تھی ایک دفعہ ضحاک خارجی جو خارجیوں کا ایک مشہور سردار تھا اور بنو امیہ کے زمانہ میں کفر
پر قابض ہو گیا تھا۔ امام صاحب کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا کہ تو بہ کرو انھوں نے پوچھا کس بات
سے ضحاک نے کہا۔ تمہارا عقیدہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ کے جھگڑے میں ناشی مان لی
تھی۔ حالانکہ جب وہ حق پر تھے تو ثالث مانتے کے کیا معنی؟ امام صاحب نے فرمایا کہ در اگر
میرا قتل مقصود ہے تو اہر بات ہے ورنہ اگر تحقیق حق منظور ہے تو مجھکو تقریر کی اجازت
دو، ضحاک نے کہا میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا اگر بحث
آپس میں نہ طے ہو تو کیا علاج؟ ضحاک نے کہا ہم دونوں ایک شخص کو منصف قرار دیں

چنانچہ ضحاک نے ان کے ساتھیوں میں سے ایک شخص انتخاب کیا گیا کہ دونوں سیرت کی صورت
 و غلطی کا تصفیہ کرے۔ امام صاحب نے فرمایا: یہی تو حضرت علی علیہ السلام نے بھی کیا تھا
 پھر ان پر کیا الزام ہے؟ ضحاک دم بخود ہو گیا۔ اور چپکا اٹھ کر چلا آیا۔
 اسی ضحاک نے ایک بار کوفہ پہنچ کر قتل عام کا حکم دیدیا۔ امام صاحب کو خبر ہوئی وہ ٹٹے
 گئے اور پوچھا کہ: "آخر ان لوگوں نے کیا جرم کیا ہے؟" اسے کہا یہ سب مرتد ہو گئے ہیں۔ امام
 صاحب نے فرمایا: پہلے ان لوگوں کا کچھ اور مذہب تھا جسکو انھوں نے چھوڑ دیا۔ یا ہمیشہ سے
 یہی مذہب رکھتے تھے جواب رکھتے ہیں: ضحاک نے کہا: کیا کہا پھر کنا! امام صاحب نے زیادہ وضاحت
 سے بیان کیا۔ ضحاک نے کہا بے شبہ میری خطا تھی۔ اسی وقت حکم دیا کہ تلواریں نیام میں
 کر لی جاویں۔"

قنادہ بصری۔ جسکا مختصر حال امام صاحب کے اساتذہ کے ذکر میں ہم لکھ آئے ہیں کہ
 میں آئے۔ اور اشرار و دیوبالہ مسائل فقہ میں جسکو جو پوچھنا ہو پوچھے۔ میں ہر مسئلہ کا جواب
 دے گا۔ چونکہ وہ مشہور محدث اور امام تھے۔ بڑا مجمع ہوا۔ جوق جوق لوگ آتے تھے اور مسئلے
 دریافت کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ بھی موجود تھے۔ کھڑے ہو کر پوچھا کہ: ایک شخص سفر میں گیا
 بڑے دن دوپہر کے بعد اس کے مرنے کی خبر آئی۔ اسکی بیوی نے دوسرا نکاح کر لیا اور اس سے اولاد
 ہوئی۔ چند روز کے بعد وہ شخص واپس آیا۔ اولاد کی نسبت اسکو انکار ہے کہ میری صلب سے
 نہیں ہے زوج ثانی دعویٰ کرتا ہے کہ میری ہے تو آیا دونوں اس عورت پر زنا کا الزام لگاتے؟
 یا صرف وہ شخص جو ولدیت سے انکار کرتا ہے؟ قنادہ نے کہا: یہ صورت پیش بھی آئی ہے
 امام نے کہا نہیں۔ لیکن علما کو پہلے تیار رہنا چاہیے کہ وقت پر تردد نہ ہو۔ قنادہ کو فقہ
 زیادہ تفسیر میں دعویٰ تھا۔ بوسے کہ ان مسائل کو رہنے دو۔ تفسیر کے متعلق جو پوچھا

قنادہ بصری
 سے منظرہ
 قنادہ

پوچھو۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا اس آیت کے کیا معنی ہیں قال اللہی عندہ علم من الکتب انما یتک
 بہ تصل ان یرتد ایدک علیہ فک یہ وہ قصہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دربار یوں سے
 بلقیس کے تخت لانے کی فرمائش کی اور ایک شخص نے جو غالباً اصف بن برخیا۔ حضرت سلیمان
 کے وزیر تھے دعوت کیا کہ چشمزدن میں لادون گا ایل کتاب کی روایت ہے کہ اصف بن برخیا اسم
 اعظم جانتے تھے جس کی تاثیر سے ایک دم میں شام سے میں پہنچ کر تخت اٹھا لائے۔ یہی روایت
 عام مسلمانوں میں پھیل گئی تھی اور اسی کے مطابق اس آیت کا مطلب لگایا جاتا تھا۔ قتادہ نے
 بھی یہی معنی بیان کئے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا حضرت سلیمان خود بھی اسم اعظم جانتے تھے
 یا نہیں، قتادہ نے کہا یہ نہیں، امام صاحب نے کہا کیا در آپ اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ نبی
 کے زمانہ میں ایسا شخص موجود ہو جو خود نبی نہ ہو اور نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو؟ قتادہ کچھ جواب
 نہ دیکے۔ اور کہا کہ عقائد کی نسبت پوچھو۔ امام صاحب نے کہا دعائے مومن ہیں، اکثر محدثین
 اپنے آپ کو مومن کہتے ہوئے ڈرتے تھے اور اسکو احتیاط میں داخل سمجھتے تھے حسن بصری
 سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جسکے جواب میں انھوں نے کہا کہ انشاء اللہ، پوچھنے والے
 نے کہا کہ انشاء اللہ، کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ میں اپنے تئیں مومن تو کہوں مگر ڈرتا ہوں کہ خدا
 یہ نہ کہے کہ تو جھوٹ کہتا ہے؟ قتادہ نے بھی امام ابو حنیفہؒ کے سوال کا یہی جواب دیا، لیکن
 حقیقت میں یہ ایک قسم کی دہم پرستی ہے۔ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو شخص خدا اور رسول پر
 اعتقاد رکھتا ہے وہ قطعاً مومن ہے اور اس کو سمجھنا چاہیے کہ میں مومن ہوں۔ البتہ اگر اس میں
 شک ہے تو قطعی کافر ہے۔ اور پھر انشاء اللہ کہنا بھی بیکار ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس عام غلطی
 کو مٹانا چاہا۔ قتادہ سے پوچھا آپ نے یہ قید کیوں لگائی۔ انھوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام
 نے کہا تھا کہ مجھ کو امید ہے کہ خدا قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف کر دے۔

امام ابو حنیفہ نے کہا خدا نے حضرت ابراہیم سے جب یہ سوال کیا کہ اولہ تو من تو انھوں نے جواب میں اپنی کہا تھا۔ یعنی بان میں مومن ہوں۔ آپ نے حضرت ابراہیم کے اس قول کی کیوں تقلید نہ کی۔ قنادہ غار لاض ہو کر آٹھے اور گھر میں چلے گئے۔

یحییٰ بن سعید انصاری کہہ کہ قاضی تھے۔ اور منصور عباسی کے دربار میں بڑا جاہ و اعتبار رکھتے تھے۔ تاہم کو فہمین الکا وہ اثر قائم نہ ہو سکتا تھا جو امام ابو حنیفہ صاحب کا تھا اس پر انکو تعجب ہوتا تھا۔ اور لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ ”کو فہ واسے بھی عجب سادہ دل ہیں۔ تمام شہر ایک شخص کے اشاروں پر حرکت کرتا ہے“ امام ابو حنیفہ نے ابو یوسف و زعفر اور چند ممتاز شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کریں۔ امام ابو یوسف نے تقریر شروع کی۔ مسئلہ یہ تھا کہ ایک غلام اگر دو شخصوں میں مشترک ہو اور صرف ایک شخص آزاد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟ قاضی یحییٰ نے کہا ”نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے لا ضرر ولا ضرار یعنی وہ کام جس سے کسی شخص کو ضرر پہنچے جائز نہیں صورت زیر بحث میں۔ چونکہ دوسرے شریک کا ضرر ہے۔ اسی لئے شریک اول ایسے فعل کا مجاز نہیں ہو سکتا امام ابو یوسف نے کہا۔ اگر دوسرا شریک آزاد کرے؟ قاضی یحییٰ بولے۔ تب جائز ہے اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف نے کہا ”آپ نے خود اپنے قول کی مخالفت کی کیونکہ آپ کے نزدیک ایک شریک کے آزاد کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا یعنی اسی طرح غلام کا غلام رہتا ہے صورت مذکور میں جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپ کے نزدیک اس کا یہ فعل بالکل بے اثر ہے یعنی وہ اسی طرح غلام باقی رہا جیسا پہلے تھا۔ اب صرف دوسرے سے اس مناظرہ کو خطیب نے تاریخ بغداد میں۔ اور حافظ ابو الحسن نے عقود الجمان میں کسی قدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ۱۲۔

یحییٰ بن سعید
سے مناظرہ

شریک کے آزاد کرنے سے کیونکر آزاد ہو سکتا ہے ؟

قاضی ابن ابی
لیلیٰ کے فیصلہ
پر بحث پیرنی

محمد بن عبد الرحمن جو زیادہ قرآن الی لیلیٰ کے لقب سے مشہور ہیں بڑے مشہور فقیر اور صاحب لراہے تھے۔ ۳۲ برس کو فہم منصب قضا پر مامور رہے۔ امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کسی قدر شکر بھی تھی جبکہ وجہ یہ تھی کہ فیصلوں میں وہ غلطی کرتے تھے تو امام صاحب اسکی اصلاح کرنی چاہتے تھے۔ یہ آنکھوں کا راز معلوم ہوتا تھا۔ لیکن امام صاحب اخبار حق پر مجبور تھے قاضی صاحب مسجد میں بیٹھکر انفصال بمقدمات کیا کرتے تھے ایک دن کام سے فارغ ہو کر مجلس قضا سے اٹھے۔ راہ میں ایک عورت کو دیکھا کہ کسی سے جھگڑ رہی ہے کھڑے ہو گئے۔ اتنا رگفتگو میں عورت نے اس شخص کو یا ابن الزانیہ کہہ دیا۔ یعنی دوسے زانی اور زانیہ کے بیٹے، قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت گرفتار کر لی جائے۔ پھر مجلس قضا میں واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کر کے درے لگائیں۔ اور دو حد ماریں۔ امام ابو حنیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ فرمایا کہ قاضی صاحب نے اس فیصلہ میں چند غلطیاں کیں۔ مجلس قضا سے اٹھکر واپس آئے اور دوبارہ اجلاس کیا۔ یہ آئین عدالت کے خلاف ہے۔ مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔ عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہیے۔ قاضی صاحب نے اس کے خلاف کیا۔ ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم آتی ہے اور دو حدیں لازم بھی آئیں تو ایک ساتھ دونوں کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیے کہ زخم بالکل بہر جائیں پھر دوسرے حد کی تعمیل ہو سکتی ہے جس کو گالی دی گئی اس نے جب دعویٰ نہیں کیا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا کیا اختیار تھا؟ قاضی ابن ابی لیلیٰ نہایت برہم ہوئے اور گورنر کو ذمے جا کر شکایت کی کہ ابو حنیفہ نے مجھ کو تنگ کر رکھا ہے۔ گورنر نے حکم بھیج دیا کہ ابو حنیفہ فتوے ندینے پائیں۔ امام صاحب

اگرچہ حق کے خلاف کسی حاکم و امیر کے حکم کی پرواہ نہیں کرتے تھے تاہم چونکہ فتویٰ دینا فطر
 کفایہ تھا اور گو فرہین اور بہت سے علما موجود تھے۔ اسی لئے حاکم وقت کی اطاعت کو مقدم
 رکھا اور بغیر کسی فخر کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک دن گزیر میں بیٹھے تھے۔ ان کی لڑکی نے مسئلہ پوچھا
 کہ میں آج روزہ سے ہوں۔ دانتوں سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ گلے سے اتر گیا۔ روزہ
 جاتا رہا یا باقی ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ جان پدر۔ اپنے بھائی حماد سے پوچھ۔ میں فتویٰ
 دینے سے منع کر دیا گیا ہوں؟ مورخ ابن خلکان نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ
 اطاعت حکم اور امانت کی اس سے بڑھ کر کیا مثال ہو سکتی ہے؟ چند روز کے بعد گورنر
 کو ذہ کو اتفاق سے فقہی مسائل میں مشکلات پیش آئیں اور امام ابو حنیفہ کی طرف رجوع کرنا پڑا
 جسکی وجہ سے امام صاحب کو پھر فتویٰ دینے کی عام اجازت چل ہو گئی۔

دیانت

امام صاحب کے مناظرات میں کہیں کہیں ہم اس ادعا اور جوش متقابلہ کا اثر پاتے
 ہیں جو بظاہر انکی تواضع اور بے نفسی کے خلاف ہے۔ لیکن یہ انسانی جذبات ہیں جن سے
 کوئی شخص بری نہیں ہو سکتا۔ یعنی امام شافعی۔ امام مالک۔ امام بخاری۔ امام مسلم۔ اور بڑے
 بڑے ائمہ کے مناظرات کتابوں میں پڑے ہیں۔ ان میں اس سے زیادہ ادعا اور حوصلہ مندی
 کا زور پایا جاتا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتیں بزرگوں کے حالات میں مذکور نہ ہوتیں
 تو ہجو شبہ ہوتا کہ تذکرہ نویسوں نے ان بزرگوں کی اصلی تصویر نہیں دکھائی ہے بلکہ اپنی خوش
 اعتقادوں کا خاکہ کینچا ہے۔ ایک حکیم نے نہایت سچ کہا ہے کہ مد کسی نامور یا مقتدا کے
 حالات لکھو تو اس کے وہ خصائل بھی ضرور دکھاؤ جنہیں انسانی فطرت کی جھلک نظر آتی ہے
 اس سے لوگوں کو اچھے کاموں میں انکی تقلید کی خواہش پیدا ہوگی۔ بخلاف اسکے اگر بالکل

فرشتہ بنا کر پیش کرے گا تو لوگ شاید انکی پرستش کرنے پر آمادہ ہو جائیں لیکن انکی ریس کرنے کا خیال ہرگز نہ پیدا ہوگا۔ وہ سمجھیں گے کہ یہ شخص انسانی دائرہ سے باہر تھا۔ ہم انسان ہو کر کیونکر اس کی تقلید کر سکتے ہیں؟

ایک دن حسن اتفاق سے۔ امام سفیان ثوری۔ قاضی بن ابی لیلیٰ۔ شریک۔ امام ابو حنیفہ۔ ایک مجلس میں جمع تھے۔ شائقین علم کو اس سے عمدہ کیا موقع مل سکتا تھا۔ ایک شخص نے اگر مسکد پوچھا کہ چند آدمی ایک جگہ جمع تھے۔ دفعۃً ایک سانپ نکلا اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا۔ اس نے گہرا کر پھینکا یا وہ دوسرے شخص پر جاگرا۔ اسے بھی اضطراب میں ایسا ہی کیا۔ یوں ہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے یہاں تک کہ اخیر شخص کو اسے کاٹا اور وہ مر گیا۔ دیت کس پر لازم آئے گی؟ یہ فقہ کا ایک دقیق مسئلہ تھا۔ سب کو تامل ہوا۔ کسی نے کہا سب کو دیت دینی ہوگی بعض نے کہا صرف پہلا شخص ذمہ دار ہوگا۔ سب کے سب مختلف رائے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہیں ہوتا تھا۔ امام ابو حنیفہ چپ تھے اور مسکراتے جاتے تھے۔ آخر سب نے ان کی طرف خطاب کیا کہ آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہو چکا۔ اسی طرح دوسرا اور تیسرا بھی۔ بحث اگر ہے تو صرف اخیر شخص کی نسبت ہے۔ اس کی دو حالتیں ہیں۔ اگر اس کے پھینکنے کے ساتھ ہی سانپ نے اس شخص کو کاٹا تو اس پر دیت لازم آئے گی اگر کچھ وقفہ ہوا تو یہ شخص بھی بری الذمہ ہو چکا۔ اب اگر سانپ نے اسکو کاٹا تو اس کی خود غفلت ہے کہ اسنے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیز دستی کیوں نہ کی؟ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ اور امام کی جودت طبع کی تحسین کی۔

رائے تدبیر و
زبات و طباعی

رائے و تدبیر عقل و فراست۔ ذہانت و طباعی۔ امام صاحب کے وہ مشہور اوصاف

میں جگو موافق و مخالف۔ سب نے تسلیم کیا ہے۔ محمد انصاری کہا کرتے تھے کہ در امام ابو حنیفہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت۔ اٹھنے بیٹھنے۔ چلنے۔ پھرنے میں دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا۔ علی بن عاصم کا قول تھا کہ اگر اُردی دنیا کی عقل ایک پلہ میں اور ابو حنیفہ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو ابو حنیفہ کا پلہ بھاری رہتا۔ خارجی بن مصعب کہا کرتے تھے کہ میں کم دین میں ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں۔ جن میں۔ عاقل صرف تین چار شخص دیکھے ایک ان میں ابو حنیفہ تھے۔“

ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علماء کے وہ اوصاف جن کا ذکر خصوصیت کیساتھ کیا جاتا ہے۔ تیزی ذہن۔ توت حافظہ۔ بے نیازی۔ تواضع۔ قناعت۔ زہد۔ اتقا۔ غرض اس قسم کے اوصاف ہوتے ہیں۔ لیکن عقل و آسے۔ فراست و تدبیر۔ کا ذکر تک نہیں آتا۔ گویا یہ باتیں۔ دنیا داروں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسی بات کو علامہ ابن خلدون نے اس پیرایہ میں لکھا ہے کہ ”علماء کا گروہ منظم اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا، اور یہ بالکل سچ ہے۔ حالانکہ اگر سچ پوچھئے تو علماء میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہی سلام بخلاف اور مذہبوں کے۔ دین کے ساتھ دنیوی انتظامات کا بھی مقصد ہے خلفائے دین کے حالات پر جو۔ سیاست اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا کے سلاطین اور فرمانرواؤں میں کون شخص انکا ہمسر کہا جاسکتا ہے؟“

بے شبہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابو حنیفہ۔ تمام فرقہ علماء میں متاثر ہیں کہ وہ مذہب اموی کے ساتھ دنیوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے۔ یہی بات ہے کہ ان کا مذہب سلطنت و حکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ ہلام میں سلطنت و حکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے۔ مذہباً اکثر خفی ہی تھے۔

امام ابو حنیفہ اگرچہ شاہی تعلقات سے آزاد رہے لیکن قوم اور ملک کے ساتھ اتنے
جو تعلقات تھے وہ خود ایک ملکی حیثیت رکھتے تھے جبکہ فرائض کو انھوں نے اس دامائی
اور ہوشمندی کے ساتھ انجام دیا جو ایک مدبر سلطنت کے شایان تھا۔ وہ اپنے معصرون کی
طرح اپنے تلامذہ کو یہ نہیں سکھاتے تھے کہ زندگی کی ضروریات میں امیرون اور رئیسوں کی فیاضیوں
کا منہ تکتے رہیں۔ وہ خود کسی کے دست نگر نہیں ہوئے۔ اور شاگردوں کو بھی اسی کی تعلیم کی۔
ہم نے ان کے شاگردوں کی مفصل فہرست دیکھی ہے۔ ان میں اکثر ایسے لوگ ہیں جو حلقہ درس سے
اٹھ کر۔ ملکی عہدوں پر پہنچے اور نہایت قابلیت و دیانت سے اپنی خدمتوں کو انجام دیا
قاضی ابویوسف صاحب۔ جو ہرون الرشید کے عہد میں صیغہ قضا کے وزیر تھے اور
جنکی حسن تدبیر و انتظام نے ان صیغہ کو اس قدر وسیع۔ باقاعدہ مرتب کر دیا کہ اس سے پہلے
کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور زمانہ مابعد میں بھی اس سے بڑھ کر نہ ہو سکا یہ امام ابو حنیفہ ہی کی صحبت
کا فیض تھا۔

یہ ضرور ہے کہ ملکی تعلقات کے ساتھ مذہب و اخلاق کے فرائض کو سمجھنا لانا نہایت
مشکل ہوتا ہے۔ لیکن امام صاحب اس سے بے خبر نہ تھے۔ وہ شاگردوں کو ہمیشہ ایسی ہدایتیں کرتے
تھے۔ جن کی پابندی سے دنیا و دین دونوں چل رہوں جو اس آیت کی تفسیر ہے آتانی الدنیا
حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ قاضی ابویوسف کو امام صاحب کی زندگی میں اگرچہ دربار سے
کوئی تعلق نہیں پیدا ہوا تھا۔ تاہم انکی قابلیت اور امام صاحب کی تعلیم نے جو یاقوت ان میں
پیدا کر دی تھی اسکے جو ہر صاف نظر آتے تھے۔ اسی لحاظ سے امام صاحب نے ان کو
کچھ ہدایتیں لکھ کر دیں۔ جو تمام مہمات دینی اور دنیوی کے لئے دستور العمل تھیں۔ یہ تحریر

سلہ اشیاء و انظار کے اخیر میں یہ وصیت تھا ہمارے اور میں نے اسی سے اتفاق کیا ہے ۱۲

کہا لوں میں مقول ہے۔ افسوس ہے کہ تطویل کے سحاط سے ہم اسکو بجا مہمانین نقل کر سکتے تھے اور موقع اور مقام کی رعایت سے اسکا انتخاب دکھانا ضرور ہے۔

اس تحریر میں پہلے سلطان وقت کے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ بادشاہ کے پاس بہت کم آمدورفت رکھنا۔ اس سے ہر وقت اس طرح پر خطر رہنا جیسا انسان آگ سے احتیاط رکھتا ہے۔ جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو دربار میں نہ جانا کہ اپنا اعزاز اور وقار قائم رہے۔ اگر اتفاق سے دربار میں ایسے لوگ موجود ہوں جسے ملکہ واقفیت نہ ہو تو اور بھی پرہیز کرنا کیونکہ جب انکار تہ معلوم نہیں تو ممکن ہے کہ مخاطبت اور گفتگو میں ان سے جو برتاؤ کیا جاوے ان کی شان کے مناسب نہ ہو۔ وہ اگر تم سے زیادہ بلند رتبہ ہیں اور تم نے اس کا لحاظ نہیں کیا تو بے تمیزی سمجھی جائے گی۔ اگر معمولی آدمی ہیں اور تم نے زیادہ تعظیم و تکریم کی تو بادشاہ کی آنکھ میں تمہاری ذلت ہوگی۔ بادشاہ اگر تمکو عمدہ قضا پر مقرر کرنا چاہے تو پہلے دریافت کر لینا کہ وہ تمہارے طریقہ اجتہاد سے موافق ہے یا نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تم کو اپنی رائے کے خلاف عمل کرنا پڑے۔ جس عمدہ اور خدمت کی تم میں قابلیت نہ ہو اس کو ہرگز قبول کرنا۔

ان ہدایتوں میں اگرچہ بادشاہ کی حرمت و توقیر کی بہت تاکید کی ہے لیکن اظہار حق کے موقع پر یوری آزادی سے کام لیا ہے چنانچہ اخیر میں لکھتے ہیں کہ وہ اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا مسموم ہو تو علانیہ اس کی غلطی کا اظہار کرنا کہ اور لوگوں کو اس کی تقلید کی جرأت نہ ہو۔ اس بات کی کچھ پروا نہ کرنا کہ وہ شخص جاہ و حکومت رکھتا ہے۔ کیونکہ اظہار حق میں خلعتا ہر مددگار ہوگا۔ اور وہ اپنے دین کا آپ محافظ و حامی ہے۔ خود بادشاہ سے اگر کوئی نامناسب حرکت صادر ہو تو صاف کھدینا کہ۔ گو میں عمدہ و خدمت کے سحاط سے آپ کا مطیع ہوں

قاضی ابوبکر
کے لئے جو ہدایت
نامہ لکھا تھا
اس کے بعض
مقالات

تاہم آپ کو اپنی غلطی پر مطلع کر دینا میرا فرض ہے۔ پھر بھی نہ مانے تو تنہائی میں سمجھانا کہ آپ کا یہ فعل قرآن مجید اور احادیث نبوی کے خلاف ہے۔ اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کہ ملکہ اس کی شہر سے نکال محفوظ رکھے۔

زندگی کے معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتیں کیں ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ تحصیل علم کو سب پر مقدم رہنا اس سے فراغت ہو چکے تو جائزہ لیں۔ چونکہ اس سے دولت حاصل کرنا کیونکہ ایک وقت علم و دولت دونوں کی تحصیل نہیں ہو سکتی۔ پھر نکاح کرنا لیکن وقت جب یہ یقین ہو کہ اہل و عیال کی تمام ذمہ داریاں اٹھا سکو گے۔ ایسی عورت سے شادی نہ کرنا جو دوسرے شوہر سے اولاد رکھتی ہو۔ عام آدمیوں اور خصوصاً دولت مندوں سے کم میل جول رکھنا ورنہ انکو گمان ہوگا کہ تم ان سے کچھ توقع رکھتے ہو اور اس خیال سے وہ رشوت دینے پر آمادہ ہوں گے۔ بازاری میں جانا۔ دوکانوں پر بیچنا۔ راستہ یا مسجد میں کوئی چیز کھالینے سفایات۔ یا ستاؤں کے ہاتھ سے پانی پی لینا۔ ان باتوں سے احتراز رہے۔ کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دو۔ اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھاؤ۔ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ کوئی غیر دیکھے تو سمجھے کہ تمہاری اولاد ہیں۔ عام اور معمولی رتبہ کے لوگ مناظرہ کرنا چاہیں تو احتراز کر دو۔ کسی شہر میں جانا ہو تو وہاں کے علماء و فضلا سے اس طرح ملوکہ انکسرتا کا خیال نہ ہو۔ علمی تذکرہ آئے تو جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکتے ہو۔ مناظرہ کے وقت نہایت جرأت و استقلال سے کام لو ورنہ دل میں ذرا بھی خوف ہوگا تو خیالات مجتمع نہ سکیں گے۔ اور زبان میں لغزش ہوگی جو لوگ داب مناظرہ سے واقف نہیں یا مسکابرہ کرنا چاہتے ہیں ان سے ہرگز گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ مناظرہ کی وقت

غصہ نہ کرنا چاہیے۔ ہنسنا کم چاہیے۔ زیادہ ہنسی سے دل انسردہ ہوتا ہے۔ جو کام کرو
 انسان اور دھار کے ساتھ کرو۔ کوئی شخص جب تک سامنے سے نہ پکارے کبھی جواب نہ دے
 کیونکہ پیچھے سے پکارنا جانور دن کے لئے مخصوص ہے۔ رستہ چلو تو رائیں بائیں نہ دیکھو۔ حمام
 میں جاؤ تو عام آدمیوں کی بر نسبت زیادہ اجرت دو صبح اور دوپہر کے وقت حمام میں نہ جاؤ
 گفتگو میں سختی نہ ہو اور آواز بلند نہ ہونے پائے۔ کوئی چیز خریدنی ہو تو خود بازار نہ جاؤ بلکہ لوگوں کو
 بھیج کر منگو اور خانگی کاروبار۔ دیانت وار لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہیے۔ کہ تم کو اپنی
 مشاغل کے لئے کافی وقت اور فرصت ہاتھ آئے۔ بادشاہ کے قریب سکونت نہ اختیار کرو۔
 ہر بات سے بے پردائی اور بے نیازی ظاہر ہو۔ اور فقر کی حالت میں بھی وہی استغنا قائم ہے
 عام آدمیوں میں بیٹھ کر وعظ نہ کرو۔ کیونکہ ایسے موقع پر واعظ اکثر جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا ہے
 شاگردوں میں کسی کو فقہ کے درس کی اجازت دو تو خود بھی اسکی درس گاہ میں شریک ہو کہ اسکی
 متعلق اسے قائم کر سکو۔ وہ اگر کبھی غلطی کر جائے تو بتا دو ورنہ تمہارے چپ رہنے سے لوگوں
 کو گمان ہو گا کہ اسے جو کما صحیح کہا۔ فقہ کے سوا اور علوم کی مجلس ہو تو خود نہ جاؤ بلکہ اپنے معتد دوستوں
 یا شاگردوں کو بھیج دو کہ وہ اگر تم سے پورے حالات بیان کریں ۛ

دو ہر بات میں تقویٰ اور امانت کو پیش نظر رکھو۔ خدا کے ساتھ دل سے وہی معاملہ
 رکھو جو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہو۔ جو وقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لئے تیار ہو جاؤ
 ہر مہینہ میں دو چار دن روزہ کے لئے مقرر کر لو۔ نماز کے بعد ہر روز کسی قدر وظیفہ پڑھا کرو۔
 قرآن کی تلاوت قضائے ہوئے پائے۔ دنیا پر بہت نہ مائل ہو۔ اکثر قبرستان میں نکل جایا کرو۔
 لہو و لعب سے پرہیز رکھو۔ ہمسایہ کی کوئی بُری دیکھو تو پردہ پوشی کرو ۛ

اہل بدعت سے بچتے رہو۔ نماز میں جب تک تم کو لوگ خود امام نہ بنائیں امام نہ بنو

جو لوگ تم سے لئے ائین ان کے سامنے علمی تذکرہ کرو۔ اگر وہ اہل علم ہوں گے تو فائدہ اٹھائیں گے ورنہ کم از کم ان کو تم سے محبت پیدا ہوگی۔“

عبدالغفر بن رداؤ کو خلیفہ نے دربار میں بلایا۔ وہ امام صاحب کے شاگرد تھے۔ مشورہ کے لئے ان کے پاس آئے اور کہا کہ ”خلیفہ نے طلب کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے سامنے وعظ کروں۔ مگر کیا کہوں اور کس طریقہ سے کہوں۔ اس میں آپ کی ہدایت چاہتا ہوں۔“ امام صاحب نے فرمایا۔ یہ کہنا کہ ”اے امیر المؤمنین دنیا کے طلب کرنے کی تین غرضیں ہو سکتی ہیں۔ عزت۔ ملک۔ مال۔ یہ سب آپ کو چھل ہیں۔ اب تقویٰ اور عمل صالح بھی اختیار کیجئے کہ دنیا و آخرت دونوں دونوں میں چل سکیں۔“

اس موقع پر امام صاحب کے حکیمانہ مقولے بھی سنئے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو علم نے بھی معاصی اور فواحش سے نہ باز رکھا اس سے زیادہ زبان کار کون ہوگا، جو شخص علم دین میں گفتگو کرے اور اس کو یہ خیال نہ ہو کہ ان باتوں کی پابندی ہوگی وہ مذہب اور خود اپنے نفس کی قدر نہیں جانتا، اگر وہ علما خدا کے دوست نہیں ہیں تو عالم میں خدا کوئی دوست نہیں ہے جو شخص قبل از وقت۔ ریاست کی تمنا کرتا ہے دلیل ہوتا ہے، جو شخص علم کو دنیا کے لئے سیکھتا ہے۔ علم اس کے دل میں جگہ نہیں پکڑتا۔ سب سے بڑی عبادت ایمان اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے پس جو شخص افضل ترین عبادت کا پابند۔ اور بدترین معاصی سے محترز ہے۔ اس کی مغفرت کی بہر حال امید کیجا سکتی ہے۔“

”جو شخص حدیث سیکھتا ہے اور اس سے استنباط مسائل نہیں کرتا وہ ایک عطار ہے جس کے پاس دوائیں ہیں لیکن یہ نہیں جانتا کہ کون کس مرض کے لئے ہے۔“ جو شخص

علم کا مذاق نہیں رکھتا۔ اُس کے علمی گفتگو کرنی اُس کو اذیت دینی ہے۔ اپنے دوست (نفس) کے لئے گناہ جمع کرنے اور دشمن (دشنام) کے لیے مال فراہم کرنا کیسی غلطی ہے۔

ایک شخص نے پوچھا فقہ کے چل ہونے میں کیا چیز معین ہو سکتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا درود بھیجئے، اُس نے عرض کی کہ دل بھی کیونکر چل ہو۔ ارشاد ہوا کہ وہ تعلقاں کم کئے جائیں پوچھا کہ تعلقات کیونکر کم ہوں۔ جواب دیا کہ وہ انسان ضروری چیزیں لے لے اور غیر ضروری چھوڑ دے۔ ایک بار کسی نے سوال کیا کہ حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا کہ در قیامت میں جن باتوں کی پریشانی ہوگی مجھ کو ان کا ذکر لگا رہتا ہے ان واقعات کو خدا مجھے نہ پوچھے گا۔ اسی لئے اسپر توجہ کرنے کی چندان ضرورت نہیں۔

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ وہ اس بحث کے متعلق اپنی ذاتی رائے دہنیں گے تھے خود اُن کا قول ہے کہ حضرت علیؑ کی نظر اگر ہمارے سامنے موجود نہ ہوتی تو ہم نہ بتا سکتے کہ یاغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ ان باتوں کو اسلام کا ایک ضروری مسئلہ قرار دینا اور اس پر بحثوں کا دفتر تیار کرنا ایک فضول کام ہے۔ اور اسی کی طرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص تحصیل علم کی غرض سے امام صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سفارشی خط پیش کیا۔ امام صاحب نے فرمایا در علم میں سنی سفارشی کا کام نہیں۔ علم کا خود فرض ہے کہ اُن کو جو کچھ آتا ہو دوسروں کو بھی بتائیں۔ علم کے دربار میں خاص عام کی کوئی تفریق

نہیں " ایک دن گزر کر کوئی نہ کہا آپ ہم سے کیوں لگ رہے ہیں۔ فرمایا روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا میں وعافیت سے ملا جائے تو اس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد مذمت اٹھانی پڑے " اسی مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی اور سادگی سے ادا کیا ہے وہ کہتا ہے:

| | |
|---------------------------------|---------------------------------------|
| دو قرص نان اگر گندم است یا ز جو | سنہ تائے جامہ اگر کہ نہ بہت یا خود نو |
| بچار گوشہ دیوار خود بخاطر جمع | کہ کس نگوید ازین جا نخر و آنجار و |
| ہزار بار فزین تر بہ نزد ابن مین | ز ضرر ملکیت کیتبار و کینہ و |

امام صاحب کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے لیکن تشبیب و غزل کی حیثیت سے نہیں بلکہ وعظ و پند کے طور پر۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

و امین المروءة للفتی
ما عاش دار فاحرة
فاشکروا اذا و تیتھا
وا عمل لدار الاخرة

یعنی انسان جب تک زندہ ہے عزت و آبرو کے لئے اسکو اچھا مکان چاہیئے۔ ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہیئے اور عاقبت کے مکان کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔

امام صاحب کی ذہانت اور طباعی عموماً ضرب النمل ہے۔ یہاں تک کہ انکا اجمالی ذکر بھی کہیں آجاتا ہے تو ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کی جاتی ہے علامہ ذہبی نے عبقری

اخبار میں غیورین " انکا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ تاہم اس فقرہ کو پھوٹورسکے

کہ کان میں اذ کیا یعنی آدم یعنی اولاد آدم میں جو نہایت ذکی گزرے ہیں امام ابوحنیفہ ان میں شمار کئے جاتے ہیں " مشکل سے مشکل مسئلوں میں انکا ذہن اس تیزی سے لڑتا تھا کہ لوگ

حیران رہ جاتے تھے۔ اکثر موقعوں پر انکے ہم عصر جو معلومات کے لحاظ سے انکے ہمسر تھے موجہ ہوتے تھے۔ انکو اصل مسئلہ بھی معلوم ہوتا تھا لیکن جو واقعہ درپیش ہوتا تھا اس سے مطابقت

امام صاحب
کے بعض شعار

ذہانت و طباعی

کر کے نوراً جواب بتا دینا امام صاحب ہی کا کام تھا۔

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ جب تک تو مجھے نہ بولیگی میں تجھ سے کبھی نہ بولوں گا یہ عورت تند مزاج تھی اس نے بھی قسم کھالی اور وہی الفاظ دہرائے جو شوہر نے کہے تھے۔ اس وقت تو غصہ میں کچھ نہ سوچا مگر پھر خیال آیا تو دونوں کو نہایت افسوس ہوا۔ شوہر۔ امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور صورت واقعہ بیان کی۔ سفیان نے کہا قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اس سے چارہ نہیں، وہ مایوس ہو کر اٹھا اور امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اللہ آپ کوئی تدبیر بتائے۔ امام صاحب نے فرمایا جاؤ شوق سے باتیں کرو۔ کسی پر کفارہ نہیں ہے۔ امام سفیان ثوری کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے امام ابو حنیفہ سے جا کر کہا کہ آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتا دیا کرتے ہیں۔ امام صاحب نے اس شخص کو بلا بھیجا اور کہا کہ تم دوبارہ واقعہ کی صورت بیان کر جاؤ اس نے اعادہ کیا امام صاحب سفیان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور کہا کہ میں نے پہلے جو کہا تھا اب بھی کہتا ہوں سفیان نے کہا کیوں؟ فرمایا کہ جب عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ الفاظ کہے تو سورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہو چکی۔ پھر قسم کھان باقی رہی، سفیان نے کہا حقیقت میں آپ کو جو بات وقت پر سوچہ جاتی ہے۔ ہم لوگوں کا وہاں تک خیال بھی نہیں پہنچتا۔

کوفہ میں ایک شخص نے بڑی دہوم دہام سے ایک ساتھ اپنے دو بیٹیوں کی شادی کی ولیمہ کی دعوت میں شہر کے تمام اعیان و اکابر کو مدعو کیا۔ مسعر بن کدام۔ حسن بن صالح سفیان ثوری۔ امام ابو حنیفہ شریک دعوت تھے۔ لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ دفعۃً صاحب خانہ بدو اس گھر سے نکلا اور کہا غضب ہو گیا! لوگوں نے کہا خیر ہے؟ بولا کہ زبان

سلہ اس واقعہ کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے۔

کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیویاں بدل گئیں۔ جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اسکا شوہر نہ تھا اب کیا کیا جائے۔ سفیان نے کہا امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔ البتہ دونوں کو مہر دینا لازم ہوگا۔ سعید بن کدام امام ابو حنیفہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ امام صاحب نے کہا شوہر خود میرے سامنے آئیں تو جواب دون۔ لوگ جا کر بلا لائے۔ امام صاحب نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ رات جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے نکاح میں رہے تو تم کو پسند ہے دونوں نے کہا ہاں۔ امام صاحب نے کہا تو اپنی بیویوں کو جسے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق دیدو۔ اور ہر شخص اس عورت سے نکاح پڑھ لے جو اسکے ساتھ ہم بستر پہنچی۔

سفیان نے جو جواب دیا اگرچہ فقہ کی رو سے وہ بھی صحیح تھا کیونکہ یہ صورت وطی بالمشبہہ کی ہے جس سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ لیکن امام صاحب نے مصلحت کو پیش نظر رکھا وہ جانتے تھے کہ موجودہ صورت میں نکاح کا قائم رہنا غیرت و حمت کے خلاف ہوگا۔ کسی مجبوری سے زوجین نے تسلیم بھی کر لیا تو دونوں میں وہ غلوں و اتحاد نہ پیدا ہوگا جو ترویج کا مقصود اصل ہے اسکے ساتھ ہر کی بھی تخفیف ہو کیونکہ خلوت مجھ سے پہلے طلاق دیکھنے تو صرف ادا مہر لازم آتا ہے۔ یث بن سعد جو مصر کے مشہور امام تھے ان کا بیان ہے کہ میں ابو حنیفہ کا ذکر اکثر سنا کرتا تھا اور انکے دیکھنے کا نہایت شوق تھا۔ حج کی تقریب سے کہ معطلہ جانا ہوا۔ اتفاق سے ایک مجلس میں پہنچا۔ دیکھا تو بڑا ہجوم ہے۔ ایک شخص صدر کی جانب بیٹھا ہے اور لوگ اس سے مسئلے پوچھ رہے ہیں۔ ایک شخص نے بڑبڑ کر کہا یا ابا حنیفہ! یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے انکو پہچانا امام ابو حنیفہ اسکی طرف متوجہ ہوئے۔ اسنے کہا۔ میں ایک بد مزاج بیٹلہ ہے اس کی شادی کر دیتا ہوں تو بیوی کو طلاق دیدیتا ہے۔ لونڈی خریدتا ہوں تو آزاد کر دیتا ہے

فرمایا کیا تدبیر کروں؟ امام ابو حنیفہ نے برجستہ کہا کہ: ”تم اسکو ساتھ لیکر بازار میں جہاں لوٹنیاں
 لگتی ہیں جاؤ اور جو لوٹنیاں اس کو پسند آئے خرید کر اس کا نکاح پڑا دو۔ اب اگر وہ آزاد کرے گا
 تو نہیں کر سکتا کیونکہ لوٹنیاں اسکی ملک نہیں طلاق دیگا تو تمہارا کچھ نقصان نہیں تمہاری لوٹنیاں
 کہیں نہیں گئی“۔ سہہ کہتے ہیں کہ بلکہ جواب پر تو کم۔ لیکن حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا۔

ربیع جو خلیفہ منصور کا عرض بیگی تھا۔ امام ابو حنیفہ سے عداوت رکھتا تھا۔ ایک دن امام
 صاحب جب طلب دربار میں گئے۔ ربیع بھی حاضر تھا۔ منصور سے کہا کہ: حضور! یہ شخص
 امیر المؤمنین کے جد بزرگوار (عبد اللہ بن عباس) کی مخالفت کرتا ہے۔ انکا مول ہے کہ اگر
 کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور دو ایک روز کے بعد انشاء اللہ کہے تو وہ قسم میں
 داخل سمجھا جائے گا اور قسم کا پورا کرنا کچھ ضرور نہ ہوگا۔ ابو حنیفہ اسکے خلاف فتویٰ دیتے ہیں
 اور کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو البتہ جزیرہ قسم سمجھا جائے گا۔ ورنہ لغو اور
 بے اثر ہے۔ امام صاحب نے کہا امیر المؤمنین ربیع کا خیال ہے کہ لوگوں پر آپکی بیعت کا کچھ
 اثر نہیں۔ منصور نے کہا: یہ کیونکر؟ امام صاحب نے کہا: انکا گمان ہے کہ جو لوگ دربار میں
 آپ کے ماتھے پر بیعت خلافت کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں۔ گھر پر جا کر انشاء اللہ کہہ لیا۔
 کرتے ہیں جس سے قسم بے اثر ہو جاتی ہے۔ اور ان پر شرعاً کچھ مواخذہ نہیں رہتا۔ منصور نہیں
 پڑا اور ربیع سے کہا کہ تم ابو حنیفہ کو نہ چھیرو۔ ان تمہارا دانو نہیں چل سکتا۔ امام صاحب دربار سے
 نکلے تو ربیع نے کہا: آج تو آپ میری جان ہی لے چکے تھے فرمایا یہ تو تمہارا ارادہ تھا۔ میں نے
 صرف ممانعت کی۔“

ایک دفعہ بہت سے خارجی۔ امام صاحب کے گھر پر چڑھ آئے اور کہا کہ کفر سے توبہ کرو امام صاحب
 نے کہا: ہاں میں تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ خارجیوں کا اعتقاد ہے کہ گناہ کرنے سے

انسان کا فر ہو جاتا ہے۔ یعنی گناہ اور کفر ایک چیز ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ جن چیز کو تم کفر سمجھتے ہو میں اس سے تو بڑا کرا ہوں۔ کسی نے اُن (خارجیوں) سے جا لگایا کہ ابو حنیفہ نے تم لوگوں کو وہ کہہ دیا اُن کا مطلب اور تھا۔ خارجیوں نے امام صاحب کو پکڑا کہ تم نے تاویل کیوں کی امام نے کہا۔ تم کو یقین ہے یا محض گمان کی بنا پر میری نسبت ایسا خیال کرتے ہو۔ بولنے کے نہیں گمان ہی گمان ہے۔ امام نے کہا تو تم کو خود توبہ کرنی چاہیے کیونکہ خافر ماتا ہے ان بعض الفتن اشر۔ ایک دن مسجد میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں کا جمع تھا۔ وقفہ خارجیوں کا ایک گروہ مسجد میں گس آیا لوگ بھاگ نکلے۔ امام صاحب نے روکا اور تسلی دہی کر ڈیرو نہیں اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ ایک خارجی۔ جو سب کا سردار تھا امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ تم کون لوگ ہو۔ امام صاحب نے فرمایا۔ دستگیر ہیں اور خدا سے فرمایا ہے کہ وہ ان احداث المشرکین استیجارہ فاجر حتی یمسح بکلام اللہ فخر ابلغہ ما منہ یعنی ۱۰ مشرکین میں سے کوئی شخص اگر پناہ پتے تو اسے پناہ دے تاکہ وہ خدا کا کام سے پر اسکو اسکے ماہن تک پہنچا دے۔ خارجی اپنے سوا مسلمانوں کے تمام فرقوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں۔ اور واجب نقل جانتے ہیں۔ اس موقع پر وہ یہی نیت سے آئے تھے کہ امام ابو حنیفہ۔ اپنا عقیدہ بیان کریں تو کفر کا الزام لگا کر انکو قتل کر دیں۔ لیکن امام صاحب کے الزامی جو اپنے انکو بالکل مجبور کر دیا۔ چنانچہ انکے سردار نے ساتھیوں کو لگا کہ انکو قرآن پڑھ کر سنا دو اور انکو اس کے گھر پہنچاؤ۔

ابو العباس جو منصور کے دربار میں ایک معزز درجہ رکھتا تھا۔ امام صاحب کا دشمن تھا اور پیشہ انکو ضرر پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا۔ ایک دن امام صاحب کسی ضرورت سے دربار میں گئے اتفاق سے ابو العباس بھی حاضر تھا۔ لوگوں سے کہا آج ابو حنیفہ میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں چل سکتے امام صاحب کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ ابو حنیفہ امیر المؤمنین کبھی بھی ہم لوگوں کو بلا کر حکم

دیتے ہیں کہ اس شخص کی گردن مارو۔ ہیکو مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ وہ شخص واقعی مجرم ہے یا نہیں۔ ایسی حالت میں ہیکو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیے یا انکار کرنا چاہیے۔ امام صاحبؒ نے کہا تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکام حق ہوتے ہیں یا باطل؟ منصور کے سامنے کسی کی تاب تھی کہ احکام خلافت کی نسبت ناجائز ہونے کا احتمال ظاہر کر سکتا۔ ابو العباس کو مجبوراً گناہ پڑا کہ حق ہوتے ہیں۔ امام صاحبؒ نے فرمایا پر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیا؟

ایک شخص نے قسم کھالی کہ آج اگر میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی کو تین طلاق ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ آج کی کوئی نماز قضا ہو تو میری زوجہ مطلقہ ہے۔ پھر کہا کہ آج میں اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہ کروں تو ہیکو طلاق ہے۔ لوگوں نے امام صاحبؒ کو مسئلہ پوچھا فرمایا کہ نماز عصر پڑھ کر بیوی سے ہم صحبت ہو۔ اور غروب کے بعد غسل کر کے فوراً مغرب کی نماز پڑھ لے اس صورت میں سب شرطیں پوری ہو گئیں۔ بیوی سے ہم صحبت بھی ہوا۔ نماز بھی قضا نہیں کی۔ غسل جنابت کیا تو اس وقت کیا کہ دن گزر چکا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص امام صاحبؒ کے پاس آیا اور کہا کہ دو تین کچھ روپیے ایک جگہ احتیاط سے رکھ دئے تھے۔ اب یاد نہیں آتا کہ کہاں رکھے تھے۔ ہیکو سخت ضرورت درپیش ہے کوئی تدبیر بتائیے امام نے فرمایا۔ بھائی! یہ مسئلہ تو فقہ میں کیس نہ کو رہیں مجھے کیا پوچھنے آئے ہو؟ آسنے زیادہ حاجت کی تو کہا کہ آج ساری رات نماز پڑھو؟ آسنے جا کر نماز پڑھنی شروع کی اتفاقاً یہ کہ تھوڑی دیر کے بعد اسکو یاد آگیا کہ روپیہ فلاں جگہ رکھے تھے دوڑا ہوا امام صاحبؒ کے پاس آیا۔ اور عرض کی کہ آپ کی تدبیر راستہ آئی۔ فرمایا کہ ہاں شیطان کب گوارا کرتا کہ تم رات بھر نماز پڑھتے رہو اس لئے آسنے جلدیاد دلادیا۔ تاہم حکم مناسب تھا کہ اسکے شکر یہ میں شب بیدار کرتے رہتا ہوں۔

ایک اور دن ایک شخص نے آکر کہا کہ میں نے کچھ اسباب گھر کے کسی کو سنے میں گاڑ دیا تھا اب یاد نہیں آتا کہ کہاں گاڑا تھا۔ کیا کروں؟ امام صاحب نے کہا: تم کو یاد نہیں تو مجھ کو اور بھی نہ یاد ہونا چاہیے؟ وہ روتے لگا۔ امام صاحب کو رحم آیا۔ چند شاگرد ساتھ لئے اور اسکے گھر پر گئے شاگردوں سے کہا کہ: اگر یہ تیسرا گھر ہوتا اور تم حفاظت کے لئے کوئی چیز چھپا کر رکھتے تو کہاں رکھتے؟ سب اپنے اپنے قیاس سے مختلف موقعے بتائے امام صاحب نے فرمایا کہ انہیں تین چار جگہوں میں سے کہیں نہ کہیں گاڑا ہوگا انکے کدوانے کا حکم دیا۔ خدا کی شان تیسری جگہ کھودی تو اسباب بچنے بدفون ملا۔

امام صاحب اگرچہ نہایت نقد متین باوقار تھے تاہم ذہانت کی شوخیان کبھی کبھی ظرافت کا رنگ دکھاتی تھیں۔ ایک دن اصلاح ہوا رہے تھے۔ حجام سے کہا کہ سفید بالوں کو چن لینا؟ اس نے عرض کی کہ جو بال چنے جاتے ہیں اور زیادہ نکلتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا یہ قاعدہ ہے تو سیاہ بالوں کو چن لینا کہ اور زیادہ نکلیں، "اقاضی شریک نے یہ حکایت سنی تو کہا کہ ابو حنیفہ نے حجام کے ساتھ بھی قیاس کو پھوٹا؟"

امام صاحب کے محلہ میں ایک پنہار رہتا تھا جو نہایت متعصب شیعہ تھا۔ اسکے پاس دو بچے تھے۔ تعصب سے ایک کا ابو بکر اور دوسرے کا عمر نام رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک بچہ نے لات ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور اسی صدمہ سے مر گیا محلہ میں اسکا چرچا ہوا امام صاحب نے سنا تو کہا۔ دیکھنا! اسی بچہ نے مارا ہوگا جس کا نام اس نے عمر رکھا تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا تو واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔

کوفہ میں ایک غالی شیعہ تھا جو حضرت عثمان کی نسبت کہا کرتا تھا کہ یہودی تھے؟ امام صاحب ایک دن اسکے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنی بیٹی کی نسبت ڈھونڈتے تھے۔ ایک

شخص موجود ہے جو شریف بھی ہے۔ دو تہذیبی ہے۔ اسکے ساتھ پرہیزگار قائم المیل
 حافظ قرآن ہے، شیعہ بھی ہے۔ تو اس سے بڑھ کر کون ملے گا۔ آپ ضرور شادی ٹھہریجئے
 امام صاحب نے کہا یہ صرف اتنی بات ہے کہ مذہب یہودی ہے، وہ نہایت برہم ہوا
 اور کہا بد سچان اللہ آپ یہودی سے رشتہ داری کرنے کی رائے دیتے ہیں، امام صاحب
 نے فرمایا یہ کیا ہوا۔ خود پیغمبر خدا نے جب یہودی کو کہہ مائے اعتقاد کے موافق، داماد بنایا
 تو تم کو کیا عذر ہے، خدا کی قدرت۔ اتنی بات سے اسکو تینہ ہو گئی اور اپنی عقیدہ تو بہکی

یہاں

حصہ دوم

امام صاحب کی تصنیفات

فقہ اکبر

امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں ان کے یہ نام ہیں۔ فقہ اکبر۔ العالم والمعلم۔
مسند فقہ اکبر۔ عقائد کا ایک مختصر سار سالہ ہے۔ مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہے
جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے۔ یہ یہ سالہ چھپ گیا ہے اور ہر جگہ مل سکتا ہے۔ لوگوں نے اس پر
تشریحیں بھی لکھی ہیں۔ مثلاً شیخ الدین محمد بن بہار الدین المتوفی ۹۵۳ھ۔ مولوی الیاس بن ہریر
السیونی۔ مولیٰ احمد بن محمد المغنیادی۔ حکیم آصفی۔ شیخ اکمل الدین۔ ملا علی القاری۔ ملا علی
قاری کی شرح متداول ہے بعض اور تشریحوں کے نسخے بھی جا بجا ظنی پائے جاتے ہیں۔ حکیم
اصحٰق کی شرح کو ابو البقار احمدی نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا۔ اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام
نے جو تشریفی کے نام سے مشہور ہیں۔

العالم والمعلم
مسند

العالم والمعلم۔ سوال و جواب کے طور پر ایک مختصر سار سالہ ہے۔ لیکن ہماری نظر سے نہیں گذرا۔
مسند کے متعدد نسخے ہیں جنکو ابو الموید محمد بن محمود الخزاز رحمہ المتوفی ۷۶۵ھ نے
یکجا جمع کر دیا ہے۔ دیا چہرین لکھے ہیں کہ وہ بلاد شام میں بعض بابائوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ
امام ابو حنیفہ کو فن حدیث میں چنداں دخل نہ تھا اور اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی کتاب
نہیں ہے۔ اس پر محکمہ حجت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ ان تمام مسندوں کو

یک جاکردون جو علمائے امام ابو حنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کئے ہیں اور جنکی تفصیل حسب
 ہے (۱) مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاوسط
 (۲) مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن
 بن عیسیٰ۔ (۴) مسند حافظ ابو نعیم الاصبہانی (۵) مسند شیخ ابو بکر محمد بن عبد الباقي محمد الباقی محمد الائم
 (۶) مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی (۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاششانی (۸) مسند
 ابو بکر احمد بن محمد خالد الکلاعی (۹) مسند امام یوسف قاضی (۱۰) مسند امام محمد (۱۱) مسند حماد بن
 ابو حنیفہ (۱۲) آثار امام محمد (۱۳) مسند امام ابو القاسم عبد اللہ بن العوام العدوی۔

ابو المویذ الخواری نے جن مسندوں سے نام لکھے ہیں انکے سوا اور بھی مسایید ہیں مثلاً
 مسند حافظ ابو عبد اللہ حنین بن محمد بن خسر و البلی المتوفی ۵۲۳ھ مسند مصطفیٰ جسکی شرح طاعلی کا
 نے لکھی۔ مسند امام ردی۔ مسند ابن النزاری المتوفی ۵۲۸ھ۔ ان مسندوں کی شرحیں بھی لکھی گئیں۔
 جو لوگ امام صاحب کے سلسلہ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھ
 ہیں۔ وہ انہیں معنفہ بالاکتابون کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان
 تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس سے انکار نہیں ہوگا
 کہ امام صاحب کی زندگی میں ایک مجموعہ فقہ مرتب ہو گیا تھا جسکے حوالے عقودا الجہان وغیرہ
 میں جا بجا ملتے ہیں۔ لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہو گیا اس زمانہ کی ہزاروں
 تصنیفات کے نام۔ تراجم کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ لیکن دو تین کے سوا ایک کا بھی دنیا کے
 کسی کتب خانہ میں پتہ نہیں چلتا۔ خود امام صاحب کے معصرون میں سے سفیان ثوری۔ امام
 اوذاعی۔ حماد بن سلمہ۔ یحییٰ۔ معمر۔ جریر بن عبد الحمید۔ عبد اللہ بن المبارک نے حدیث و فقہ
 بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔ لیکن آج انکا نام ہی نام رہ گیا ہے اور ایک کا بھی وجود نہیں

امام نازمی نے مناقب شافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔
 سند خوارزمی۔ کو امام صاحب کا مسند کہا مجازی اطلاق ہے۔ خوارزمی خود ساتویں صدی
 میں تھے۔ جن مسندوں کو جمع کیا ہے۔ وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں
 حماد۔ قاضی ابویوسف۔ البتہ امام صاحب ہم عصر ہیں اور انکا مسند بے شبہ امام ابو حنیفہ کا
 مسند کہا جاسکتا تھا۔ لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے ان مسندوں کا نام نہیں لیا ہے۔ حالانکہ
 حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو اس کا اعتبار نہیں کیا
 جاسکتا۔ ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے۔ وہ حجۃ اللہ علیہ
 السلام فرماتے ہیں کہ ”طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جنکے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد ان
 روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو دو پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں۔ اور گناہ مسندوں اور مجروحوں
 میں پائی جاتی تھیں۔ ان لوگوں نے انکو بلند نام کرنا چاہا۔ حالانکہ وہ حدیثیں ان لوگوں کی زبانوں
 پر تھیں۔ جن کا محدثین اعتبار نہیں کرتے مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الرواۃ
 یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار۔ یا بنی اسرائیل کے قصے تھے۔ یا حکماء اور واعظین کے مقولے تھے
 جنکو راویوں نے رسول اللہ کے کلام سے مخلوط کر لیا تھا۔ یا قرآن اور حدیث کے متخل مضامین تھے
 جنکو ان نیک آدمیوں نے بالمعنی روایت کیا جو فن روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے۔ ان
 لوگوں نے ان باتوں کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیا۔ یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث
 سے مستنبط ہوتے تھے۔ انکو قصداً حدیث نبوی بنا دیا۔ یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے
 جو ایک عبارت میں مرتب کر دئے گئے۔ اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان کا ل ابن
 عدی۔ تصنیفات خطیب۔ والونیم وجوز قانی۔ وابن عساکر۔ وابن بخار وعلی بن مسکتی ہیں
 سند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے“

شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی۔ بات اتنی ہے کہ جن مسندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے ان کا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں۔ جو مسند۔ امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہیں لیکن انکی حدیثوں کا امام صاحب تک بسند صحیح منسل پنچنا نہایت مشتبہ ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں۔ مسند صفحہ کی میں کئی روایتیں۔ امام صاحب کی طرف منسوب ہیں۔ جنکو آٹھوں نے خود صحابہ سے سنا اور روایت کیا ہے۔ حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محمد ثناء تحقیقات کی رو سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا غوار زری نے آثار امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے یہ شہدہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں۔ اس لئے ناظرین کو اختیار ہے کہ اسکو امام ابو حنیفہ کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن دیاور ہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں۔ اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہے۔

فقہ اکبر

عہد اول

فقہ اکبر۔ گو اگرچہ فخر الاسلام خردوسی۔ عبدالعلی فخر العلوم۔ و شارحین فقہ اکبر نے امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ہم شکل سے آپس یقین کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے اسوقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ بطور ایک متن کے ہے اور ان اختصار و ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے ایک جگہ اس میں جوہر عرض کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اسوقت تک زبان حال میں داخل نہیں ہوئے تھے بے شہدہ منصور عباسی کے زمانہ میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئیں تھیں۔ لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخر زندگی کا زمانہ ہے کسی طرح قیامی نہیں کیا جاسکتا

کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شائع ہو جائیں کہ عام تصنیفات میں انکار و اجاب ہو جائے
فلسفہ کے الفاظ نے نہ ہی دائرہ میں اس وقت بار پایا ہے جب کثرت استعمال کی وجہ سے وہ
زبان کا جز بن گئے اور عام بول چال میں بھی ان کے استعمال کے بغیر چارہ نہ رہا۔ لیکن یہ دور
امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔

یہ بحث تو روایت کی حیثیت سے تھی۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت
نہیں ہوتا۔ دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں
چلتا۔ قدیم سی قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ (جہاں تک ہم کو معلوم
ہے) فخر الاسلام ہرودی کی کتاب الاصول ہے جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔ امام
ابو حنیفہ کے ہزاروں شاگرد تھے جنہیں سے اکثر بجائے خود استاد تھے۔ اور واسطہ در واسطہ
انکے ہزاروں لاکھوں شاگرد ہوئے۔ یہ نہایت خلاف قیاس ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف
موجود ہوتی اور اتنے بڑے گروہ میں اس کا نام تک نہ لیا جاتا۔ علم عقائد اور اسکے متعلقات
پر جو بڑی بڑی کتابیں مثلاً صحایف۔ شرح مقاصد۔ شرح مواقف۔ مل و نخل وغیرہ تصنیف
ہوئیں انہیں کہیں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔ اس کتاب کی جس قدر شرحیں ہوئیں سب
آٹھویں صدی میں یا اسکے بعد ہوئیں۔ اسکے علاوہ ابو مطیع بلخی۔ جو اس کتاب کے راوی ہیں
حدیث و روایت میں چندان مستند نہیں ہیں۔ کتب رجال میں انکی نسبت محدثین و غیر نہایت
زیادہ رکئے ہیں۔ اگرچہ میں انکو کلمۃ تسلیم نہیں کرتا۔ تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جس کا ثبوت
صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو۔ محدثانہ صول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔
مرا خیال ہے کہ ابو مطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل فقہیہ کیے
تھے رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہو گیا۔ اس خیال کی تائید اس سے

ہوتی ہے کہ علامہ ذہبی نے علبرنی اخبار منی حیدر بن ابومطیع کا جہان ذکر کیا ہے ان لفظوں سے کیا ہے کہ صاحب الفقہ الاکبر جسکے قباد معنی یہی ہیں کہ خود ابومطیع اس کے مصنف ہیں میری یہ بھی خیال ہے کہ فقہ الکبریٰ موجودہ ترتیب و عبارت۔ ابومطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہیں۔ جامع صغیر جو امام محمد کی تالیف ہے اسکی موجودہ ترتیب امام ابو طاہر دہاس نے کی ہے جو چوتھی صدی میں تھی۔

فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت وہی اصلی ہے۔ صرف ترتیب بدلی گئی ہے۔ برخلاف اسکے فقہ الکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ بعد کا معلوم ہوتا ہے۔

پہنے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے۔ لیکن تمام واقعات بھی لکھ دئے ہیں۔ ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ اصلی واقعات اور ہماری رائیں۔ دونوں انکے سامنے ہیں۔ وہ جو چاہیں خود فیصلہ کر لیں۔ بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔

عقائد و کلام

امام صاحب ابتدائی تحصیل میں علم کلام کی طرف زیادہ مائل تھے۔ صحابہ کے اخیر زمانہ میں نئے نئے فرقے پیدا ہو چکے تھے۔ معبد جنی نے جو صحابہ کا صحبت یافتہ تھا۔ مسئلہ قدر کو چھیڑا۔ واصل بن عطاء نے جو علوم عربیہ و علم کلام کا بہت بڑا عالم اور امام حسن بصری کا شاگرد تھا۔ اعتزال کی بنیاد قائم کی۔ جہم بن صفوان۔ فرقہ جمیہ کا بانی ہوا۔ خوارج کے متعدد فرقے اس سے پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں ان مسائل کے جا بجا چرچے تھے اور ہر جگہ بحث و مناظرہ کا بازار گرم تھا۔ امام صاحب کو بھی انکی رد و توحیح کی طرف التفات

ہوا۔ اس میں کہ انکی بے نظیر ذہانت نے ان مسائل میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہو گئی۔ لیکن چونکہ یہ شغل ٹھوڑے زمانہ تک رہا اور بالآخر وہ فقہ کے مسائل میں مصروف ہوئے اس لئے ان مسائل کا آج بہت نہیں چلتا۔ تاہم چند مسائل جو تواتر ان کی طرف منسوب ہیں۔ ان کی وقت نظر حدت۔ ذہن۔ وسعت خیال کے شاہد عادل ہیں۔ ان میں سے ہم بعض مسائل کا ذکر کرتے ہیں جو محدثین کے نزدیک بڑے معتبر مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام صاحب۔ فرائض اور اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے۔ حج تو اسکی نسبت بحث کرنی گویا تحصیل چل ہے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے۔ فرائض اور اعمال جو احکام ہیں۔ اس لئے نہ ان دونوں سے کوئی حقیقت مرکب ہو سکتی ہے۔ نہ ان میں سے ایک دوسرے کا جزو ہو سکتا ہے لیکن اس زمانہ میں یہ ایک بڑا بحث طلب مسئلہ تھا اور اکثر ارباب ظاہر بلکہ بعض مجتہدین بھی اس کے خلاف تھے۔

مجاہد کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح۔ نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی۔ اہل عرب کو ان مویشیانیوں اور باریک بینیوں سے سروکار نہ تھا۔ نبو امیہ کے وسط زمانہ میں جب فوجی قوت کو زوال ہوا تو تمدن و معاشرت کی وسعت نے اور قسم کے اشغال پیدا کر دیئے۔ جبر و قدر تشبیہ و تنزیہ۔ عدل و جبر کی بحثیں چرگئیں۔ ان بحثوں کی ابتداء ان لوگوں نے کی جو عجم کی خاک سے تھے۔ یا آپر عجم کا پرتو پڑا تھا۔ چونکہ یہ نامانوس صدائیں تھیں۔ ان باتوں پر مذہبی گروہ میں جو زیادہ تر عرب سے تعلق رکھتا تھا سخت برہمی پیدا ہو گئی اور محدثین و فقہاء نہایت سختی سے بدعتیوں کے مقابلہ کو اٹھے۔ اس مقابلہ کی بنا پر ان بزرگوں کو خود بھی ان مسائل میں نفی یا اثبات کا پہلو اختیار کرنا پڑا۔ لیکن جوش مخالفت نے اکثر ان کو اعتدال کی حد پر نہ پہنچے

اعمال جزو ایمان
نہیں ہیں

دیا۔ مسٹر کہ مذہب تھا کہ قرآن مجید۔ حلا کا ایک جدید کلام ہے جو رسول اللہ کی نبوت
 کے ساتھ وجود میں آیا۔ لوگوں نے اسکی نہایت تک مخالفت کی کہ بعض محدثین نے تلفظ قرآن
 کو بھی قدیم نہرایا۔ امام ذہبی جو امام بخاری کے اساتذہ ہیں سے تھے۔ اور صحیح بخاری میں اسکی
 سند سے اکثر روایتیں ہیں۔ اسی بات پر امام بخاری سے ایسے ناراض ہوئے کہ ان کو حلقہ دہل
 سے نکلوا دیا اور عام حکم دیدیا کہ جو شخص بخاری کے پاس آمد و رفت رکھے وہ پھر اسے حلقہ میں
 نہ آنے پائے امام بخاری خود قرآن کے قدم کے قابل تھے۔ لیکن قرمت قرآن کو حادث کہنے
 تھے ذہبی کو اصرار تھا کہ یہ بھی قدیم ہیں۔

اور مسائل میں بھی اس قسم کی بے اعتدالیان ہوئیں جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں امام
 ابو حنیفہ نے ان تمام بحثوں میں وہی پہلا اختیار کیا جو مغربین تھا اور جو عقل کے ساتھ
 نقل کے بھی مطابق تھا۔ انہیں مسائل میں ایمان و عمل کا مسئلہ بھی تھا۔ مرجع کا مذہب ہے
 کہ دایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں اور ایمان اور تصدیق کامل ہونا عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر
 نہیں کرتا۔ ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہیں ادا کرتا۔ تو وہ
 سواخذہ سے بری ہے۔ اس رائے کا پہلا حصہ کہ صحیح تھا۔ مگر محدثین نے کچھ تفریق نہ کی اور کہہ
 اس مذہب کے مخالف ہو گئے۔ چونکہ قرآن کی بعض آیتیں بھی بظاہر اس کے موید تھیں ان کی رائے
 کہ اور بھی قوت و شدت ہو گئی۔ یہ ایک اجتہاد رائے تھا اور یہیں تک ہوتا تو چند ان مضائقہ نہ تھا
 لیکن افسوس یہ کہ ان بزرگوں نے نہایت تک شدت کی کہ جو شخص انکی رائے کے ساتھ متفق نہ ہو
 تھا اسکو ناسبق یا کافر سمجھتے تھے۔ قاضی ابو یوسف ایک بار شہر یک کی عدالت میں گواہ ہو کر گئے تو اسکو
 نے کہا وہ میں اس شخص کی شہادت نہیں قبول کرتا جبکہ یہ قول ہو کہ نماز جزو ایمان نہیں۔

لہ ان واقعات کو حافظین محمد نے فتح الباری میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ۱۲

ایمان اور عمل
جو لوگ ان چیزوں
پہن

جو لوگ مرتضیٰ
کہلائے

امام ابو حنیفہ کو اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ یہ مسئلہ فلاں شخص یا فلاں فرقہ کلمہ و دھم مسل
حقیقت کو دیکھتے تھے اور منہ سرخ کو پہنتے تھے۔ جب یہ بحث ان کے سامنے پیش کی گئی تو انھوں نے
نے علانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو جدا گانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے اس پر بہت سے
لوگوں نے انہیں بھی مرجعہ کہا۔ لیکن وہ ایسا مرجعہ ہونا خود پسند کرتے تھے محدثین اور فقہار میں
سے جو لوگ امام صاحب کے ہم زبان تھے انکو بھی یہی خطاب عنایت ہوا محدث ابن قتیبہ نے اپنی
مشہور اور مستند کتاب لمعارف میں مرجعہ کے عنوان سے بہت سے فقہاء اور محدثین کے نام
لکھائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں ابراہیم ثمالی - عمرو بن مرقہ - طلق الجعفی - حماد بن سلیمان - عبد العزیز
بن ابی داؤد - خارج بن مصعب - عمرو بن قیس الاصر - ابو سعید انصاری - یحییٰ بن زکریا - مسعر بن
کدام - حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں - اور صحیح بخاری و مسلم میں ان
لوگوں کی سیکڑوں روایتیں موجود ہیں - ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ بین جو اسپر غش ہیں کہ
امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجعہ کہا ہے ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید انکو مذمت
ہوتی - محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں - مسعر بن کدام کے مذکورہ میں لکھا ہے کہ ارجا
مرجعہ ہونا بہت سے علمائے کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب کے فائل پر مرواخذہ نہ کرنا چاہی
یہ اسی ارجا کی طرف اشارہ ہے جو امام ابو حنیفہ کا مذہب تھا -

یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر حیدان ہتم بالشان نہ تھا - لیکن اسکے تعلق بہت بڑا اثر رکھتے تھے
اسی لحاظ سے امام صاحب نے نہایت آزادی سے اسکا اظہار کیا - عمل کو جزو ایمان قرار دینا - اس بات
کو مستلزم ہے کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو وہ مومن بھی نہ ہو جیسا کہ خارجیوں کا مذہب ہے جو
ترک کبار کو کافر سمجھتے ہیں - اگرچہ اکثر محدثین ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا
دیکھتے تھے کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے - حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی ہے جس انکار نہیں ہو سکتا

امام رازی نے جو امام شافعی کے بہت بڑے حامی ہیں۔ کتاب مناقب شافعی میں لکھا ہے کہ لوگوں نے امام شافعی پر اعتراض کیا ہے کہ وہ متناقض باتوں کے قائل ہیں کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مرکب چیز کا جب ایک جزو ہٹا تو مرکب بھی من حیث مرکب نہ رہا۔ اسی سے معتزلہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ عمل جزو ایمان ہے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں۔ لیکن امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ باقی اعمال۔ تو وہ ایمان کے ثمرات اور توابع ہیں۔ لیکن چونکہ توابع پر بھی کبھی کبھی مجازاً اصل شے کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے مجازاً اعمال پر بھی ایمان کا اطلاق ہوا اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت ہونے سے اصل شے فوت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ جواب توجیر القول بمالایرضی بہ قائل ہے اور خود امام رازی کو اس کا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ جواب کے بعد فرماتے ہیں کہ فیہ ترک اھذا المذھب یعنی اس جواب سے یہ نہ بہت باطل ہوا جاتا ہے۔ امام رازی گو شافعی المذھب در اپنے امام کے نہایت طرفدار ہیں۔ لیکن چونکہ صاحب نظر اور نکتہ شناس ہیں ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ یا عمل کو ایمان کے توابع سے شمار کرنا چاہیے۔ یا مان لینا چاہیے کہ جو شخص یا بند عمل نہیں۔ سو من ہی نہیں۔

اس بحث کے متعلق امام ابو حنیفہ کی ایک تحریر موجود ہے جس کی طرز استدلال بہت باطلان سے امام صاحب کی وقت نظر کا اندازہ ہو سکتا ہے اور اہل مسئلہ کی جمیعت کھلتی ہے اس موقع پر ہم اسکا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ یہ تحریر عثمان بنی کے ایک خط کا جواب ہے جو انھوں نے امام صاحب کو لکھا تھا۔ عثمان اس زمانہ کے پاک مشہور محدث تھے عام لوگوں میں جب امام ابو حنیفہ کے ان خیالات کے چرچے ہوئے تو انھوں نے امام صاحب کا ایک

دوستانہ خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ وہ لوگ آپ کو مرجیہ کہتے ہیں اور یہاں کہتے ہیں کہ آپ نبی
کا خلیفہ و کمرہ ہونا جائز قرار دیتے ہیں۔ بھکوان باتوں کے سننے سے نہایت رنج ہوتا ہے۔ کیا
یہ باتیں صحیح ہیں۔ اس خط کے جواب میں امام صاحب نے ایک طولانی خط لکھا ہے جس کے تقریباً
اکھن کہیں سے ہم انتہا کرتے ہیں۔ حمد و نعت کے بعد عثمان بنی کے دوستانہ نصیحت اور
خیر خواہی کا شکریہ ادا کر کے اصل مضمون اس طرح شروع کیا ہے ”میں آپ کو بتاتا ہوں کہ رسول
کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے رسول اللہ جب مبعوث ہوئے تو لوگوں کو
اس بات کی طرف دعوت کی کہ خدا کو ایک مانیں اور رسول اللہ جو کچھ لائے اُسکو تسلیم کریں پس
جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا اور مشرک چھوڑ دیتا تھا اُسکی جان اور مال حرام ہو جاتا تھا
پھر خاص اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے تھے فرائض کے احکام آئے پس اُس کا پابند ہونا عمل
نہا اور خدا نے اُن کی طرف اشارہ کیا ہے۔ الذین امنوا و عملوا الصالحات و من یومن باللہ و یعمل
صالحا۔ اس قسم کی اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے نہ ہونے سے ایمان جاتا نہیں
رہتا۔ البتہ اگر تصدیق و اعتقاد نہ ہو تو مومن کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ عمل و تصدیق کا جدا
چیز ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں۔ لیکن اعمال کے
لحاظ سے مراتب میں فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ دین و مذہب سب کا ایک ہی ہے خدا نے خود
کہا ہے ثم یرحمکم من الذین ما وصى بہم نوحاً و الذی اوحینا الیہا و ما وصى بہ ابرہیم
و موسیٰ و عیسیٰ ان اقموا الدین ولا تقربوا فیه۔ یعنی تمہارے لئے اسی دین۔ کو شروع
کیا جسکی وصیت نوح کو کی تھی۔ اور جو تجھ پر وحی پہنچی اور جسکی وصیت۔ ابراہیم و موسیٰ
و عیسیٰ کو کی۔ وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اور اُس میں متفرق نہ ہو۔
اُنکو جانتا چاہیے کہ تصدیق میں ہدایت اور اعمال میں ہدایت یہ دونوں دو چیزیں ہیں آپ

امام صاحب
کی تحریر

ایک شخص کو جو فرائض سے نادان تھا ہو مومن کہہ سکتے ہیں۔ پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے۔ خود خدا نے قرآن میں یہ اطلاق کیا ہے کہ میں نے تم کو جو خدا اور رسول خدا کے پیچھے آئے ہیں گمراہ ہو اس شخص کے برابر قرار دینگے جو مومن ہو لیکن اعمال سے نادان تھا ہو خدا نے جہان فرائض بتائے ہیں اس موقع پر اشارہ فرمایا ہے کہ میں اللہ لکھوں تفصلاً یعنی خدا نے اس لئے بیان کیا کہ تم گمراہ نہ ہو (دوسری آیت میں ہے ان تفضل احدہما فتا کو احدہما الاخری) یعنی ایک گمراہ ہو تو دوسرا سزاوارہ۔ حضرت موسیٰ کی زبان سے فرمایا فعلمنا اننا من الضالین (یعنی جب میں نے وہ کام کیا تب میں گمراہ تھا) ان آیتوں کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جو اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے دلائل قاطعہ ہیں اور حدیثیں تو اور بھی واضح اور صاف ہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو کیا اسکے یہ معنی تھے کہ وہ صرف ان لوگوں کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے حضرت علیؓ نے شام والوں کو جو ان سے لڑتے تھے مومن کہا کیا قتل سے بڑھ کر کوئی گناہ ہے۔ پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے۔ کیا آپ قاتلین اور مقتولین۔ دونوں کو برسرِ حق قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ صرف ایک کو یعنی حضرت علیؓ اور حضرت علیؓ برسرِ حق تسلیم کرینگے تو دوسرے فریق کو کیا کہیں گے۔ سب کو خوب سمجھ لیجئے اور خود اپنے میرا یہ قول ہو کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن و رضی ہے۔ جو ایمان اور اعمال دونوں کا ترک کرے وہ کافر اور دوزخی ہے۔ جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جائیں وہ مسلمان ضرور ہے۔ لیکن گنہگار مسلمان ہے۔ خدا کو اختیار ہو اس پر عذاب کرے یا معاف کرے۔ امام صاحب نے جس خوبی سے اس دعویٰ کو ثابت کیا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس سے

بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ قرآن فی ایمان کے بارے میں امتیاز کی اس سے عمدہ ترکیب دلیل ہوگی۔ کہ آغاز اسلام میں ایمان کی دعوت ہوتی تھی اور قرآن فی کمال وجود نہ تھا۔ امام صاحب نے قرآن کی جو آیتیں ہند لال میں پیش کی ہیں۔ ان سے بڑا ہند ثابت ہوتا ہے کہ دونوں چیزیں ہیں۔ کیونکہ ان تمام آیتوں میں عمل کو ایمان پر معطوف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو عمل پر معطوف نہیں ہو سکتا۔ من یؤمن باللہ فیعمل صالحا میں حرف تنقیب آیا ہے۔ جس سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ان دلائل قاطعہ کے مقابلہ میں دوسری طرف بعض آیتیں اور حدیثیں ہیں لیکن ان میں سے کوئی اثبات مدعا کے لئے کافی نہیں۔ بڑا استدلال اس حدیث پر ہے کہ ”مومن ہو کر زنا اور چوری نہیں کرتا“ حالانکہ یہ کلام کے زور دینے کا ایک پیرا ہے ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ بہلا آدمی ہو کر تو ایسا کام نہیں کر سکتا۔ جس کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ کام شان شرافت کے خلاف ہے بے شہہ زنا اور سر قہ بھی ایمان کی شان کے خلاف ہیں۔ اور حدیث کا مقصد اسی قدر ہے۔ ورنہ ابو ذر کی حدیث میں صراحت یہ الفاظ موجود ہیں کہ ”جو شخص کا اللہ کا قائل ہے وہ جنت میں جائے گا۔ گورانی اور چور ہو“

ایمان کم اور زیادہ
نہیں ہوتا

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایمان کا یزید کلا ینقص یعنی ایمان کم و بیش نہیں ہو سکتا۔ یہ امام صاحب کا قول ہے لیکن ہر ایک تعبیر میں لوگوں نے غلطی کی ہے۔ نہ صرف محدثین و شافعیہ نے بلکہ خود احناف نے بھی۔ ایمان کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہو سکتی ہے۔ ایک اس اعتبار سے کہ وہ مقولہ کیف سے ہے جس میں شدت و ضعف ممکن ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایمان یقین کا نام ہے۔ اور یقین کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا کہ اے خدا تو مردوں کو کیونکر جلاتا ہے تو ارشاد ہوا کہ اولہ تو من یعنی کیا اب تک تم کو یقین نہیں آیا۔ عرض کی کہ یقین ضرور ہے لیکن

لیطمن قلبی یعنی اور زیادہ اطمینان خاطر چاہتا ہوں یا خدا نے متعدد آیتوں میں صاف تصریح کر دی ہے کہ ایمان میں ترقی ہوتی ہے نہ کہ قہر ایسا نا اِس مسئلہ میں نص صریح ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کو بلحاظ اِس معنی کے نہ انکار ہے نہ یہ امر اس وقت زیر بحث تھا۔ امام صاحب کے دعویٰ کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔ جن لوگوں نے غل کو جزو ایمان قرار دیا۔ انکا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ و کم ہوتا ہے۔ جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے۔ وہ زیادہ مومن ہے جو گنہگار ہے وہ کم مومن ہے۔ محدثین صراحتاً اِس کے دعویٰ میں اور اسپر دلیلین لاتے ہیں۔ علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔ فاعلموا ان الايمان يزيد بالطاعات وينقص بالمعصية یعنی دو ایمان۔ ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور گناہ کرنے سے گھٹ جاتا ہے اور محدثین نے بھی جا بجا اسکی تصریح کی ہے۔ امام ابو حنیفہ۔ اِس اعتبار سے۔ ایمان کی زیادت نقصان کے منکر تھے۔ اس کے نزدیک جب اعمال جزو ایمان نہیں۔ تو اعمال کی کمی بیشی سے۔ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بالکل صحیح ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ابو بکر کو تم لوگوں پر جو ترجیح ہے وہ کثرت صوم و صلوة کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اُس چیز کی وجہ سے ہے جو اس کے دل میں ہے۔ غرض امام صاحب کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت و ضعف کے زیادہ و کم نہیں ہو سکتا بلکہ انکا یہ دعویٰ ہے کہ ایمان مقدار کے اعتبار سے کم و بیش نہیں ہوتا۔ دعویٰ اس بات کی فرع ہے کہ اعمال جزو ایمان نہیں۔ اور اسکو ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں۔ امام صاحب۔ اس بات کے بھی قائل تھے کہ متعلق ایمان میں کچھ تفاوت نہیں ہے۔ یعنی معتقدان کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں۔ ایمان کے لئے جن مسائل پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ سب کے لئے یکساں ہیں صواب اور عام مسلمان اِس لحاظ سے برابر ہیں کہ دونوں ایکساں ہی چیز یعنی توحید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ فرق ہے تو اعتقاد کی شدت و ضعف میں ہے۔

متعلق ایمان
میں سب برابر
ہیں

چیز لینے تو حید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ فرق ہے تو اعتقاد کی شدت و ضعف میں ہے ہی مطلب کو امام صاحب نے۔ عثمان بن عفان کے جواب میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ دین اہل سما والک دین واحد یعنی آسمان اور زمین والوں کا ایک ہی دین ہے۔ پھر اس دعویٰ پر آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے شرح لکھن الدین ماہ صیبا ہر نو حاشیے میں تمہارے لئے وہی دین مشروع کیا جسکی وصیت نوح کو کی تھی یا نوحا لیفین نے بڑے زور شور سے امام صاحب پر یہ الزام لگایا ہے۔ کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ میرا ایمان اور ابو بکر صدیق کا ایمان برابر ہے، اگرچہ امام صاحب کی طرف اس قول کی اسناد ثابت نہیں لیکن اگر ثابت ہو تو کیا نقصان ہے۔ جس اعتبار سے وہ مساوات کے مدعی ہیں اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ تعجب اور سخت تعجب یہی کہ ایسا صاف مسئلہ معترضوں کی سمجھ میں نہ آیا خطیب بغدادی نے صفحہ کے صفحہ سیاہ کر دیئے اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کا دعویٰ کیا ہے۔ انکو یہ الفاظ نہایت گران گزرتے ہیں۔ کہ دو ہمارا اور صحابہ کا ایمان برابر ہے، وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بہت سی چیزوں میں ہم اور صحابہ برابر ہیں۔ تاہم ہم میں اور صحابہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اگرچہ اس قسم کے تمام مسائل میں امام صاحب اپنی خاص طریق رکتے تھے لیکن وہ مخالفین راہوں پر کفر و فسق کا الزام نہیں لگاتے تھے۔ یہ فیاض دلی امام صاحب کا خاصہ ہے اور قرن اول کے بعد سلام میں اس کی بہت کم نظیریں ملتی ہیں۔ اسلام کو کسی چیز نے ان شواہد سے زیادہ نقصان نہیں پہنچایا جو اختلاف آرا کی بنا پر قائم ہو گئی۔ ان اختلافات کی بنیاد اگرچہ خود صحابہ کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی۔ عہد امیرین عباس اور بہت سے صحابہ کا اعتقاد تھا کہ رسول اللہ نے معراج میں خدا کو آنکھوں سے دیکھا حضرت عائشہ نہایت اصرار سے اس کی مخالفت تھیں۔ امیر معاویہ کو معراج جسمانی سے انکار تھا۔ حضرت عائشہ سلع عمو

کی قائل نہ تھیں لیکن اُس زمانہ تک ان اختلافات پر ہدایت و گمراہی کا مدار نہ تھا۔ جو لوگ مختلف رائے رکھتے تھے ان میں کبھی کسی نے کسی کی تکفیر یا تفسیق نہیں کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک شخص نے پوچھا کہ کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن کی غلط تاویل کرتے ہیں اور ہیکو کا فرقرار دیتے ہیں۔ وہ خود کافر ہیں یا نہیں؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ سوقت تک کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا جب تک خدا کو دوزخ کے ہاتھ بڑے بعد یہ اختلاف زور پکڑتے گئے اور رفتہ رفتہ مستقل فرقے قائم ہو گئے۔ اعتقادی اور فقہی مسائل اکثر ایسے ہیں جن میں نص قاطع موجود نہیں۔ اور ہیں تو متعارض ہیں اسلئے استنباط اور رفع تعارض کی ضرورت نے اجتہاد کو بہت وسعت دی۔ اور سیکڑوں رائے قائم ہو گئیں بے شبہ انہیں بہت سی رائے صحیح نہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ سب کفر ہوں۔

افسوس ہے کہ سرگرم طبیعتیں جو مذہبی جوش اور تقدس کے نشہ میں سرشار تھیں۔ اختلاف رائے کے صدمہ کی تاب نہ لا سکیں۔ اور نہایت بے صبری سے مخالفت پر آمادہ ہو گئیں بات بات پر کفر کے فتوے ہونے لگے جو لوگ جس قدر زیادہ مذہبی حرارت رکھتے تھے۔ اسی قدر کفر کے اطلاقی میں کم احتیاط کرتے تھے رفتہ رفتہ یہاں تک فوج پہنچی کہ ہر فرقہ نے دوسرے کی ضلالت و گمراہی ثابت کرنے کے لئے موضوع ردایتوں سے اعانت لی۔ اور اس قسم کی حدیثیں ایجاد ہونے لگیں کہ میری امت میں ۳۷ فرقے پیدا ہونگے جنہیں صرف ایک جنتی ہوگا باقی سب دوزخی۔ اس فرضی تعداد کو پورا کرنا بھی ضرور تھا۔ اس لئے کھینچ تان کر ۲۷ فرقے قرار دیے ہیں۔ اور سب کے الگ الگ نام رکھے۔ اسپر بھی تسکین نہ ہوئی تو ہر فرقہ کے لئے جدا جدا روایتیں گھڑیں مثلاً القدسیہ مجوس ہذا کا مہ وغیرہ وغیرہ

ان تعصبات اور جھگڑوں نے جماعت اسلامی کے تمام اجزاء پر گندہ کر دیئے۔ اور مذہبِ اخلاق حکومتِ رتھن۔ معاشرت۔ سب کا نقشہ بگڑ گیا۔ اس عالمگیر آشوب میں صرف ایک امام ابو حنیفہ تھے جنکی صداب سے الگ تھی۔ اور جو بکار کرکتے تھے لا تکفیر اسلحا امن اہل القبلة یعنی اہل قبلہ میں سے ہم کسی کو کافر نہیں سمجھتے۔ اسوقت تو اس صدائے چندان توجہ نہیں ہوئی۔ لیکن زمانہ جس قدر ترقی کرتا گیا اس جملہ کی قدر بڑھتی گئی یہاں تک کہ وہ علمِ کلام کا ایک بنیادی اصول بن گیا۔ اگرچہ افسوس ہے کہ اس پر عمل کم کیا گیا اور تکفیر کے غلطے اب بھی پست نہ ہوئے۔ امام صاحب کی رائے نہایت غور و تحقیق و تجربہ کے بعد قائم ہوئی تھی۔ بڑے بڑے مشہور بانیانِ مذہب انہیں کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور امام صاحب کو ان سے ملنے کا موقع حاصل ہوا تھا۔ خارجیوں۔ کا صدر مقام بصرہ تھا جو امام صاحب کے شہر سے نہایت قریب تھا واصل بن عطاء و عمرو بن عبیدہ جو مذہبِ قمرال کے بانی اور مروج تھے بصرہ ہی کے رہنے والے اور امام صاحب کے ہم عصر تھے۔ جہم بن صفوان۔ جس کے نام سے فرقہ جہمیہ مشہور ہے اسی زمانہ میں تھا امام صاحب ان میں سے اکثروں سے ملے اور ان کے خیالات سے مطلع ہوئے تھے۔ ان فرقوں کی نسبت جو اقوال مشہور تھے کچھ تو سرے سے غلط اور افتراء تھے۔ بعض کی تعبیر غلط طور پر کی گئی تھی۔ بعض دراصل لغو و باطل تھے۔ لیکن کفر کی حد تک نہ پہنچتے تھے اس لئے امام ابو حنیفہ نے یہ عام حکم دیا کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں یہ وہ دیکھ رہے تھے کہ جن مسائل پر قیامتیں برپا ہیں جو کفر و اسلام کی معیار قرار دی گئی ہیں وہ صرف لفظی بحثیں اور فرضی اصطلاحیں ہیں سب سے بڑا مسئلہ قدیم قرآن کا تھا جسکو لوگوں نے قریباً گویہ توحید کے برابر قرار دیا تھا۔ بڑے بڑے علما کا قول ہے کہ وہ اسلام کو دو شخصوں نے نہایت نازک وقتوں میں محفوظ رکھا۔ حضرت ابو بکر صدیق۔ جنہوں نے رسول اللہ کی وفات کے بعد۔ مرتدین

امام صاحب
اہل قبلہ کی
تکفیر نہیں کرتے
تھے۔

اہل قبلہ سب
مومن ہیں

غرب کا استیصال کیا۔ اور امام احمد حنبل جو مامون الرشید کے زمانہ میں حدیث قرآن کے منکر رہے۔ بلکہ ایک اعتبار سے امام حنبل کو ترجیح ہے۔ کیونکہ صحابہ حضرت ابوبکر کے معاون اور انصار تھے۔ لیکن امام حنبل کا کوئی مددگار نہ تھا۔

رجال کی کتابوں میں جب کسی شخص کو ثقہ اور مستند ثابت کیا جاتا ہے تو سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ وہ حدیث قرآن کو کفر سمجھتا تھا۔ حالانکہ یہ صرف ایک نقلی بحث ہے جو لوگ قرآن کو حادث کہتے تھے ان کی غرض۔ ان الفاظ اور اصوات سے تھی۔ جس کا ظہور رسول اللہ کی زبان سے ہوا یا جیسر عام طور سے قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ جو قدیم مانتے تھے وہ کلام سے کلام نفسی کو مراد لیتے تھے جو خدا کی صفات میں سے ہے۔ امام ابو حنیفہ سے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں اور وہ ہی تفصیل کی بنا پر ہیں۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ قرآن حادث ہے یا قدیم۔ فرمایا کہ حادث۔ کیونکہ قرآن خدا نہیں اور جو خدا نہیں وہ حادث ہے۔

غرض اس قسم کے مسائل نفیاً یا اثباتاً۔ نصی نہیں ہیں اور اسوجہ سے وہ کفر و اسلام کے معیار نہیں ہو سکتے۔ امام ابو حنیفہ کی نکتہ شناسی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ آنحدون نے اسلام کے دائرہ کو گھمن قال لا اله الا الله دخل الجنة کی وسعت رکھتا تھا اصلی وسعت پر قائم رہا افسوس ہے کہ انکی اس رائے پر بہت کم لحاظ کیا گیا ورنہ امام غزالی۔ محی الدین عربی۔ حضرت غوث الاعظم۔ ابن تیمیہ۔ ابو طالب مکی۔ کو ہم فقہاء کی زبان سے کافر نہ سنتے۔

حدیث اور اصول حدیث

یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ علم حدیث میں کم مایہ تھے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ عام طور پر وہ محدث کے لقب سے مشہور نہیں بنے۔

لے کتاب لاوائیل ابو ہلال عسکری ۱۲۔

سلف بن سینکرون ایسے گزرے ہیں جو اجتہاد و روایت دونوں کے جامع تھے۔ لیکن شہرت اسی صفت کے ساتھ ہوئی جو انکا کمال غالب تھا۔ امام ابو حنیفہ کی توحیدیت میں کوئی تفسیف نہیں تعجب ہے کہ امام مالک و امام شافعی بھی اس تعب کے ساتھ مشہور نہ ہوئے نہ ان کی تفسیفوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا امام احمد بن حنبل۔ ان لوگوں کی نسبت علم حدیث میں زیادہ نام آوری ہے۔ انکی مسند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہیں مل سکتا۔ لیکن جس قدر حدیث و روایت میں انکا زیادہ اعتبار ہے اسی قدر استنباط اور اجتہاد میں انکی نام آوری کم ہے۔ علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے مجتہدین میں انکا شمار نہیں کیا۔ قاضی ابن عبدالبر نے کتاب الایمان فی التلک الفقہاء میں جو مجتہدین کے حالات میں ہے۔ امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی پر انکی امام رازی نے الشافعی میں لکھے ہیں کہ امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد پیدا نہیں ہوا۔ اگرچہ امام احمد حنبل کی نسبت گردہ کثیر علما کی ہی رہے تھی کہ وہ اجتہاد کمال کا منصب کہتے تھے تاہم انکے اجتہاد پر اتفاق عام نہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں۔ محدث۔ مواضع۔ قصص فضائل سیر۔ ہر ایک قسم کی روایتوں کا استقصا کرتا ہے۔ بخلاف اسکے مجتہد کو زیادہ تر صرف ان احادیث سے غرض ہوتی ہے جن سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ محدثین کی نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایہ ہوئے۔ موطا میں جو امام مالک کی تمام روایتوں کا مجموعہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہزار حدیثیں ہیں جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی شامل ہیں۔ امام شافعی نے امام احمد حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے کہ تم لوگ بنیست ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہو۔ قاضی یحییٰ بن اکریم جو ترمذی کے شیخ ہیں حضرت

مجتہد و محدث کی
حیثیتیں الگ الگ
ہیں

کہا کرتے تھے کہ اگر امام شافعی نے علم حدیث کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگوں کو سب سے بے نیاز کر دیا ہوتا۔ حافظ بن حجر نے توالی التامیس میں جو امام شافعی کے حالات میں ایک مختصر اور مفید رسالہ ہے، جان امام شافعی کے شیوخ حدیث سے بحث کی ہے خاتمہ پر لکھا ہے کہ "ولم یکن من الشیوخ کعادۃ اہل الحدیث لا قبالة علی الاستعجال بالفقہ، یعنی وہ بہت سے شیوخ سے نہیں ملے جیسا کہ اہل حدیث کی عادت ہے۔ کیونکہ انکو فقہ کا شغل بتایا تھا، حافظ بن حجر نے امام شافعی کی نسبت قلت شیوخ کا جو سبب بیان کیا۔ امام ابو حنیفہ کی قلت روایت کا بھی وہی سبب ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اس دائرہ کو زیادہ وسیع کیا۔ اور عموماً ان کی قلت روایت کے قائل ہوئے یہ خیال کچھ نیا نہیں ہے۔ اگلے زمانہ میں بھی بعض بعض لوگوں کی یہ رائے تھی اور وہی غلط فہمی آج تک چلی آتی ہے۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ امام ابو حنیفہ کے وہ واقعات جو منظر عام پر نمایاں ہیں ان سے ایک ظاہر بین شخص ایسی ہی رائے قائم کر سکتا ہے۔ حدیث میں انکی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ صحاح میں بجز ایک دور روایت کے انکا نام تک نہیں پایا جاتا۔

سب سے زیادہ یہ کہ انکی شہرت اہل الرائے کے لقب سے ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ حدیث سے انکو کم تعلق تھا۔

اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ متنازی قصص سیر وغیرہ میں انکی نظیر چند ان وسیع نہ تھی امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن احکام و عقائد کے متعلق امام ابو حنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا۔ صرف کم نظری اور ظاہر بینی کا نتیجہ ہے انکی تصنیف یا روایتوں کا مدون نہ ہونا۔ قلت نظر کی دلیل نہیں ہو سکتا حضرت ابو بکر

خلفائے اربعہ کی
قلت روایت

حدیث سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہ کے ساتھ جلوت و خلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں
ہوا تھا۔ رسول اللہ کے اقوال و افعال سے جس قدر وہ واقف تھے اور کون ہو سکتا تھا لیکن
حدیث کی تمام کتابوں میں انکی روایت سے جس قدر صحیح حدیثیں ہیں انکی تعداد سترہ سے زیادہ
نہیں ہے۔ کون شخص کہہ سکتا ہے کہ انکو صرف اسی قدر حدیثیں معلوم تھیں۔ حضرت ابو بکر کے
بعد عمر فاروق کا درجہ ہے۔ ان سے بھی صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بعض
کا کافی ثبوت نہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ اور جناب امیر کا بھی یہی حال ہے۔ بخلاف ان کے
حضرت ابو ہریرہؓ سے ۵۲۴۶۔ انسؓ سے ۲۲۸۶۔ عبد اللہ بن عباسؓ سے ۲۶۶۰۔ جابر
سے ۲۵۴۰۔ عبد اللہ بن عمرؓ سے جو رسول اللہ کے زمانہ میں نوجوان تھے ۲۶۴۰ حدیثیں
مروی ہیں۔ اگر روایتوں کا موجود ہونا ہی معیار ہے۔ تو خلفائے اربعہ کی نسبت تسلیم
کرنا پڑے گا کہ یا ان کا حافظہ ضعیف اور نہایت ضعیف تھا۔ یا دانستہ انکو رسول اللہ
کے اقوال و افعال کی طرف التفات اور توجہ نہ تھی۔ و حاشا ہمدردی عن ذلک
یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی۔ (روایک
روایتیں مستثنیٰ ہیں) لیکن اس الزام میں اور اتنے بھی آگے نہر کیا ہیں۔ امام شافعی
جنکو بڑے بڑے محدثین۔ مثلاً امام احمد عیسیٰ۔ اسحاق بن راہویہ۔ ابو ثور۔ حمیدی۔ ابو زر
الرازی۔ ابو حاتم نے حدیث و روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے۔ انکی سند سے صحیحین میں ایک بھی
روایت موجود نہیں۔ بلکہ بخاری و مسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی کی سند سے
سوائے سابقہ شافعی امام الرازی خلفائے اربعہ کی نسبت یہ تعداد میں نے امام شافعی کے قول کے موافق لکھی
ہے اور محدثین کے نزدیک اس سے زیادہ حدیثیں ان لوگوں سے مروی ہیں۔ تاہم اس قدر تعداد نہیں پہنچی
جسپر کثرت روایت کا اطلاق کیا جائے۔

بخاری و مسلم
نے امام شافعی
کے واسطے سے
کوئی حدیث درایت
نہیں کی

کوئی روایت نہیں کی۔ امام ازی نے بخاری و مسلم کی اس بے اعتنائی کی بہت سی تادیبیں کی ہیں۔ مگر کوئی معقول بات نہیں بتا سکے چھین۔ پر سوتوف ہیں ترمذی ابو داؤد وابن ماجہ نسائی۔ میں بھی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جنکے سلسلہ رواۃ میں امام شافعی کا نام آیا ہو حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اعتماد اور اسناد کا جو معیار قرار دیا تھا اس میں اہل نظر۔ بلکہ اکثر لوگوں کے لئے کم گنجائش تھی۔ علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے۔ کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جس کا یہ قول نہ تھا کہ الا یمان قول وعمل اگر یہ صحیح ہے تو امام ابو حنیفہ کو انکے دربار میں پہنچنے کی کیونکر امید ہو سکتی تھی۔

جو شخص عمل کو ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں سمجھتا تو امام بخاری اس کی روایت نہیں کرتے تھے

امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام شافعی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جس بے پروائی سے کیا ہے اسکے لحاظ سے امام رازی نے یہی غیبت سمجھا کہ تضعیف نہیں کی۔ چنانچہ امام شافعی کے فضائل میں فرماتے ہیں۔ واما الامام محمد بن اسمعیل البخاری فقد ذكر الشافعي في تاريخه الكبير فقال في باب محمد بن ادريس بن عبد الله هه الشافعي القرشي صات سنه اربع مائتين ثمانه مائة ذكره في باب الضعفاء مع عمله بانہ كان قد روى شيئاً كثيراً من الحديث ولو كان من الضعفاء في هذه الباب الذکر یعنی امام بخاری نے شافعی کا ذکر تاریخ کبیر میں کیا ہے چنانچہ فلاں باب میں لکھا ہے کہ محمد بن ادیس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی نے سنہ ۲۴۰ میں وفات پائی۔ لیکن انکو ضعفار کے باب میں ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ امام بخاری جانتے تھے کہ شافعی نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور اگر وہ اس باب میں ضعیف ہوتے تو امام بخاری ضرور انکو ضعیف لکھتے۔

امام اوزاعی۔ جو محدث اور مجتہد مستقل تھے اور بلاد شام میں انکا وہی اعزاز و اعتبار ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے ۱۲۔

تھا۔ جو عرب و عراق میں۔ امام مالک۔ و شافعی کا انکی نسبت کسی نے امام احمد حنبل سے رائے پوچھی۔ فرمایا کہ ”حدیث ضعیف درائے ضعیف“

لطف یہ ہے کہ مجتہدین۔ جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں وہ وقت نظر۔ قوت استنباط۔ استخراج مسائل۔ تفریع احکام ہے۔ لیکن محدثین نے ایک گروہ کے نزدیک یہی باقی عجیب نقص میں داخل ہیں علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری۔ قاضی ابو یوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ محدثین سے ایک گروہ نے انکی روایت سے اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ آپ رائے غالب تھی اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے۔ ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے۔ اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہ امام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف سے زیادہ مجرم ہیں۔

البتہ یہ بات غور کے قابل ہے کہ امام ابو حنیفہ۔ اور انکے اتباع کو کیوں اہل الرائے کہا جاتا تھا اس باب میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے شہرت عام کے مقابلہ میں تحقیق کی پروا نہ کی۔

اہل الرائے کی
تحقیق ربیعۃ
الرئسے

اس بحث کے تصفیہ کے لیے سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیے کہ یہ لقب کہاں کی یاد ہوا اور کن لوگوں پر اطلاق کیا گیا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے اس لقب کے ساتھ اول جسکو یہ امتیاز حاصل ہے وہ ربیعۃ الرئس ہیں جو امام مالک کے استاد اور شیخ الحدیث تھے۔ رائے کا لفظ انکے نام کا جزو بن گیا ہے اور تاریخ و اسامہ الرجال میں ہمیشہ انکا نام ربیعۃ الرئس لکھا جاتا ہے یہ مشہور محدث اور فقیہ تھے۔ اور بہت سے صحابہ سے ملے تھے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں انکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے ”تمام اصحاب کتب (یعنی صحاح ستہ) نے ان سے احتجاج کیا ہے

لے مناقب شافعی امام الرازی۔ باب رابع ۱۲ ملہ تاریخ ابن خلکان ترجمہ قاضی ابو یوسف ۱۲

عبدالغفر جاشون کا قول ہے کہ واللہ میں نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہیں
 اسی زمانہ میں اور اسکے بعد اور لوگ بھی اس لقب سے پکارے گئے محدث بن قتیبہ نے
 کتاب معارف میں اہل الرائے کی سرخی سے ایک باب باندھا ہے۔ اور عنوان کے نیچے یہ نام
 لکھے ہیں۔ ابن ابی لیلی۔ ابو حنیفہ۔ ربیعہ الرائے۔ زفر۔ اوزاعی۔ سفیان ثوری۔ مالک بن
 انس۔ ابو یوسف قاضی۔ محمد بن حنفیہ۔ ابن قتیبہ نے سفیان و خات پائی۔ اس کتابت ہوتا
 ہے کہ کم از کم تیسری صدی تک مذکورہ بالا لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے اگرچہ
 یہ سب لوگ درحقیقت (زفر کے سوا) محدث ہیں۔ لیکن امام مالک۔ سفیان ثوری۔ امام
 اوزاعی کی شہرت تو محتاج بیان نہیں۔

جو لوگ اہل الرائے
 کے لقب سے مشہور تھے

اصل یہ ہے کہ جو لوگ علم حدیث کی درس تدریس میں مشغول تھے ان میں دو فرقے قائم ہو گئے
 تھے۔ ایک وہ جن کا کام صرف حدیثوں اور روایتوں کا جمع کرنا تھا۔ وہ حدیث سے صرف
 من حیث الروایۃ بحث کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انکو نسخ و منسوخ سے بھی کچھ سرکار
 نہ تھا۔ دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا
 اور اگر کوئی نص صریح نہیں ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا۔ اگرچہ یہ دونوں حیثیتیں دونوں
 فرقہ میں کسی قدر مشترک تھیں۔ لیکن وصف غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے
 ممتاز تھا۔ پہلا فرقہ اہل الروایۃ۔ اور اہل الحدیث۔ اور دوسرا فرقہ۔ مجتہد اور اہل الرائے کے
 نام سے پکارا جاتا تھا۔ امام مالک۔ سفیان ثوری۔ اوزاعی۔ اس لئے اہل الرائے کہلائے کہ
 وہ محدث ہونے کے ساتھ محمد مستقل اور بانی مذہب تھے۔ لیکن چونکہ ان لوگوں میں بھی
 معلومات حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے اختلاف مراتب تھا۔ اس لئے اضافی
 طور پر کبھی کبھی اس فرقہ میں سے ایک کو اہل الرائے اور دوسرے کو اہل الحدیث کہتے تھے

محدثین میں
 دو گروہ تھے

مثلاً امام الکاسکی بر نسبت امام ابو حنیفہ پر مجتہد اہل الرائے کا لقب زیادہ موزون تھا۔
 امام احمد حنبل سے ایک بار نصرت بھی نے پوچھا کہ ”آپ لوگوں کو ابو حنیفہ پر کیا اعتراض ہے“
 انھوں نے جواب دیا کہ ”رائے“ انصر نے کہا کہ کیا امام مالک رائے پر نہیں عمل کرتے۔ امام احمد
 حنبل بولے کہ ہاں۔ لیکن ابو حنیفہ۔ رائے کو زیادہ دخل دیتے ہیں۔ نصرت نے کہا تو حصہ رسد
 موافق دونوں پر الزام ناچاہیے نہ صرف ایک پر امام احمد حنبل کچھ جواب دیکے اور چپ ہو گئے۔
 امام ابو حنیفہ سے پہلے فقہ کوئی مستقل اور مرتب فن نہ تھا۔ امام صاحب نے جب اس کی تدوین
 کی طرف توجہ کی تو ہزار دن سنے ایسے پیش آئے جن میں کوئی حدیث صحیح۔ بلکہ صحابہ کا قول بھی موجود
 نہ تھا۔ اس لئے انکو قیاس کے کام لینا پڑا۔ قیاس پر گو پہلے بھی عمل تھا غرض صاحب قیاس کرتے
 تھے اور اسکے مطابق فتوے دینے تھے (اس کا مفصل بیان آگے آئیگا) لیکن اسوقت تک
 تمدن کو چندان وسعت حاصل نہ تھی۔ اس لئے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے نہ چندان
 قیاس کی ضرورت پڑتی تھی۔ امام صاحب نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا تو قیاس کی کثرت
 استعمال کے ساتھ اسکے اصول و قواعد بھی مرتب کرنے پڑے۔ اس بات نے انکو رائے اور
 قیاس کے اتساع سے زیادہ شہرت دی۔ چنانچہ تاریخوں میں جہاں انکا نام لکھا جاتا ہے وہ
 اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

امام صاحب
 اہل الرائے کے
 فقہ کے شہرہ و رجحان
 کی وجہ

آپ کا رجحان

اس شہرت کی ایک اور وجہ ہوئی۔ عام محدثین۔ حدیث و روایت میں ورائے سے اسکا
 کام نہیں لیتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے اسکی ابتداء کی اور اسکے اصول و قواعد منصبط کے تحت
 نے بہت سی حدیثیں اس بنا پر قبول نہ کیں کہ اصول و روایت کی موافقت نہ تھی۔ انھیں اسکا
 لقب کو زیادہ شہرت ہوئی۔ کیونکہ روایت۔ اور رائے مترادف سے الفاظ عربی اور کم تر کم

یہ کہ عام لوگ ان دونوں میں فرق کر سکتے تھے۔

ان عارضی بحثوں کے بعد ہم اصل مسئلہ پر متوجہ ہوتے ہیں۔ یعنی یہ کہ امام ابو حنیفہ کون ہیں
 میں کیا رتبہ پھیل تھا۔ اس بحث کے فیصلہ کے لئے انکی علمی زندگی کے ان واقعات پر نظر ڈالنی چاہئے
 جو نہایت صحیح اور مستند روایتوں سے ثابت ہیں اس کتاب کے پہلے حصہ میں ہم امام ابو حنیفہ
 تحصیل حدیث کے حالات۔ ان کتابوں کی سند سے لکھ آئے ہیں۔ جنہیں فریق رجال کا دار و مدار
 ہے۔ اب غور کرو کہ جس شخص نے میں برس کی عمر سے جو فہم کی درستی اور پختگی کا زمانہ سب علم
 پر توجہ کی ہو۔ اور ایک مدت تک اس شغل میں مصروف رہا ہو جسے کوفہ کے مشہور شیوخ
 سے حدیثیں سیکھی ہوں۔ جو حرم محرم کی درسگاہوں میں بیٹوں تحصیل حدیث کرتا رہا ہو جبکہ
 مدینہ منورہ کے شیوخ نے سند فضیلت دی ہو۔ جسکے اساتذہ حدیث عطا بہن ابی رباح۔ مالک
 بن عمر۔ عمر بن دینار۔ محارب بن دثار۔ اعشش کوفی۔ امام باقر۔ علقمہ بن مرثد۔ کھول شامی۔ امام
 اوزاعی۔ محمد بن مسلم الزہری۔ ابوالحسن اسمعیلی۔ سلیمان بن یسار۔ عبدالرحمن بن بسر۔ شریک الاسمرانی
 منصور المصنف۔ ہشام بن عروہ۔ وغیرہ ہوں۔ جو فن روایت کے ارکان ہیں اور جنکی روایتوں
 بخاری و مسلم بالا مال ہیں۔ وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا؟
 اسکے ساتھ امام صاحب کے شاگردوں پر غماخ کرو۔ یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل
 کے امام ہیں۔ عبدالرزاق بن ہمام جسکے جامع کبیر سے۔ امام بخاری سے فائدہ اٹھایا ہے۔ یزید بن
 ہرون۔ جو امام احمد حنبل کے استاد تھے۔ دیکھ بن ابی حراح۔ جنکی نسبت امام احمد حنبل کہا کرتے
 تھے کہ حفظ استاد۔ روایت میں میں نے الکاہل کسی کو نہیں دیکھا عبداللہ بن المبارک جو فن
 حدیث میں امیر المؤمنین تسلیم کیے گئے ہیں۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ۔ جنکو علی بن المہدی
 نے ان لوگوں کا تذکرہ اس کتاب کے خاتمہ میں کس قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

امام ابو حنیفہ
 کا محدث اور
 حافظ احمد
 ہوتا

اُستاد بخاری) انتہائے علم کہلاتے تھے۔ یہ لوگ برائے نام امام صاحب کے شاگرد نہ تھے بلکہ
 بیسویں آنکے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور اس انتساب پر انکو فخر و ناز تھا۔ عبد اللہ بن ربیع
 کہلاتے تھے کہ اگر خدا سے ابو حنیفہ و سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی
 ہوتا۔ وکیع - ادیریجی بن ابی زائدہ امام صاحب کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے تھے کہ صاحب
 ابی حنیفہ کہلاتے تھے کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود حدیث و روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے۔
 کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے؟

اجتہاد کے شروط
 اور امام صاحب کا
 مجتہد خلق ہونا

ان باتوں کے علاوہ امام ابو حنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسا مسلم مسئلہ ہے جس سے
 بارہ سو برس کی مدت میں شاید ایک آدمہ ہی شخص نے انکار کیا ہو۔ اجتہاد کی تعریف - علمائے
 حدیث - مثلاً - لغوی - راہی - علامہ نووی - وغیرہ نے ان لفظوں میں کی ہے "مجتہد وہ شخص
 جو قرآن - حدیث - مذاہب سلف - لغت - قیاس - ابن پنج چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو
 لیکن مسائل شرعیہ کے متعلق جتنے قرآن میں آیتیں ہیں جو حدیث میں رسول اللہ سے ثابت ہیں
 جس قدر علم لغت درکار ہے - سلف کے جواوہال ہیں - قیاس کے جو طریق ہیں قریب کل کے
 جانتا ہو۔ اگر ان میں سے کسی میں کمی ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے۔ اور اسکو تقلید کرنی چاہیے۔"

اسی بنا پر علامہ بن خلدون نے فضل علوم احادیث میں مجتہدین کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ
 بعض ناانصاف مخالفین کا قول ہے کہ ان مجتہدوں میں سے بعض - جن حدیث میں کم تا یہ تھے
 - اس لئے انکی روایتیں کم ہیں - لیکن یہ خیال غلط ہے - الخیر کبار کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جاسکتا
 کیونکہ شریعت - قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے - پس جو شخص حدیث میں کم مایہ ہے اسکو تلاش
 اور کوشش کرنی چاہئے تاکہ وہین کو اصول صحیح سے اخذ کر سکے۔ اس کے بعد علامہ موصوف

سے تہذیب الشریعہ ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲۷۷ھ عقدا بحیدر شاہ ولی اللہ صاحب بحث حقیقت اجتہاد ۱۲۷۷ھ

لکھتے ہیں کہ روئے حدیث میں امام ابو حنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکا
 مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور رد قبول اس سے بحث کیجاتی ہے۔ علامہ موصوف
 نے اسکا سبب بھی بتایا ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ کی روایتیں کم کیوں ہیں۔ ہم خود اسکو مفصل لکھیں گے
 محدثین میں بھی اکثروں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے جو زمانہ ابعد کے تمار
 محدثین کے پیشوا اور امام ہیں۔ حفاظ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے وہ دیا چرین
 لکھتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جنکے اجتہاد پر توشیح اور تصدیق
 صحیح و تزییف میں رجوع کیا جاتا ہے۔ علامہ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ
 رکھا ہے۔ اور کسی ایسے شخص کا حال نہیں لکھا جو علم حدیث کا بڑا ماہر نہ ہو۔ چنانچہ خارجہ میں
 ثابت۔ کا ضمتا ایک موقع پر ذکر آگیا ہے تو لکھتے ہیں کہ میں نے انکو حفاظ حدیث میں اس سے
 ذکر نہیں کیا کہ وہ قلیل الحدیث تھے۔ امام ابو حنیفہ کے محدث ہونیکا اس سے زیادہ کیا ہوتا
 دیکھا کہ علامہ ذہبی نے اس کتاب میں انکا ترجمہ لکھا ہے اور انکو حفاظ حدیث سے شمار کیا ہے۔
 حافظ ابوالمحاسن و متقی شافعی نے عنہ بیان میں ایک خاص باب باغض ہے جس کی
 الفاظ ہیں الباب الثالث والعشرون فی بیان کثرة حدیثہ و کونہ من اعیان الحفاظ
 الحدیثین۔ یعنی تیسواں باب اس بیان میں کہ وہ امام ابو حنیفہ کثیر الحدیث اور اعیان الحفاظ
 سے تھے۔ قاضی ابو یوسف صاحب جنکو یحییٰ بن معین۔ صاحب الحدیث کہتے تھے۔ اور
 علامہ ذہبی نے انکو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ ہم لوگ امام
 مذہب ہے کہ اس طرح کے ہونے ہوئے بعض کتناہ میں ان نے امام صاحب کی ناداقت حدیث پر ان
 خلدون کے ایک فہنی قول سے استدلال کیا ہے جسکو خود ابن خلدون نے ایسے لفظوں میں بیان کیا ہے جو ضعف اور
 وثوق پر دلالت کر رہے ہیں۔

محدث ذہبی
 امام ابو حنیفہ کو
 حفاظ حدیث
 میں محسوب کیا
 ۱۳

ابو حنیفہ سے مسائل میں بحث کرتے تھے۔ جب آپ کی رائے قائم ہو جاتی تھی تو بین حلقہ درس سے اڈھکھ کر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا تھا۔ اور اسے اس سلسلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کر کے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔

امام صاحب ان حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے تھے بعض کو فراموش تھے کہ صحیح نہیں۔ میں پوچھتا کہ آپ کو کونکر معلوم ہوا۔ فرماتے کہ کوفہ میں جو علم ہے میں اس کا عالم ہوں یہ تمام باتیں سہاوت کی شاہد ہیں کہ علم حدیث میں امام ابو حنیفہ کا کیا پایہ تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں نے امام ابو حنیفہ کو امام ابو حنیفہ نہیں بنایا۔ اگر وہ حافظ احادیث تھے تو اور لوگ بھی تھے اگر ان کے شیوخ حدیث کی سوتھے تو بعض ائمہ سلف کے شیوخ کی کسی ہزار تھے اگر انھوں نے کوفہ و حرمین کی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی تو اور وہ نے بھی یہ شرف حاصل کیا تھا۔ امام ابو حنیفہ کو جس بات نے تمام محضروں میں امتیاز دیا وہ اور چیز ہے جو ان سب باتوں سے بالاتر ہے۔ یعنی احادیث کی تنقید اور بطحا ثبوت احکام۔ ان کے مراتب کی تصریح امام ابو حنیفہ کے بعد علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی غیر مرتب اور پریشان حدیثیں یکجا کی گئیں صحاح کا التزام کیا گیا۔ اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہو گیا۔ جس کے متعلق سیکڑوں پیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں زمانہ اس قدر ترقی کر گیا ہے۔ یا ایک مینی اور وقت آفرینی کی کوئی حد نہیں رہی تجربہ اور وقت نے سیکڑوں نئے نئے ایجاد کئے۔ لیکن تنقید احادیث اصول و ہدایت امتیاز مرتب۔ میں امام ابو حنیفہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے اگے نہیں بڑھتا۔

اس اجمال کی تفصیل اس وقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ فن حدیث کی آغاز اور طرز ترقی کا اجمالی

نقشہ کھینچا جائے۔ جس سے ظاہر ہو کہ روایتوں کا سلسلہ کیونکر پیدا ہوا۔ اور کس کس پرین اس کی کیا کیا حالتیں بدلیں۔ اسی سے احادیث کا اندازہ ہو سکے گا کہ احادیث کی تنقید میں اجتہاد اور رائے کا کتنا کدور کام ہے اور امام ابو حنیفہ کو اس لحاظ سے اپنے تمام معنفون میں کیا خاص امتیاز حاصل ہے۔ اسناد و روایت کا سلسلہ اگرچہ رسول اللہ کے عہد مبارک ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ لیکن اس وقت تک جتنی تھانیاں سادہ اور قدرتی صورت میں تھیں۔ آغاز نبوت سے تیرہ برس کا زمانہ تو ایسا پر آشوب زمانہ تھا کہ صحابہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اسناد و روایت کا کہاں موقع تھا اسی ضرورت سے احکام و فرائض بھی کم تھے۔ یعنی نماز کے سوا اور کچھ فرض نہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس زحمت میں اور فرائض کی تکلیف مالا یطاق سے کم نہ تھی۔ نماز میں بھی مختصر تھیں۔ لینے ظہر۔ عصر۔ عشا۔ سب میں صرف دو رکعتیں فرض تھیں۔ جمعہ و عیدین سرے سے مامور نہ تھے۔ سہ ہجرتی میں یعنی نبوت سے تیرہویں برس روزے فرض ہوئے رکعتیں نسبت اختلاف ہے علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ سہ میں فرض ہوئی، حج کا حکم بھی اسی سنہ میں ہو۔ غرض آغاز نبوت سے ایک مدت تک نماز کے سوا نہ اور احکام صادر ہوئے تھے نہ ان کے متعلق حدیثیں اور روایتیں پیدا ہوئی تھیں۔ صحابہ۔ مسائل و احکام کے متعلق زیادہ پرسش نہیں کرتے تھے۔ خود قرآن میں حکم آچکا تھا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم منہم کہ عبد اللہ بن عباس فرمایا کہ تھے کہ میں نے رسول اللہ کے صحابہ سے کسی قوم کو بہتر نہیں دیکھا۔ تمام زمانہ نبوت میں صرف ۳۴ برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے جو سب قرآن میں مذکور ہیں اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال منقول ہیں۔

جو احکام اور واقعات پیش آتے تھے ان میں بھی روایت کا سلسلہ کم جاری ہوا تھا۔ صحابہ

سلسلہ حدیث
کی مختصر تاریخ

حضرت عمرؓ کی
روایت کو روکے ہوئے

خود رسول اللہ سے پوچھ لیا کرتے تھے اور واسطہ روایت کی کم ضرورت پڑتی تھی۔ حدیثوں کی
تکمیل نہ کرنے کی اجازت نہ تھی صحیح مسلم میں روایت ہے کہ کاتبینو! تم تمنا الہی القرآن میں
کتب عینی شیا غیر القرآن نہیں۔ رسول کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی خلافت شروع ہوئی ابتداء
یہی میں عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے فارغ ہو کر دوم دایران کی مہمیں شروع
ہو گئیں۔ اور انکی مختصر خلافت میں حدیثوں کی چند انشاعت نہ ہو سکی۔ حضرت عمرؓ نے سات
برس خلافت کی اور ایک مہینہ نہایت امن امان رہا۔ لیکن وہ دانتہ حدیثوں کی کثرت کر سکتے
تھے۔ علامہ ذہبی نے طبقات اصفیاء میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اس خوف سے کہ حدیث بیان
کرنے والا رسول اللہ کی طرف غلط روایت منسوب نہ کر دے۔ صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے
کہ حدیثیں کم بیان کیا کریں۔ ایک بار انصار کے ایک گروہ کو کو ذبیحہ چلتے وقت آئے فرمایا کہ
تم لوگ کو ذبیحہ جا رہے ہو۔ وہاں ایک قوم سے لوگ جو بڑی رقت سے قرآن تلاوت کرتے ہیں
وہ تمہاری آمد سن کر شتاق ہو گئے کہ رسول اللہ کے اصحاب آئے ہیں رسول اللہ کے اصحاب آئے
ہیں۔ لیکن جب وہ تمہارے پاس آئیں اور حدیثیں سنیں چاہیں تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا۔ یہی
طرح عراق کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے خود انکی مشایعت کی۔ اور آئے پوچھا کہ جاننے
ہو! میں کیوں تمہارے ساتھ آ رہا ہوں؟ لوگوں نے تکرارہ عیلنا۔ یعنی ہماری عزت افزائی
کے لئے؟ فرمایا کہ ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے۔ وہ یہ کہ جہاں جا رہے ہو وہاں لوگ اکثر
قرآن کی تلاوت کیا کرتے ہیں۔ ان کو حدیثوں میں نہ پہنچا لینا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا
چنانچہ جب یہ لوگ قرطہ پہنچے تو لوگ یہ سن کر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں زیارت کو آئے۔ اور
حدیثوں کی خواہش ظاہر کی۔ ان لوگوں نے اس ہمارا انکار کیا کہ وہ حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے

ملہ طبقات اصفیاء ترجمہ حضرت عمرؓ ۱۲ ملہ سند دارمی ۱۲ ملہ طبقات اصفیاء ترجمہ حضرت عمرؓ ۱۲

حضرت ابو ہریرہؓ سے ابو سلمہؓ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ بولے کہ وہ نہیں در نہ عمرؓ ورد کرتے۔

حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی مجموعی خلافت میں اکیس برس رہی۔ اس میں احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی۔ صحابہ دور دور پر پھیلے تھے۔ ضرورتیں ہتی جاتی تھیں۔ سنئے سنئے سکے پیش

آتے تھے۔ ان اسباب نے حدیث و روایت کے سلسلہ کو بہت وسعت دی حضرت عثمانؓ

کہ ان غیر زمانہ میں موت ہوئی۔ جس کا خاتمہ خلیفہ وقت کی شہادت پر ہوا۔ اور یہ پہلا موقع تھا

کہ جماعت اسلام میں فرقہ بندیان قائم ہوئیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت شروع ہی سے پر آشوب

رہی۔ ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی اور اگرچہ کثرت اور ہشاش

زیادہ تر زمانہ مابعد میں ہوا۔ لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سیکڑوں ہزار روئے

حدیثیں ایجاد کر لی تھیں۔ مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار بشیر عدویؓ حضرت عبداللہ

بن عباسؓ کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی۔ انھوں نے کچھ خیال نہ کیا بشیر نے

ابن عباسؓ! میں رسول اللہؐ سے روایت کر رہا ہوں اور تم متوجہ نہیں ہوتے۔ فرمایا کہ ایک

زمانہ میں ہمارا یہ حال تھا کہ کسی کو قال رسول اللہؐ کہتے سنتے تھے تو فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی

تھیں اور کان لگا کر سنتے تھے۔ لیکن جب لوگوں نے یناک و برین تیز نہیں رکھی ہم صرف ان

حدیثوں کو سنتے ہیں جنکو ہم خود بھی جانتے ہیں۔

زبانی روایت سے گزر کر تحریر و ن میں بھی جعل شروع ہو گیا تھا۔ مسلم نے روایت کی ہے

کہ ایک دفعہ عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ میں الفاظ

چھوڑ دیتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ واللہ علیؓ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا اسی طرح

حدیثوں کا وضع
کیا۔

ایک اور دفعہ عبدالشہر بن عباس نے حضرت علیؑ کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت شادی۔

وضع حدیث
اور روایت میں
بے احتیاطی کے
اسباب

لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرات اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اس وقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا۔ جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہہ دیتا تھا اور اثبات سند کے موافق سے بری رہتا تھا۔ ترمذی نے کتاب العلل میں امام بن سیرین سے روایت کی ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے۔ جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گچھ ہوئی تاکہ اہل سنت کی حدیثیں لیجائیں اور اہل بدعت کی ترک کیجائیں۔ لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی اسلئے یہ احتیاط چند ان مفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برپا ہو گیا بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی۔ صحابہ کی تعداد جس قدر کم ہوتی جاتی تھی۔ اسی قدر ان کی قدر اور ان کی طرف التفات بڑھتا جاتا تھا۔ تمدن میں بہت کچھ ترقی ہو گئی تھی۔ نئی نئی قومیں مسلمان ہوتی جاتی تھیں۔ ان نو مسلموں کو ادھر تو اسلام کا مینا بنایا جوش تھا۔ ادھر تو قوم قرآن کے مجمع میں عزت و اثر پیدا کرنے کی اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر نہ تھی۔ ان باتوں نے انکو معلومات مذہبی کا اس قدر سابق بنادیا تھا کہ خود عرب۔ انکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔ غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے اور سیکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہو گئیں۔

لیکن جس قدر شاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی۔ اعتماد اور صحت کا سمیار کم ہوتا جاتا تھا اور باب روایت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اس میں مختلف خیال مختلف عادات مختلف عقائد مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جا بجا پھیل گئے تھے۔ اور اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف تھے۔ سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گزر جانے پر بھی کتابت

کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا۔ ان اسباب سے روایتوں میں اس قدر بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات اور احادیث کا ایک دوسرے پر پائیاں تیار ہو گیا۔ یہاں تک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ حدیثیں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۲۹۷۷ حدیثیں ہیں اس میں بھی اگر مکررات نکال ڈال جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں۔ سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کر لیں۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فقرہ زنا و زانیہ نے وضع کر لیں۔ عبدالکریم وضع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اسکی موضوعات سے ہیں۔ بہت سے ثقافت اور پارہ سائے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں نے بہت ضرر پہنچایا کیونکہ ان واضعین کی متفقہ اور توسیع و نہر کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہو گئیں اور رواج پا گئیں۔

زنا و زانیہ
چودہ ہزار
حدیثیں
ضع نے
خود تسلیم
کیا تھا کہ
چار ہزار
حدیثیں
اسکی
موضوعات
سے ہیں

وضع کے بعد مسابلات۔ غلط فہمیاں بے احتیاطیوں کا درجہ تھا جنکی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہو گئے۔ بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے جس سے سامعین کو دھوکا ہوتا تھا اور وہ انکی تفسیری جملوں کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے۔ تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ائمہ فن سے صادر ہوئے امام زہری جو امام مالک کے استاد اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے۔ ان کی نسبت علامہ بخاری لکھتے ہیں وکذا کان الذی یفسر الحدیث کثیرا ودرجما سقط اداة التفسیر یعنی اسی طرح زہری۔ اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جن سے اس عبارت کا

تفسیر ہونا ظاہر ہو۔ چھوڑ دیا کرتے تھے۔ ”وکیح۔ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ اکثر حدیث کے پچ پچ میں ”یعنی“ ”اگر مطلب بیان کرتے جلتے۔ اور اکثر دینی“ کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا۔ کتب رجال و اصول حدیث میں اس قسم کی ادب بہت نمایاں ملتی ہیں۔

بڑی آفت تدریس کی تھی جس کا اثر کتاب بڑے بڑے ائمہ فن کرتے تھے۔ اس تدریس نے استاد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا اس کے سوا اور بہت سی بے احتیاطیاں تھیں جنکی تفصیل حدیث کی کتابوں میں مل سکتی ہے۔

غرض امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں احادیث کا جو قدر تیار ہو چکا تھا۔ ہزاروں موضوعات افراط و تفریط سے بھر ا ہوا تھا۔ اسوقت امام بخاری۔ مسلم۔ رحمہ اللہ تھے۔ جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے۔ امام ابو حنیفہ۔ گو محکمات فقہ کی وجہ سے اس طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ تاہم انھوں نے روایتوں کی تنقیدی بنیاد ڈالی۔ اور اس کے اصول و ضوابط قرار دیے ان کے اصول تنقید نہایت سخت خیال کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ محدثین نے انکو مشدونی الروایۃ کا لقب دیا ہے۔ تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کی قلیل الروایۃ ہونے کی ایک یہ بھی وجہ ہے بلکہ تمام اور وجہ کی بہ نسبت یہ زیادہ قوی سبب ہے۔ علامہ بن خلدون لکھتے ہیں
والامام ابو حنیفہ انما قلت رواۃ لما شدد فی نشر و ط الروایۃ والاحتیال
یعنی ابو حنیفہ کی روایتیں اس لئے کم ہیں کہ انھوں نے روایت اور نقل کی شرطیں سخت کی یہ حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثیں ہیں جو صحیح ہیں۔ یا یہ کہ بہت کم حدیثیں ہیں جنکی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے یہ صدا۔ اگرچہ حدیث کی وجہ سے کسی قدر نامانوس صدا تھی اور اسی وجہ سے بعض بعض ارباب صحت

امام صاحب کا خیال تھا کہ بہت کم حدیثیں صحیح ہیں۔

نے نہایت سخت مخالفت کی۔ لیکن امام صاحب اس خیال پر مجبور بلکہ معذور تھے۔ انھوں نے یہ رائے مقلدانہ نہیں قائم کی تھی۔ وہ اپنے زمانہ کے اکثر مشہور شیوخ سے ملے تھے اور ان کے سرِ مائے حدیث سے متمتع ہوئے تھے۔ حریم کی بڑی بڑی درگاہوں میں برسوں تعلیم پائی تھی۔ کوفہ۔ بصرہ۔ حریم۔ میں ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا برسوں کے تجربہ سے ان کے اوقاتی ادھات۔ اخلاق و عادات پر اطلاع چھل کی تھی۔ بغرض اس مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ رائے قائم کرنے کے لئے جو شرطیں درکار تھیں۔ سب انہیں موجود تھیں۔

اس خیال کا
ایک بڑا سبب

اس خیال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرائے میں ان کے خاندانِ تعلیم میں درنا چلا آتا تھا۔ حدیث و فقہ میں ان کے خاندانِ تعلیم کے مورث اول۔ عبد اللہ بن مسعود ہیں اور مذہبِ حنفی کی بنیاد زیادہ تر انہیں کی روایات و استنباطات پر ہے۔ عبد اللہ بن مسعود اگرچہ بہت ہی بڑے محدث تھے۔ لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مشہور اور محتاط تھے۔ علامہ ذہبی ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ من یحضر فی اکادہ و یشہد فی الروایۃ و کان یقل من السامعین للحدیث یعنی عبد اللہ بن مسعود اذان میں تحریری اور روایت میں تشدد کرتے تھے۔ اور حدیث کی روایت کم کرتے تھے، ابراہیم نخعی جو عبد اللہ بن مسعود کے بے یک واسطہ شاگرد و امام ابو حنیفہ کے بے یک واسطہ استاد تھے۔ ان کا بھی یہی مذہب تھا اور اسی وجہ سے وہ سیرے احادیث کہلاتے تھے امام ابو حنیفہ نے گواہی بہت سی درگاہوں میں تعلیم پائی تھی لیکن ان کی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز یہی خاندان تھا۔ یہی خاندانی اثر تھا جس نے ان کے دل میں یہ خیال پیدا کیا۔ اور ان کے ان کے ذاتی تجربہ اور وقتِ نظر نے اور بھی قوت دی۔

امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند چھل نہیں کی تاہم وہ بالکل

امام مالک والوحیفہ
کی شرط روایت
قریب قریب متحد
ہیں۔

بے اثر نہیں رہا۔ امام مالک و امام شافعی۔ جو اجتہاد میں امام ابو حنیفہ سے متاخر ہیں اور ان کے
اصول اجتہاد میں اس خیال کا صاف پرتو پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے روایت کے متعلق جو
تبدل اور شرطیں لگائی ہیں وہ امام ابو حنیفہ کے شرائط کے قریب قریب ہیں اور یہی وجہ ہے
کہ مشہورین فی الروایۃ ہیں۔ امام ابو حنیفہ و امام مالک کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ ابن الصلاح
مقدمین کہتے ہیں۔ ومن مذهب التشديد مذهب من قال لا حجة
الا فيما رواه الراوى من حفظه وتذكره وذلك مروى عن مالك وابي حنيفة
یعنی تشدد دین کا یہ مذہب ہے کہ صرف وہ حدیث قابلِ محبت ہے جس کا راوی نے اپنی حفظ سے
یا روایت کیا ہو اور یہ قول مالک و ابو حنیفہ سے منقول ہے، محدثین نے لکھا ہے کہ امام مالک
نے اول جب موطا لکھی تو اُس میں دس ہزار حدیثیں تھیں۔ پھر امام مالک نے زیادہ تحقیق کرتے
گئے تو یہ تعداد کم ہوئی گئی۔ یہاں تک کہ چھ سات سو رہ گئی۔ امام شافعی نے صاف لفظ نہیں
امام ابو حنیفہ کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دن ہرم
قرشی نے امام شافعی سے کہا کہ آپ وہ حدیثیں لکھو ایسے جو رسول اللہ سے ثابت ہیں۔
انھوں نے جواب دیا کہ اگر باب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثیں کم ہیں۔ کیونکہ ابو بکر صدیق
نے جو حدیثیں رسول اللہ سے روایت کیں انکی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں ہے۔ عمر بن الخطاب
باوجود اسکے کہ رسول اللہ کے بعد مدت تک زندہ رہے انکی روایت سے پچاس حدیثیں بھی
ثابت نہیں۔ حضرت عثمان کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت علیؓ اگرچہ لوگوں کو حدیث سکھانے
کی ترغیب دلاتے تھے۔ لیکن۔ ان سے بھی کم حدیثیں مروی ہیں کیونکہ وہ مطہرین نہیں ہیں
ان سے جو حدیثیں مروی ہیں اکثر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان کے عہد خلافت کی ہیں
ان لوگوں کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں لیکن اہل معرفت کے

امام شافعی کا
قول تھا کہ صحیح
حدیثیں بہت
کم ہیں

نزدیک وہ تمام روایتیں صحیح سند سے ثابت نہیں

ان باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امام ابو حنیفہ - معترفین کی طرح احادیث کے منکر تھے یا صرف دس میں حدیثوں کو تسلیم کرتے تھے۔ انکے شاگردوں نے خود ان سے سیکھ کر ان حدیثیں روایت کیں ہیں۔ موطا امام محمد - کتاب الآثار - کتاب الحج - جو عام طور پر متداول ہیں ان میں بھی امام صاحب بیسویں حدیثیں مروی ہیں۔ البتہ اور محدثین کی نسبت ان کی تعداد مسلمہ کی تعداد کم ہے اور اسکی وجہ وہی تسویر روایت کی سختی ہے۔ امام صاحب نے روایت کے متعلق جو شرطیں اختیار کیں کچھ تو وہی ہیں جو اور محدثین کے نزدیک مسلمہ ہیں۔ کچھ ایسی ہیں جنہیں وہ منفر دین یا صرف امام مالک اور بعض اور مجتہدین انکے ہمزبان ہیں۔

امام صاحب نے روایت
کے لئے کیا شرطیں
مقرر کیں

ان میں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ در صرف وہ حدیث حجت ہے جسکو راوی نے اپنے کانوں سے سنا ہو اور روایت کے وقت تک یاد رکھا ہو۔ یہ قاعدہ بظاہر نہایت صاف ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اسکی تفسیریں نہایت وسیع اثر رکھتی ہیں اور عام محدثین کو ان سے اتفاق نہیں ہے۔ محدثین کے نزدیک ان پابندیوں سے روایت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس سے ہلکو بھی انکار نہیں۔ لیکن اس کا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہیں کہ احتیاط مقدم ہے۔ یا روایت کی وسعت۔ ہم بعض تفسیریات کو کسی قدر تفصیل کیساتھ ذکر کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ امام ابو حنیفہ کو کس خیال نے اس قسم کی سختیوں پر مجبور کیا تھا۔

اکثر شیوخ کا حلقہ درس نہایت وسیع ہوتا تھا یہاں تک کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے۔ اسوقت متعدد مستحلی یعنی نائب جابجا بٹھائے

ملہ سابقہ لشافعی اور امام ہارزی فصل ثامن شرح مذہب شافعی ۱۱

جلتے تھے کہ شیخ کے الفاظ کو دور والوں تک پہنچائیں۔ بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جنکے کانوں میں شیخ کا ایک لفظ بھی نہیں پہنچتا تھا وہ صرف مستحلی کے الفاظ سن کر حدیث روایت کرتے تھے۔ اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستحلی سے سنا وہ اصل شیخ کی نسبت حد ثنا کہہ سکتا ہے یا نہیں۔ اکثر ارباب روایت کا مذہب ہے کہ کہہ سکتا ہے امام ابو حنیفہ کے خلاف ہیں۔ امیر محمد بن یمن سے حافظ ابو نعیم نقل بن دیکھن۔ زاید بن قدامہ امام صاحب ہنربان ہیں۔ حافظ بن کثیر نے لکھا ہے کہ مقتضائے عقل یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے لیکن عام مذہب میں آسانی ہے۔

امام ابو حنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ اس کے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے اس لئے روایات میں تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ میں بڑھتا جاتا تھا۔ کم از کم یہ کہ ہر روایت پہلے واسطہ میں جس قدر قوی ہوتی تھی دوسرے واسطہ میں اس کا وہ پایہ نہیں قائم رہ سکتا تھا بے شبہ مستحلی کے مقرر کرنے کا طریقہ قائم رہ کر ضرور تھا کیونکہ اکثر موقوفون پر بغیر مستحلی کے کام نہیں چل سکتا تھا۔ لیکن نا انصافی تھی کہ جس شخص نے بلا واسطہ شیخ سے سنا ہوا اور جسے مستحلی سے روایت کی ہو دونوں کا ایک درجہ قرار دیا جاوے۔ مستحلی کبھی کبھی نہایت غافل اور بے سمجھ ہوتے تھے۔ ایسے غلطیوں کا احتمال اور بھی قوی ہو جاتا تھا۔ اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبار نا حد ثنا کو بعض بعض محدثین نہایت عام معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں کہا ہے کہ حد ثنا ابو ہریرہ کا حالانکہ ابو ہریرہ سے وہ کبھی نہیں ملے تھے۔ انھوں نے اس کی تاویل کی

اخبار نا حد ثنا
کی مفہوم کی
وضاحت

کہ ابو ہریرہ نے جب وہ حدیث بیان کی تھی تو اس شہر میں وہ موجود تھے۔ اسی طرح اور شیوخ۔ صحابہ کی نسبت حدیث کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنی یہ لیتے تھے کہ ان کے شہر والوں نے ان شیوخ سے سنا تھا۔ محدث بزار نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے ان لوگوں سے روایت کی ہے جن سے وہ کبھی نہیں ملے اور تاویل یہ کرتے تھے کہ انکی قوم نے وہ حدیث ان لوگوں سے سنی تھی یا یہ امر علاوہ اسکے کہ ایک قسم کی غلط بیانی تھی حدیث کی اسناد کو مستبعد کر دیتا تھا۔ کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہیں سنی تو بیچ میں کوئی واسطہ ہوگا اور چونکہ راوی نے اس کا نام نہیں بتایا اس لئے اسکے ثقہ وغیر ثقہ ہونے کا حال نہیں معلوم ہو سکتا۔ صرف حسن ظن پر ہمارا رہ گیا کہ ایسے شخص نے جس سے سنا ہوگا وہ ضرور قابل ہناد ہوگا۔ امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا۔ اور ان کے بعد اور ائمہ حدیث نے بھی انکی متابعت کی۔

اجزاء سے
روایت

ابو باب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شیخ سے کچھ حدیثیں سنیں اور قطع کر لیں تو ان اجزاء سے روایت کرنی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے۔ اسکو اس قدر وسعت دی گئی کہ گورادی کو ان حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ یاد نہ رہے ہوں تاہم اس بنا پر کہ اجزاء اسکے پاس موجود ہیں انکی روایت کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو قائل نہ کیا لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے الفاظ و مطالب محفوظ ہونے چاہئیں ورنہ روایت جائز نہیں۔

یہ مسئلہ بھی اگرچہ عام طور پر مجتہدین تسلیم کیا گیا تاہم جیسا کہ محدث سخاوی نے تصریح کی ہے امام مالک اور بہت سے ائمہ نے اسکی موافقت کی۔ امام بخاری و مسلم وغیرہ کے زمانہ میں اس قید کی چنداں ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ اسوقت روایت

بالفاظ کا عام رواج ہو چکا تھا۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے عہد تک حدیثیں زیادہ تر بالمعنی روایت کی جاتی تھیں۔ اس لئے اگر راوی کو الفاظ حدیث۔ موقع حدیث۔ شان نزول وغیرہ یاد نہ ہوتے تھے تو روایت کا بعینہ ادا کرنا قریباً ناممکن ہوتا تھا۔ اسی ضرورت سے امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو محدود کر دیا اور انصاف یہ ہے کہ ایسا کرنا ضروری تھا۔

سب سے زیادہ بہتر بالشان اور قابلِ بحث مسئلہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہو یا نہیں۔ یا یہ کہ ایسی روایت قطعاً قابلِ حجت ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے اور اب بھی ہے۔ امام شافعی نے روایت کی ہے کہ بعض تابعین نے ایک حدیث۔ متعدد صحابہ سے سنی جسکو سب نے مختلف لفظوں میں بیان کیا لیکن مطلب ایک تھا۔ انھوں نے کسی صحابی سے یہ حقیقت بیان کی۔ صحابی نے جواب دیا کہ جب معنی مختلف نہیں تو کچھ مضامین نہیں۔ اگر امام شافعی نے تابعی کا نام نہ بتایا جس سے روایت کی قوت اور ضعف کا اندازہ ہو سکتا۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض صحابہ روایت بالمعنی جائز سمجھتے تھے اور آپس میں کرتے تھے۔ بخلاف اس کے بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن مسعود کو روایت باللفظ پر اصرار تھا۔ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ان کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو زجر کرتے تھے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے

او مثله او شیئہ۔ اما فوق ذلک۔ و اما دون ذلک و اما قریب من ذلک

یعنی رسول اللہ نے اس طرح فرمایا تھا یا اب کے مثل یا اب کے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اب کے قریب فرمایا تھا۔ ابوالدرداء کا بھی یہی حال تھا وہ حدیث بیان کر کے کہا کرتے تھے ہذا ونحو ہذا او شکله حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو روایت حدیث سے منع کیا کرتے تھے انکا بھی غالباً یہی منشا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یا درہم سکتے ہیں اور معنی کی عام

روایت بالمعنی

روایت بالمعنی
میں صحابہ کی عیناً

اجازت میں تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔

صحابہ کے دور کے بعد بھی یہ مسئلہ یکسو نہ ہوا۔ تابعین کے دور گروہ تھے اور خود امام ابو حنیفہ کے استاد الاستاذ روایت بالمعنی کے قائل تھے۔ آگے چل کر تو گویا اسپر اتفاق عام ہو گیا کہ روایت بالمعنی جائز ہے۔ چنانچہ اصول حدیث کی کتابوں میں جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے۔ مجتہدین میں سے صرف امام مالک اسکے خلاف ہیں۔ محدثین کا ایک گروہ جنہیں امام مسلم، تاسم بن محمد، محمد بن سیرین، رجا بن حیوۃ، ابو زرقہ، سالم بن ابی الجعد عبد الملک بن عمر داخل ہیں۔ روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا۔ لیکن عام محدثین جو انہی کے قائل ہیں۔ اور درحقیقت ایک ایسا فرقہ جس کا عام میلان ہر حالت میں کثرت روایت کی طرف ہو جو ان ہی کا قائل ہو سکتا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثیں روایت کیں۔ اور اگر شروع سے یہ قید لگائی جائے تو روایت کا دائرہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ مسائل و احکام کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ روایت بالمعنی میں اصل روایت کا اصلی حالت پر قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ قریباً ناممکن ہے۔ زبان کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ مرادف الفاظ بھی یکساں اثر نہیں رکھتے اور معنی کی چیتوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مجوزین نے مرادف وغیرہ کی قید بھی نہیں رکھی۔ اور اداۓ مطلب کو نہایت عام وسعت دی ہے۔ صحابہ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ کے الفاظ و مطالب کا اندازہ دان نہیں ہو سکتا تھا۔ اول تو وہ زبان و انداز کے حاکم تھے۔ اسکے ساتھ شرف صحبت کی وجہ سے رسول اللہ کی طرز و اد طریقہ گفتگو۔ انداز کلام۔ فحوائے سخن

خوب واقف تھے۔ تاہم کتب حدیث میں اس کی متعدد نظیریں ملتی ہیں کہ خود صحابہ سے اس کے
مطلب میں کمی زیادتی ہو گئی۔

ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے آنحضرت سے روایت کی ان المیت
یعذب ببكاء المحی اذا قالوا و اعصد اء و اکا سبأ و انا صراہ و اجبل و

صحابہ سے ادا
مطلب میں کمی
یا زیادتی ہو گئی
اسکی شایین ۱۳

یعنی جب مردہ پر یہ الفاظ کلمہ روایا جاتا ہے تو اسکو عذاب دیا جاتا ہے، کسی نے حضرت عائشہ
سے کہا کہ ابن عمر یہ حدیث بیان کرتے تھے حضرت عائشہ نے کہا میں یہ نہیں کہتی کہ ابن عمر جھوٹ
کہتے ہیں لیکن انکو سہو ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مر گئی۔ اس کے گھر والے اسپر عذاب سے
تھے۔ آنحضرت نے سنا تو فرمایا کہ اس کے گھر والے رو رہے ہیں اور اسپر قبر میں عذاب ہو رہا ہے
ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی فلا تردوا ذرۃ ذل و ذخری
جس سے اس بات پر استدلال کیا کہ ایک شخص کے فعل کا دوسرا شخص ذمہ دار نہیں ہو سکتا
گھر والے رو رہے ہیں تو انکا قصور ہے مردے نے کیا گناہ کیا ہے کہ اسپر عذاب کیا جاوے
دیکھو اس حدیث میں رسول اللہ نے یہودیہ عورت کا مہذب ہونا بطور ایک واقعہ بیان کیا تھا
راوی نے رونے کو اسکا سبب قرار دیا اور حدیث کے یہ الفاظ بیان کئے کہ ان المیت یعذب
ببکاء المحی یعنی مردہ کو زندوں کے رونے کی وجہ سے عذاب یا جاتا ہے۔

اسی طرح غزوہ بدر کے واقعہ میں عام روایت یہ ہے کہ رسول اللہ نے قلب پر کڑے ہو کر
فرمایا اھل وجد تم ماضی دیکھو حقاً لوگوں نے عرض کی کہ آپ مردوں سے خطاب فرماتے
ہیں۔ ارشاد ہوا کہ دو جہین نے کہا ان لوگوں نے سن لیا، لیکن یہ واقعہ حضرت عائشہ کے بیان
بیان کیا گیا تو انھوں نے فرمایا رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ الفاظ کئے تھے نقبل
عنہم ان ما دعوتہم حتیٰ یسینے ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ جس چیز کی میں نے دعوت کی تھی

وہ حق ہے دیکھو ان دونوں جملوں کے مفہوم میں کس قدر فرق ہے اور اس سے سماع موتی کے مسئلہ پر کیسا مختلف اثر پڑتا ہے۔

غرض جب صحابہ سے اس قسم کے مسامحات واقع ہوتے تھے تو دوسرے اور تیسرے دور کا کیا ذکر ہے۔ لطف یہ ہے کہ جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہیں انھوں نے چند الفاظ مثلاً بتائے ہیں کہ ”انکو دوسرے نفعون میں اس طرح ادا کر سکتے ہیں اور معنی میں مطلق فرق نہیں پیدا ہوگا“ حالانکہ خود اسے دیکھیے تو ان نفعون کے اثر میں صاف تفاوت نظر آتا ہے محدث سخاوی کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے۔ اقتلوا الا سودین الحیة والعقرب اب بجا اسکے یہ کہہ سکتے ہیں کہ امر بقتلہما محدث سخاوی کے نزدیک اس مثال میں الفاظ کے قتل نے معنی میں کچھ فرق نہیں پیدا کیا۔ حالانکہ اقتلوا اور امر بالقتل میں صریح تفاوت ہے لہذا اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس میں وہ تنہم اور تاکید نہیں ہے جو امر میں ہے۔

امام ابو حنیفہ نے ان مشکلات کا اندازہ کر کے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا جو حدیث کے زمانہ سے پہلے بالمعنی روایت ہو چکی تھیں اور محدثین میں شائع تھیں انکے قبول سے تو چارہ نہ تھا ورنہ روایت کا تمام دفر بیکار ہو جاتا۔ اسلئے امام صاحب نے ان حدیثوں کو قبول کیا۔ لیکن یہ قید لگائی کہ ”رواۃ حدیث فقیہ ہوں۔ یعنی الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے واقف ہوں“ تغیر مطالب کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے۔ لیکن احادیث کا مدار جیسا کہ محدثین نے تصریح کر دی ہے (ظن غالب پر ہے)۔ اس لئے جب تک کوئی مخالف دلیل موجود نہ ہو روایت بالمعنی قابل عمل ہوگی۔ امام صاحب نے ان احادیث کو بھی قبول کیا جنکے رفاۃ ثقہ ہوں اور فقیہ نہ ہوں۔ لیکن انکا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا اور ان میں اصولِ درایت کی زیادہ ضرورت سمجھی۔ امام صاحب کے ان اصول سے اور آئندہ

روایت بالمعنی
کے متعلق امام
ابو حنیفہ اصول

بھی اتفاق کیا۔ اقصیٰ حد میں ہے کہ جو شخص مدلول الفاظ کو اچھی طرح نہیں سمجھتا اس کو روایت باللفظ ضروری ہے۔ البتہ جو شخص مطالب کا اندازہ دان ہے اسکی نسبت اختلاف ہے۔ کثرت رائے اس طرف ہے کہ وہ الفاظ کا پابند نہیں، لیکن امام ابو حنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ اور تابعین تک محدود کر دیا اور لوگوں کے لئے روایت بالالفاظ کی قید لگائی۔ اور امام طحاوی نے بسند متصل ان سے روایت کی ہے کہ صرف وہ حدیث روایت کرنی چاہیے جو روایت کرنے کے وقت اسی طرح یاد ہو جس طرح سننے کے وقت یاد تھی لہذا علی قاری اس روایت کو ثقل کر کے لکھتے ہیں اس کا چل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ روایت بالمعنی کو جائز نہیں رکھتے تھے، اس پابندی میں اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے امام ابو حنیفہ سے اتفاق کیا۔ فتح المغیث میں ہے وقیل لاجوز لہ الروایۃ بالمعنی مطلقاً قالہ حاکم من المحدثین والفقہاء والاصولیین من الشافعیہ وغیرہم قال القرطبی وهو الصحیح من مذهبہ لدک لیکن عام ارباب روایت اس سختی کے کیونکر پابند ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایک بڑے فرقہ نے مخالفت کی اور امام صاحب کو مشدد دفی الروایۃ تہرایا تاہم انصاف یہ ہے کہ جو اصول امام صاحب نے اختیار کیا وہ ضروری اور نہایت ضروری تھا خود حدیث میں آیا ہے کہ نصر اللہ امر اسمع مناشیاً بلفظہ کا سمعہ یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا اس شخص کو شاداب کرے جسے ہمے کچھ سنا اور اسکو اسی طرح پہنچایا جیسا کہ ہمے سنا تھا، اس سے زیادہ اس باب میں کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے۔ صحابہ۔ میں سے جو لوگ روایت باللفظ کو غیر ضروری سمجھتے تھے ممکن ہے کہ یہ حدیث انکو نہ پہنچی ہو چنانچہ جن صحابہ کی صلہ شرح امام اعظم ازما علی قاری ص ۱۲ ملے یعنی کہا گیا ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں۔ محدثین و فقہاء و مہولین شافعیہ کا ایک گروہ اسی قول کا قائل ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ امام مالک کا صحیح فریب یہی ہے۔ ۱۲

نسبت ثابت ہے کہ انھوں نے اس حدیث کو سنا تھا۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ وہ در الفاظ کے پابند تھے۔ امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں یہ حدیث عام ہو چکی تھی اسلئے انکو اسکی تعمیل میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔

اصول دایت

فن حدیث میں سب سے بڑا کام امام ابو حنیفہ نے یہ کیا کہ دایت کے اصول قائم کیے اور انکو احادیث کی تحقیق و تنقید میں برتا۔ فن حدیث کی ایک شاخ یعنی روایت پر ہمارے علمائے جس قدر توجہ کی اسکی کوئی نظیر دنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ لیکن یہ افسوس ہے کہ اصول دایت کے ساتھ چند ان اعتنائیں کیا گیا۔ حافظ بن حجر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں بعض تصنیفین لکھی گئیں۔ لیکن وہ اس قدر کم اور غیر متعارف ہیں کہ گویا نہیں ہیں۔ اصول حدیث۔ ایک مستقل فن بن گیا ہے اور بڑی بڑی کتابیں جو اس فن میں لکھی گئیں عموماً متداول ہیں۔ لیکن ان سے اصول دایت کے متعلق بہت کم واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ یہی اصول۔ فن حدیث کے نہایت ضروری اجزاء ہیں یہ عزت صرف امام ابو حنیفہ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا اسوقت انکی نگاہ ان باریک نکتوں پر پڑی ہے بشیر صحابہ کی تاریخ میں جسے جسے اصول دایت کے آثار نظر آتے ہیں اور در حقیقت وہی امام ابو حنیفہ کے لئے دلیل راہ ہے۔ لیکن وہ بائین عام مسائل کے جوہر میں ایسی کم اور ناپید ہیں کہ آپر عام لوگوں کی نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی۔

روایات کی صحت و عدم صحت کا مدار ہمیشہ راویوں کے اعتبار و عدم اعتبار پر نہیں ہوتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ کی روایت جس سند سے بیان کی جاتی ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہوتے ہیں لیکن واقعہ صحیح نہیں ہوتا۔ حدیث میں بھی اسکی سیکیڑوں مثالیں ملتی ہیں اس لئے ضرور ہے کہ صرف رواۃ کی بنا پر احادیث کا فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ یہ بھی

دیکھا جائے کہ وہ اصولِ درایت کے مطابق ہیں یا نہیں۔

درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اسپر غور کی جائے کہ وہ طبیعتِ انسانی کے اقتضائے زمانہ کی خصوصیتیں، منسوبِ ایہ کے حالات، اور دیگر قرائنِ عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے۔ اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اسکی صحت بھی شبہ ہوگی۔ یعنی یہ احتمال ہوگا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے۔ اس قسم کے تو اجماعِ حدیث کی تحقیق و تنقید میں بھی احتمال کیے جاتے ہیں اور انہیں کا نام اصولِ درایت ہے۔ علامہ بن جوزی۔ جو فنِ حدیث میں بڑا پایہ رکھتے تھے لکھتے ہیں کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے منافی ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے۔ اس میں رد و قبول کی تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو جس و مشاہدہ سے باطل ثابت ہو۔ یا قرآن۔ حدیث متواتر۔ اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابلِ تاویل نہ ہو۔ یا جہنم ایک معمولی بات پر سخت عذاب کی دہلکی ہو یا ذلت کا کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو اس طرح کی حدیثیں واعظون اور صوفیوں کی روایتوں میں بہت پائی جاتی ہیں۔

امام ابو حنیفہ نے درایت کے جو اصول قائم کئے ان میں سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

کل حدیث مرآۃ مخالفہ العقول

اوینا نقص الامور فاعلم انه موضوع فلا يتكلف اعتباره ای لا تعتبر حایة ولا تنظر في جرم او یکن فیما یدفعه الحسن المشاهدة او مباینا النص لکنار او السنة المتواترة ولا یجساع القطعی حیث لا یقبل شی من ذلک التاویل او تضمن الا فرط بالوعید المشد بل علی الامور الیسیر او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وھذا الاخیر کثیر موجد فی حدیث انقصاص الطریق

جو حدیث عقل
تطبی کے مخالف
ہو صحیح نہیں

(۱) جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں۔ یہ وہی قاعدہ ہے جسکو ابن جوزی نے تمام اہل روایت پر مقدم رکھا ہے۔ ابن جوزی چھٹی صدی میں تھے اہل سنت اسلامی علوم۔ اوج کمال تک پہنچ گئے تھے۔ اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہو گیا تھا لیکن امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک مذہب میں عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا۔ امام صاحب نے اول اول جب یہ قاعدہ قرار دیا اور روایات میں برتاؤ سخت مخالفت ہوئی۔ اس قسم کی حدیثیں جن میں نامکمل اور محال واقعات بیان کئے جاتے ہیں امام صاحب کے سامنے پیش کیجاتی تھیں تو وہ ان سے انکار کرتے تھے۔ یہ امر عام لوگوں پر گران گزرتا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے خیال میں روایات کی تحقیق و تنقید کا مدار صرف روایت کی حالت پر تھا۔ اصول روایت سے غرض نہ تھی۔ زمانہ مابعد میں اگرچہ یہ قاعدہ۔ اصول حدیث۔ میں داخل کر لیا گیا لیکن ارباب روایت نے اسکو بہت کم برتا اور یہی کا نتیجہ ہے کہ آج بیسیوں منکر خراف اور دور از کار حدیثیں قبول عام کے شرف سے ممتاز ہیں۔

تلك العنايتی العلی کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ”رسول اللہ کی زبان سے اسورہ نجم کی تلاوت کے وقت تمہوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا ہوئے تلك العنايتی العلی دان شفاعتم لتزجی یعنی یہ بہت بہت مغفرت ہیں اور انکی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے“ اور یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت کی زبان میں ڈال دئے تھے۔ چنانچہ تلاوت کے بعد جبریل آئے اور انھوں نے یہ شکایت کی کہ میں نے تو یہ الفاظ آپ کو نہیں سکھائے تھے آپ نے کہاں سے پڑھ دئے۔ اس حدیث کو امام صاحب کے اصول کے موافق بغیر محدثین مثلاً قاضی خیاض والو بکر ہیتی وغیرہ نے غلط کہا۔ لیکن محدثین کا ایک بڑا گروہ اسکا

لہ اس اصول کو علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ۱۲

اب بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔ متاخرین میں حافظ بن حجر سے زیادہ نامور کوئی محدث نہیں گذرا۔ وہ بڑے زور شور سے اس حدیث کی تائید کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کے رواۃ تقریباً اس لئے اسکی صحت سے انکار نہیں کیا جاسکتا!! اسی طرح والشمس کی حدیث کو جعین بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی اسلئے آنحضرت کی دعا سے آفتاب غروب ہونے کے بعد پھر طلوع ہوا۔ محدث ابن جوزی نے جرات کر کے موضوع کہا۔ لیکن حافظ بن حجر و جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت شدت سے مخالفت کی۔ امام صاحب کے زمانہ میں اس سے زیادہ مخالفتیں ہوئیں لیکن وہ ابن باتون کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لفظ عقل سے امام صاحب کی مراد وہ وسیع معنی نہیں ہیں جو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں نے قرار دے لئے ہیں جسکی رد سے شریعت کے بہت سے اصلی مسائل برباد ہو جاتے ہیں (۲) جو واقعات تمام لوگوں کو بات دن پیش آیا کرتے ہیں انکے متعلق اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہ ہو تو وہ روایت مشتبہ ہے۔ یہ اصول اس بنا پر ہے کہ جو واقعات تمام لوگوں کو اکثر پیش آیا کرتے تھے انکے متعلق جو کچھ آنحضرت کا ارشاد تھا اسکی ضرورت تمام لوگوں سے متعلق تھی۔ اس لئے صرف ایک آدمہ شخص تک اس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے۔

مخالفت
قیاس

اکثر مصنفین نے تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اس روایت کو قبول نہیں کرتے تھے جو قیاس کے مخالف ہو۔ اگرچہ یہ قول محض بے اصل نہیں ہے۔ لیکن اسکی تعبیر میں لوگوں نے اکثر غلطی کی ہے اور انہیں غلط تعبیرات کا اثر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی نسبت ارباب ظاہرین بہت سی بدگمانیاں قائم ہو گئیں۔ ان لوگوں نے امام صاحب کے مقصد و منشا پر کافی غور نہیں کیا اور عام رائے قائم کر لی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں۔ امام صاحب سے اس

مسئلہ کے متعلق جو اقوال منقول ہیں وہ صریح اس دعوے کے خلاف ہیں۔ مسائل فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابو حنیفہ نے حدیث و اثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کر دیا ہے۔ امام محمد اس بحث میں کہ تہنہ نماز ناقض وضو ہے۔ امام ابو حنیفہ کی طرف سے استدلال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ لو لا ملجاء من الاثار كان القياس على ما قال اهل المدينة ولكن لا قياس مع اثار ولا ينبغي الا ان ينقاد للاثار۔
یعنی قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے قیاس کوئی چیز نہیں۔ اور صرف حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہیے کہ اس سے زیادہ اسباب میں کیا تصریح ہو سکتی ہو عقود و الجمال کے مصنف نے مختلف روایتوں سے امام ابو حنیفہ کے خاص اقوال نقل کئے ہیں کہ میں حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو دخل نہیں دیتا۔ امام جعفر صادق سے امام صاحب نے جو گفتگو کی تھی اس میں بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

ان تصریحات کو دیکھ کر بعضوں نے اس انتساب میں تخصیص کی اور دعوے کیا کہ جو حدیث قیاس جلی کے مخالف ہو۔ اس کو امام صاحب قبول نہیں کرتے۔ یحییٰ بن عبد اللہ بن محمد شہرستانی نے کہا اللہ کے بیان میں جہاں امام ابو حنیفہ۔ ادا کے تلامذہ کا ذکر آیا ہے لکھا ہے کہ در ہما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار یعنی یہ لوگ اکثر قیاس جلی کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ امام رازی نے بھی مناقب الشافعی میں اس کی جا بجا تصریح کی ہے اور اس بنا پر امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں۔ امام شافعی کی ترجیح کے وجوہ قائم کئے ہیں۔

میں نے بہت کچھ حد و جد کی کہ اس مسئلہ کے متعلق امام صاحب کا کوئی صریح قول ملے لیکن نہ ملے گا۔ جن لوگوں نے امام صاحب کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے غالباً صرف استنباط سے کام لیتے ہیں صریح قول نہیں پیش کرتے۔ بے شبہ حنفیوں کے اصول فقہ میں

یہ مسئلہ مذکور ہے کہ وہ حدیث جسکی روایت فقہ نہ ہوں اور ہر طرح قیاس کے مخالف ہو قابل حجت نہیں۔ لیکن یہ خفیون کا مسئلہ اصول نہیں ہے۔ بلکہ صرف عیسیٰ بن ابان۔ اور ان کے پیروں کی رائے ہے۔ ابوالحسن کرخی۔ وغیرہ صریح اسکے مخالف ہیں۔ اور صاحب مسلم الثبوت نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ تعجب درخت تعجب ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے امام ابو حنیفہ کی طرف یہ دعوے صرف اس اعتماد پر منسوب کر دیا گیا کہ فقہائے خفیہ میں سے چند علماء اسکے قائل ہیں۔ بہت بڑی مثال بیج مصراۃ کی پیش کی جاتی ہے جس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اس مسئلہ میں صریح حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کو مقدم رکھا ہے لیکن ان دہیون کو معلوم نہیں کہ اس مثال میں قیاس کی تقدیم بعض علمائے خفیہ کی ذاتی رائے ہے۔ امام صاحب سے اسکو کچھ واسطہ نہیں۔ امام رازی۔ نے مناقب الشافعی میں اتنی احتیاط کی کہ اس موقع پر امام ابو حنیفہ کا نام نہیں لیا۔ بلکہ صحابہ کی حنیفہ لکھا لیکن ہم اس احتیاط میں بھی انکو معذور نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ رائے بعض خفیون کی ہے نہ بسکی امام رازی نے صحابہ کے لفظ سے جو تعمیم ظاہر کی وہ صحیح نہیں۔

بیج مصراۃ کی حدیث کو امام ابو حنیفہ نے قیاس کی بنا پر رد نہیں کیا بلکہ اسکے نسخ کا دعوے کیا ہے۔ امام طحاوی نے معانی الآثار میں اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا مذہب لکھ کر لکھتے ہیں۔ وذهبوا الی ان ما روى عن رسول الله في ذلك ما تقدم ذكرنا له في هذا الباب منسوخ یعنی یہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ اس بارہ میں جو کچھ رسول اللہ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے۔

سلہ تعجب ہو کر بڑے بڑے علماء یہاں تک کہ امام غزالی۔ امام رازی۔ نے بھی امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ لازم لگایا اور یہی بیج مصراۃ کی مثال پیش کی ۱۲

اس موقع پر ہم اس بحث کی تفصیل نہیں کر سکتے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام صاحب نے قیاس کو ترجیح نہیں دی بلکہ نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے موقعوں پر نہایت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہیے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ ان سے ثابت بھی ہیں یا نہیں؟ متاخرین نے ان باتوں میں کم احتیاط کی ہے۔ اس لئے ہم کو نہایت غور اور تحقیق سے کام لینا ہے۔ یہی نتیجہ مصرعہ کی حدیث ہمیشہ اصول موضوعہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور اس سے ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے تھے۔ لیکن در تحقیق سے کام لو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام شور و غل کی کچھ اصل نہیں۔

بخلاف اسکے نہایت قوی ذریعہ سے امام ابو حنیفہ کی تصریحات ثابت ہیں کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کا مطلق اعتبار نہیں کرتے تھے۔ امام محمد۔ اس بحث کے ذیل میں کہ جو شخص رمضان میں بھول کر کچھ کھاپی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور رضا نہیں لازم آتی۔ حدیث پر استدلال کر کے لکھتے ہیں کہ آثار کے ہوتے ہوئے رائے کچھ چیز نہیں۔ پھر امام ابو حنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہیں کہ لولا ما جاء فی هذا من الاثبات لم يتبا القضا لئلا یمن انما یزہ من آثار موجودہ ہوتے تو یمن قضا کا حکم دیتا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابو حنیفہ کی شرطیں نہایت سخت ہیں۔ جب تک وہ شرطیں پائی نہ جائیں وہ حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے لیکن ان شرطوں کے ساتھ۔ حدیث ثابت ہو تو ان کے نزدیک ہر قیاس کوئی چیز نہیں۔ +

لہٰذا کتاب الحج امام محمد ۱۱

امام صاحب نے
تصحیح کی ہے کہ وہ
حدیث کے مقابلہ
میں قیاس کا اعتبار
نہیں کرتے تھے

جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابو حنیفہ نے قیاس فقہی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہیں رکھا۔ لیکن ان کے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں متعل تھا اور سب سے پہلے ان معنوں کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثوں میں داخل دیا ہے مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فترتے قائم ہو گئے تھے۔ ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام کسی مصلحت اور افضلے عقل پر مبنی نہیں ہیں۔ چکا حاصل یہ ہے کہ حسن و قبح اشیا عقلی نہیں ہے۔ دوسرے فترت کی رائے تھی کہ تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ جن میں سے بعض کی مصلحتیں صاف نمایاں ہیں اور خود شارع کے کلام سے اسکے اشارے پائے جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جنکی مصلحت ہم کو معلوم نہیں لیکن فی الواقع وہ مصالح سے قابل نہیں اس اختلاف رائے نے حدیثوں کی روایت پر مختلف اثر پیدا کیے۔ بعض لوگ جب کسی حدیث کو سنتے تھے تو صرف یہ دیکھتے تھے کہ اسکے راوی ثقہ ہیں یا نہین۔ اگر ان کے خیال کے موافق قابل حجت ہیں تو پھر انکو کوئی بحث نہیں ہوتی تھی۔ اور بے تکلف اس حدیث کو قبول کر لیتے تھے دوسرے فترت جو حسن و قبح عقلی کا قائل تھا یہ بھی دیکھتا تھا کہ جو مسئلہ یا عقیدہ حدیث سے مستنبط ہوتا ہے۔ وہ عقل و مصلحت کے موافق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تھا تو وہ حدیث کی زیادہ تحقیق و تنقید کی طرف مائل ہوتے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ راوی۔ فہم و روایت کے لحاظ سے کیا پایہ رکھتے ہیں۔ روایت باللفظ ہے یا بالمعنی۔ متن حدیث کیا تھا کون لوگ مخاطب تھے۔ کیا حالت تھی۔ غرض اس قسم کے اسباب اور وجوہ پر غور کرتے تھے ان باتوں سے اکثر اصل حقیقت کا پتہ لگ جاتا تھا۔

یہ طرز تحقیق خود صحابہ کے زمانہ میں قائم ہو چکا تھا۔ صحیح ابن ماجہ و ترمذی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے رسول اللہ سے حدیث روایت کی کہ تو ضو عا ہما غیر المنار۔

یعنی جس چیز کو آگ نے متغیر کر دیا ہو اس کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی بنا پر بعض محدثین قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو لازم آتا ہے۔ ابو ہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی تو عبد اللہ بن عباسؓ موجود تھے بوسے کہ وہ اتنا ضامن الحجیم یعنی اسی بنا پر تو گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو لازم آتا ہے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا۔ اُسے بولور زادہ! جب رسول اللہؐ سے کوئی روایت سنو تو اس پر مثالیں نہ کہو، لیکن عبد اللہ بن عباسؓ اپنی رسل پر قائم رہے حضرت عائشہؓ نے ابن عمرؓ کی اس حدیث پر ان المیت یعذب بکساء اہلہ۔ جو اعتراض کیا تھا، اسی طرز تحقیق پر مبنی تھا۔ صحابہ کے حالات میں اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن کا استفہام اس موقع پر ضروری نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک تھا اور اسی کو لوگوں نے قیاس کے نقطہ سے شہرت دی اس مسئلہ پر کہ احکام شریعت مصلح پر مبنی ہیں۔ اس موقع پر ہم تفصیلی گفتگو نہیں کر سکتے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس بحث کے لئے کافی و دافی ہے۔ یہاں صرف اس قدر کہنا ضرور ہے کہ علمائے اسلام میں جو لوگ عقل و نقل دونوں کے جامع تھے مثلاً امام غزالیؒ۔ عزالدین عبدالسلامؒ۔ شاہ ولی اللہ وغیرہ ان لوگوں کا یہی مسلک تھا۔ امام ابو حنیفہؒ۔ احادیث کی تنقید میں اس اصول کو ضروری طور پر ملحوظ رکھتے تھے۔ دو متعارض حدیثیں جو روایت کی حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھیں ان میں وہ اس حدیث کو ترجیح دیتے تھے جو اصول مذکور کے موافق ہو۔

امام صاحبؒ نے بعض موقعوں پر محض اس اصول کی مخالفت کی وجہ سے بعض حدیثوں کے تسلیم میں تامل کیا ہے۔ انکی اصطلاح میں یہ ایک علت خفیہ ہے۔ محدثین نے اقسام حدیث میں ایک قسم سطل قرار دی ہے جسکی یہ تعریف کی ہے کہ حدیث میں بظاہر صحت کی تمام

شرطین پائی جاتی ہیں۔ اور وہ قابل استدلال نہیں ہوتی۔ اس قسم کی حدیثوں کی تمیز پر محدثین کو نہایت فخر ہے اور وہ اسکو ایک قسم کا امام سمجھتے ہیں۔ علی بن الدینی جو امام بخاری کے استاد اور بہت بڑے شہور محدث تھے انکا قول ہے کہ ہی الہام ولوقلت للقیمر بالعلل من ابن لک هذا لکن لہ حجة یعنی یہ الہام ہے اور اگر تم ہر عل سے پوچھو کہ تم نے کیونکر اسکو معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا۔ محدث ابو حاتم سے ایک شخص نے چند حدیثیں پوچھیں انھوں نے بعض کو مرجح۔ بعض کو باطل۔ بعض کو منکر۔ بعض کو صحیح بتایا۔ پوچھنے والے نے کہا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ کیا راوی نے آپ کو ابن ہاتون کی اطلاع دی ابو حاتم نے کہا۔ نہیں بلکہ مجھکو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ حاصل نے کہا تو کیا آپ علم غیب کے مدعی ہیں۔ ابو حاتم نے جواب دیا کہ تم اور ماہرین فن سے پوچھو۔ اگر وہ میرے ہمنواں ہوں تو سمجھنا کہ میں نے سچا نہیں کہا۔ سائل نے ابو زرہ سے وہ حدیثیں جا کر دریافت کیں۔ انھوں نے ابو حاتم کی موافقت کی۔ تب سائل کو تسکین ہوئی۔

بعض محدثین کا قول ہے افترجھم علی قلوبہم لا یمكنہم مرد وھیلۃ نفسا نیتۃ (امعدل لہم) یعنی وہ ایک امر ہے جو ائمہ حدیث کے دل پر وارد ہوتا ہے اور وہ اسکو رد نہیں کر سکتے اور نفسانی اثر ہے جس سے گریز نہیں ہو سکتا۔ محدثین کا یہ دعوے بالکل صحیح ہے۔ بے شبہ فن روایت کی عمارت سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس سے خود تمیز ہو جاتی ہے کہ یہ قول رسول اللہ کا ہو سکتا ہے یا نہیں۔

اسی طرح شریعت کے احکام اور مسائل۔ اور انکے اسرار و مصلح کے نتیجے اور تفرار سے ایسا ذوق چل ہو سکتا ہے۔ جس سے یہ تمیز ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ نے یہ حکم دیا ہو گا۔
 فتح النیث صفحہ ۹۰ فتح المغیث صفحہ ۹۰

یا نہیں۔ لیکن ان اسلام اور مصالح کا نتیجہ محدث کا فرض نہیں ہے۔ وہ مجتہد کے ساتھ ملتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب ان وقیقہ کے لحاظ سے امام ابو حنیفہ نے بعض حدیثوں کو محل قرار دیا تو ارباب ظاہر نے مخالفت کی اور بعضوں کو بدگمانی ہوئی کہ امام صاحب حدیث کو عقل و واسطے کی بنا پر رد کرتے ہیں۔ لیکن انصاف پسندانہ صاف کر سکتا ہے کہ جب روایات اور ظاہر الفاظ کے استقراء سے محدثین کو ایسا مذاق پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ایک حدیث کو جس میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں۔ رد کر سکتے ہیں۔ رد کر سکتے ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ جس شخص نے وقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ احکام شریعت کے اسلام اور مصالح کا نتیجہ کیا ہو وہ ایسے دجھان اور ذوق سے محروم رہے البتہ یہ نہایت نازک اور ذمہ داری کا کام ہے جس کا صرف وہ شخص متکفل ہو سکتا ہے جو بہت ہی بڑے عالم مجتہد۔ محدث۔ وقیقہ بین۔ مؤید بتائید الہی ہو۔ لیکن ان شرطوں کا جامع امام احمد سے زیادہ کون ہو سکتا ہے۔

مراتب حدیث
کا تفاوت

نہایت متم بالشان اور وقیقہ چیز جو امام ابو حنیفہ نے اس فن میں اضافہ کی وہ احادیث کے مراتب کا تفاوت اور ان تفاوتوں کے لحاظ سے احکام شریعہ کی تقسیم ہے۔ احکام اور مسائل کا پہلا ماخذ قرآن ہے جس میں کسی کو گفتگو نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے بعد حدیث کا درجہ حدیث اور قرآن میں اصل امر کے لحاظ سے تو چند ان فرق نہیں۔ وہ وحی متلو ہے اور جو متلو ہے کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حیثیت سے ہے۔ اگر کوئی حدیث آئی تو اسے قطعیت سے ثابت ہو جس طرح قرآن ثابت ہے تو اثبات احکام میں وہ قرآن کے ہم پلہ ہے لیکن حدیثوں کے ثبوت کے مراتب متفاوت ہیں۔ اور احکام کے ثبوت کی انہیں تفاوتوں کے لحاظ کی ضرورت ہے۔ محدثین نے حدیث کی جو تقسیم کی ہے ان میں

حسن - ضعیف - مشہور - عزیز - غریب - وغیرہ اس کے اختلاف مراتب سے احکام پر چندان اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ ان قسموں میں سے محدثین صرف ضعیف کا اعتبار نہیں کرتے۔ باقی اقسام کو قریباً یکساں قابلِ حجت قرار دیتے ہیں۔ محدثین کو اس سے زیادہ تدقیق اور ابتداً مراتب کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ استنباط احکام اور تفریع مسائل انکا فرض نہ تھا لیکن امام ابوحنیفہ کو تدوین فقہ کی وجہ سے جس کے وہ بالی اول ہیں زیادہ تدقیق اور فرق مراتب کی ضرورت پڑی۔ انھوں نے نوعیت ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں قرار دیں۔

(۱) متواتر یعنی وہ حدیث جسکی رواۃ ہر طبقہ روایت میں اس کثرت سے ہوں جسکی تواثر علی الکلام کا گمان نہیں ہو سکتا۔ یعنی رسول اللہ سے بشمار لوگوں نے روایت کی ہو اسی طرح ان لوگوں سے لیکر اخیر زمانہ تک بشمار رواۃ روایت کرتے آئے ہوں۔

(۲) مشہور یعنی وہ حدیث جسکی رواۃ پہلی طبقہ روایت میں تو بہت نہ ہوں لیکن دوسرے طبقہ سے اخیر تک اسی کثرت سے ہوں جو متواتر کے لئے مشروط ہے۔

(۳) احاد۔ جو متواتر اور مشہور نہ ہو۔ اس تقسیم کا اثر انکی رائے کے موافق احکام شرعیہ پر چوتراں ہے وہ یہ ہے کہ متواتر سے فرضیت اور کنیت ثابت ہو سکتی ہے مشہور کا درجہ چونکہ متواتر سے کم ہے۔ اس لئے اس سے فرضیت کا اثبات تو نہیں ہو سکتا۔ لیکن قرآن میں جو حکم مطلق ہو حدیث مشہور سے مقید ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس سے زیادہ علی الکلام ہو سکتی ہے۔ احاد کا ثبوت چونکہ بالکل غلط ہے اسی لئے وہ قرآن کے احکام منصوصہ پر کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتی۔ یہ مسئلہ اگرچہ نہایت واضح اور صاف ہے لیکن تعجب ہے کہ امام شافعی اور بعض اور محدثین اسکے مخالفین ہیں امام بیہقی وغیرہ نے بعض مناظرات نقل کئے ہیں جو امام شافعی اور امام محمد بن واقع ہوئے اور جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی نے امام محمد کو ہند کر دیا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک

یہ مناظرے فرضی مناظرے ہیں جنکا ثبوت اصول روایت کے مطابق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے اس قدر ضرورت ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا انتساب۔ امام ابو حنیفہ کی طرف ضرور صحیح ہے۔ قوی سے قوی اعتراض اس مسئلہ پر جو کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ اسکے پابند نہ رہ سکے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ الباقیہ میں لکھا ہے کہ امام شافعی نے امام محمد سے کہا کہ کیا آپ کے نزدیک خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہیں ہو سکتی امام محمد نے کہا ہاں امام شافعی نے کہا قرآن مجید میں وارثوں کے حق میں وصیت کا حکم ہے آپ اس حدیث کی بنا پر لا وصیۃ الوداث وصیت کو ناجائز کیوں قرار دیتے ہیں۔

غالباً شاہ صاحب نے یہ روایت بیہقی کی کتاب مناقب الشافعی سے لی ہے جس میں اور بھی بہت بے سرو پا روایتیں مذکور ہیں لیکن ہم شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک وارثوں کے حق میں وارثت کا حکم کسی حدیث سے نہیں منسوخ ہوا بلکہ خود قرآن مجید کی اس آیت سے جس میں توریت کے احکام ہیں۔ یہ صرف حنفیوں ہی کی رائے نہیں بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے (الا انشاؤنا الذین ہم)

ان مسائل پر اور بھی بہت سی بحثیں پیدا ہو گئی ہیں جنکی تفصیل ہم نہیں کر سکتے۔ لیکن اخبار احاد کی بحث اور اس سے عقائد اسلام پر جو اثر پڑتا ہے اسکو ہم اس موقع پر تفصیل سے لکھتے ہیں کیونکہ بعض محدثین کو زیادہ تر اسی مسئلہ میں ان سے اختلاف ہے۔

اخبار احاد کی نسبت اگرچہ محققین اور اکثر ائمہ حدیث کا یہی مذہب ہے کہ وہ ظنی الثبوت ہیں لیکن ایک فرقہ اسکے خلاف بھی ہے۔ جسکے سرگروہ علامہ بن الصلاح ہیں۔ اگرچہ علامہ بن الصلاح نے بھی اخبار احاد کی تمام اقسام کو قطعی نہیں تسلیم کیا ہے۔ انھوں نے حدیث صحیح کی سات قسمیں کی ہیں (۱) جیسر بخاری و مسلم دونوں متفقین (۲) بخاری متفقہ دونوں

(۳) مسلم متفقہ دہون (۴) بخاری و مسلم نے اسکو روایت نہ کیا ہو لیکن انکی شرطوں کے موافق ہو۔
 (۵) صرف بخاری کی شرط پر ہو۔ (۶) صرف مسلم کی شرط پر ہو۔ (۷) بخاری و مسلم کی شرط کے
 موافق نہ ہو۔ لیکن اور محدثین نے اسکو صحیح تسلیم کیا ہو۔ ان سات قسموں میں سے علامہ ابن
 الصلاح پہلی قسم کو قطعی الصحتہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں وھذا القسم جمیعہ مقطوعہ
 بصحتہ و العلم النظری و اقم بہ متفرعات بخاری و مسلم کی نسبت انکی رائے
 ہے کہ اسی قبیل میں داخل ہیں۔ بجز ان چند حدیثوں کے جن پر دافطنی وغیرہ نے جرح کی ہے
 ابن الصلاح کا قول۔ اگرچہ ظاہر بنیوں میں اور بالخصوص آج کل زیادہ رواج پا گیا ہے۔ لیکن
 کچھ شبہ نہیں کہ وہ بالکل غلط اور سبب دلیل خیال ہے۔ اور خود ائمہ حدیث اسکے مخالف ہیں
 علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں ابن الصلاح کا قول تفصیلاً نقل کر کے لکھتے ہیں وھذا
 للذی ذکرہ الشیخ فھذہ المواضع خلاف ما قولہ المحققون ولا کثرون
 فانہم قالوا احادیث الصحیحین اللہی لیسبت بمتواترۃ انما تنفید الظن فانہا
 احادیث الاحاد انما تنفید الظن علی ما تقرر و لا فرق بین البخاری و مسلم وغیرہما و ذلک
 یعنی شیخ ابن الصلاح۔ نے ان موقوفون پر کچھ کہا وہ متحققین اور اکثرین کی رائے کے خلاف
 ہے کیونکہ متحققین اور اکثرین کا قول ہے کہ صحیحین کی حدیثیں جو تواتر کے رتبہ کو نہیں پہنچی
 میں صرف ظن کی مقید ہیں۔ کیونکہ وہ اخبار احاد ہیں اور اخبار احاد کی نسبت ثابت ہو چکا
 ہے کہ ان سے صرف ظن پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اسباب میں بخاری و مسلم اور لوگ سب
 برابر ہیں۔ ابن الصلاح کے قول کو اور ائمہ فن نے بھی رو کیا ہے لیکن ہم اس بحث کو تقابلی
 طور سے طے کرنا نہیں چاہتے۔ ہم کو خود غور کرنا چاہیے کہ اخبار احاد سے یقین پیدا
 ہو سکتا ہے یا ظن۔

احادیث
بخاری و
مسند کی تحقیق

کسی حدیث کو جب ایک محدث گو کہ وہ کسی رتبہ کا ہو۔ صحیح کہنا ہے تو اس کا یہ دعویٰ حقیقت
چند ضمنی دعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ روایت متصل ہے۔ اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔
ضابطۃ القلب پیش۔ روایت میں سند و زینین ہے۔ کوئی علت قادحہ نہیں ہے۔ یہ سب امور ظنی
اور اجتہادی ہیں۔ جن پر یقین کی بنیاد قائم ہو سکتی۔ جس طرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے
استنباط کر کے اپنی دانست میں صحیح سمجھتا ہے اور اس کی صحت یقینی نہیں ہوتی۔ کیونکہ استنباط میں
جن مقدمات سے اس نے کام لیا ہے اکثر اسکے غنایات ہیں۔ اسی طرح حدیث کا حال ہے۔ کسی حدیث
کو صحیح کہنا محدث کے غنایات و اجتہادات پر مبنی ہے ایک یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح
کہا ہے۔ اور دوسرے شخص اس کی صحت نہیں تسلیم کرتا تو وہ صرف اس گناہ کا مجرم ہے کہ اس حدیث
یا محدثین کے اصول تحقیق تو اعداد استنباط۔ طریق روایت۔ غرض ان کے اجتہادات اور مبرعوات
کا مخالف ہے۔

حدیث کی تحقیق و تنقید کے لئے محدثین نے جو اصول مقرر کئے ہیں اور جن پر احادیث کی
صحت کا مدار ہے۔ سب عقلی اور اجتہادی مسائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان میں خود محدثین
باہم اختلاف عظیم رکھتے ہیں۔ ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حدیث کا فن نقلی ہے نہ عقلی لیکن جس
شخص نے اصول حدیث پر غور کیا ہے وہ اس خیال کی غلطی کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اسی نکتہ
کی طرف امام ابو حنیفہ نے اشارہ کیا ہے کہ هذا اللذی نحن فیہ سافوا لا یجوز علیہ احد
اولا نقول یحییٰ علیہ السلام قبول بعضون نے غلطی سے امام صاحب کے اس وسیع قول کو فقہ پر محدود
سمجھا۔ لیکن انکو معلوم نہیں کہ مجتہد کو مسائل سے زیادہ مسائل کے مآخذ سے بحث ہوتی ہے
اصول حدیث کے ظنی اور اجتہادی ہونے کا ہی اثر ہے کہ محدثین کو احادیث کی صحت و عدم
صحت میں باہم اختلاف ہوتا ہے۔ ایک محدث ایک حدیث کو نہایت صحیح۔ مستند واجب العمل

قرار دیتا ہے۔ دوسرا اسی کو ضعیف بلکہ موضوع کہتا ہے۔ محدث ابن جوزی نے بہت سی حدیثوں کو موضوعات میں داخل کیا ہے۔ جنکو دوسرے محدثین صحیح اور حسن کہتے ہیں۔ ابن جوزی نے تو یہ قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثوں کو موضوع لکھ دیا۔ علامہ سخاوی لکھتے ہیں۔

بل رہا ادرہج ذیہا الحسن والصیح ماہر فی احادی الصحیحین فضلہ عن غیرہما
ابن جوزی نے جن اور صحیح تک کو بخاری یا مسلم میں موجود ہیں موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ دوسری کتابوں کا کیا ذکر ہے؟ بے شبہ ابن جوزی نے اس افراط میں غلطی کی۔ لیکن غلطی ایک اجتہادی غلطی ہے۔ جس کا اصل یہی قدر ہے کہ انھوں نے بخاری یا مسلم کی صحیح اجتہاد کو غلط خیال کیا۔ ان اصولی اختلافات کی وجہ سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں جو اختلاف پیدا ہو گئے ہیں انکا استقصا کر کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حدیث مرفوعہ کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ تک متصل ثابت ہو لیکن اتصال کے ثبوت کے جو طریقے تسلیم کئے ہیں ان میں اکثر ظنی اور اجتہادی ہیں۔ صحابہ کرام ان الفاظ کو۔ یہ ائمہ سنت ہے، ہلکو یہ حکم دیا گیا تھا، ہم اس بات سے روکے گئے تھے، رسول اللہ کے زمانہ میں ہم فلاں کام کرتے تھے، یا ہم اسکو برا نہیں سمجھتے تھے اکثر ان میں مرفوع قرار دیا ہے۔ اور بعضوں نے یہاں تک وسعت دی کہ جن حدیثوں میں یہ الفاظ تھے ان کو ان لفظوں سے روایت کر دیا کہ رسول اللہ نے یہ فرمایا، حالانکہ یہ الفاظ تھے ان کو ان لفظوں سے روایت کر دیا کہ رسول اللہ نے یہ فرمایا، حالانکہ یہ الفاظ اس معنی میں قطعی الدلالتہ نہیں ہیں۔ بلکہ صحابہ کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہیں جسکی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے کہ فقہ الصحابی لیس محبتہ یعنی صحابی کی سمجھ کوئی دلیل نہیں۔ اسی بنا پر بعض علمائے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ الفاظ اتصال وضع کئے کافی نہیں ہیں۔

امام شافعی۔ ابن حزم ظاہری۔ ابو بکر رازی۔ اور دیگر محققین نے صحابہ کے اس قول کو کہ
 "یصل سنت ہے" حدیث مرفوع نہیں قرار دیا۔ کتب سیر و احادیث میں بیسیوں مشایخ
 ملتی ہیں جنہیں صحابی نے یہ الفاظ استعمال کیے اور وہ حدیث نبوی نہ تھی۔ بلکہ خود ان کا قیاس
 واجتہاد تھا۔ لیکن اکثر محدثین نے ان حدیثوں کو مرفوع کہا۔ اس خیال نے یہ آفت پیدا کی
 کہ اسکی بنا پر بعض روایہ نے صریح مرفوع الفاظ میں حدیث کی روایت کر دی۔ جسکی وجہ سے
 ایک عام شبہ پیدا ہو گیا۔

معنعن روایتوں میں اتصال کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے۔ حالانکہ اس قسم کی روایتیں
 کثرت سے ہیں۔ امام بخاری کا مذہب ہے کہ معنعن حدیثوں میں اگر یہ ثابت ہو کہ راوی اور
 مروی حذر دونوں ہنرمان تھے اور کبھی بے بھی تھے تو وہ حدیث متصل سمجھی جائے گی۔ امام مسلم
 حالانکہ امام بخاری کے شاگرد اور زیادہ تر انہیں کے طریقے کے پیرو تھے۔ تاہم انہوں
 نے نہایت سختی سے اس شرط کی مخالفت کی اور صرف ہنرمان ہونا کافی سمجھا اس اختلاف
 کا نتیجہ ہے کہ امام بخاری کے اصول کے موافق۔ امام مسلم کی وہ تمام معنعن روایتیں جن میں
 تقابلیں ثابت ہیں موقوف ہیں۔ حالانکہ امام مسلم انکو متصل سمجھتے ہیں۔ اور اسپر انکو یہاں تک
 اصرار ہے کہ اپنے مخالفین کو سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ امام مسلم نے تو زیادہ توسیع کی
 لیکن امام بخاری کی شرط کے موافق بھی۔ معنعن روایت میں اتصال کا ثبوت محض ظنی ہے
 یہ کچھ ضرور نہیں کہ دو شخص ہنرمان اور ہم تھا ہوا تو انکی روایتیں ہمیشہ بالذات ہوں جہاں
 حد ثنا اور اخبار نا ہو گا۔ وہاں ایسا ہونا البتہ ضرور ہے۔ لیکن اگر یہ الفاظ نہیں ہیں اور
 راوی نے سن کے لفظ سے روایت کی ہے تو اتصال کا خیال قیاس غالب ہو گا لیکن
 لے دیکھو مقدمہ صحیح مسلم

معنعن
روایتیں

یقینی نہ ہوگا۔ حدیث و سیر میں بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں کہ درودی۔ ایک زمانہ میں تھے اور
الکسین ملاقات بھی تھی۔ تاہم ایک نے دوسرے سے بعض روایتیں ہوا سلمہ لکھیں۔ روزمرہ کے
تجربوں میں اسکی سیکڑوں شہادتیں ملتی ہیں۔

رجال کی
تفقیہ

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے۔ اخبار احاد کا تمام تر مدار رجال پر
ہے۔ لیکن رجال کی تنقید و توثیق۔ ایسا طبعی مسئلہ ہے۔ جس کا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور
اور قلیل الوجود ہے۔ ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت ثقہ۔ نہایت متدین۔ نہایت
راستباز سمجھتے ہیں اسی شخص کو بہت سے لوگ ضعیف الروایہ۔ غیر ثقہ۔ ناقابل اعتبار خیال
کرتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ دونوں فریق اس رتبہ کے ہوتے ہیں جنکی عظمت و شان سے
انکار نہیں کیا جاسکتا۔ امام بخاری و مسلم بن گواہی ساخت اختلاف نہیں ہے۔ تاہم بہت
سی رواد ہیں جنکو ان دونوں اماموں میں سے ایک قابل حجت سمجھا ہے اور دوسرا نہیں سمجھا
علامہ نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں بعضوں کے نام بھی لکھے ہیں۔ اور محدث
حاکم۔ کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد جن سے امام مسلم نے منہج
میں احتجاج کیا ہے اور امام بخاری نے جامع صحیح۔ میں ان سے حجت نہیں لی ۶۲۵ ہے۔

میزان الاعتدال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں رواد ہیں جنکی جرح
و تعدیل مختلف فیہ ہے اور ایسا ہونا ضرور تھا۔ کسی شخص کے ان تمام اوصاف و عادات پر مطلع
ہونا۔ جنکا اثر روایت کی قوت و ضعف پر پڑ سکتا ہے۔ مدوں کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف
ہے۔ جو لوگ جرح و تعدیل کے کام میں مصروف تھے سیکڑوں ہزاروں رادوں سے ایسی عیق
واقفیت کیونکر چل کر سکتے تھے۔ اسی لئے مختلف قرآن ظاہری آثار۔ عام شہرت سمعی
روایتوں سے۔ کام لینا پڑتا تھا اور بہت کم قطعی فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ محدثین نے

ان متعارضات کے رفع کرنے کے لئے اصول قرار دیے ہیں۔ لیکن وہ اصول خود اجتہاد کی اور مختلف فیہ ہیں۔ اسکے علاوہ متعدد موقعوں پر محدثین کو خود اپنے اصول سے انحراف کرنا پڑتا ہے۔ جرج کو عموماً تعدیل پر مقدم مانا گیا ہے۔ لیکن بہت سی رواۃ ہیں جنکی نسبت اس قاعدہ کی پابندی نہیں کی جاتی۔ محمد بن بشر المصری۔ احمد بن صالح مصری۔ عکرمہ مولیٰ ابن عباس کی نسبت مفسر جرہین موجود ہیں تاہم ان جرہون کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

تعجب یہ ہے کہ جارجین و معدلین دونوں ائمہ فن ہوتے ہیں اور انکی راویوں میں اس قدر اختلاف ہوتا ہے جس سے تعجب پیدا ہوتا ہے۔ جارج جعفری کو فی۔ ایک مشہور راوی ہے۔ جسکو دعویٰ تھا کہ مجھکو پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ اسکی نسبت ائمہ جرج و تعدیل کی یہ رائے ہیں سفیان کا قول ہے کہ میں نے جارج سے زیادہ محتاط حدیث میں نہیں دیکھا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ جارج جب اخبار نا واحد بنا کہیں تو وہ الناس میں نام سفیان تو رسی شعبہ سے کہا کہ اگر تم جارج جعفری میں گفتگو کرو گے۔ تو میں تم میں گفتگو کروں گا۔ وکیع۔ کا قول ہے کہ تم لوگ اور کسی بات میں شک کرو تو کرو۔ لیکن اس بات میں کچھ شک نہ کرو کہ جارج جعفری۔ ثقہ ہیں۔ اسکے مقابلہ میں اور ائمہ فن کی رائے ہیں جسکے یہ الفاظ ہیں کہ وہ متروک ہے۔ کتاب ہے۔ وضلع ہے چنانچہ اخیر فیصلہ جو پچھلے محدثوں نے کیا وہ یہی ہے کہ جارج کی روایت قابل اعتبار نہیں۔

اس سے یہ غرض نہیں کہ جرج و تعدیل کا فن ناقابل اعتبار ہے۔ بلکہ یہ مقصود ہے کہ جن سائل اور طرق سے رجال کے حالات قلمبند کئے گئے اور کئے جاسکتے تھے۔ انکا مرتبہ ظن غالب یا محض ظن سے فائق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اسپر تعلیقات اور قطعیات کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی۔ ان امور کے بعد تاویہ معنی کی بحث باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور محدثین کے اصول کے موافق متصل بھی ہے۔ رواۃ بھی ثقہ ہیں۔ رشد و ذہبی نہیں ہے لیکن یہ بحث

ادلے
مطلب

اب بھی باقی ہے کہ راوی نے اس لئے مطلب کیونکر کیا؟ موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتیں ملحوظ رکھیں یا نہیں؟ فہم مطلب۔ یا طریقہ ادا میں تو کوئی غلطی نہیں کی؟ چونکہ یہ مسلم ہے کہ حدیثیں اکثر بالمعنی روایت کی گئی ہیں اس لئے ان احتمالات کو زیادہ قوت پر عطا ہے۔ صحابہ کے زمانہ میں کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تھا۔ تو اسی بنا پر کیا جاتا تھا ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور انکی روایت میں انقطاع کا کوئی احتمال نہ تھا۔ صحیح مسلم باب التیمم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجھ کو غسل کی حلیت ہوئی اور پانی نہ مل سکا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو۔ عمار۔ موجود تھے انھوں نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ سے ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اس موقع پر آپ بھی موجود تھے۔ حضرت عمر نے کہا۔ آق اللہ یا عمار۔ یعنی دواسے عمار خدا سے ڈرو، یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر۔ عمار کو کا ذیل روایت نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن اس احتمال پر کہ شاید اسے مطلب میں غلطی ہوئی۔ یہ الفاظ فرمائے چنانچہ عمار نے کہا۔ دو کہ اگر آپ کی مرضی نہ ہو تو میں یہ حدیث نہ روا کیا کروں؟ اخبار احاد کی بحث کو پہنچنے قصداً اسی لئے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابو حنیفہ پر رد و قبح کرتے ہیں۔ حالانکہ امام صاحب کا مذہب۔ نہایت تحقیق اور وقت نظر پر مبنی ہے۔

یہ تمام احتمالات اور اجتادات اخبار احاد کے ساتھ مخصوص ہیں۔ متواتر اور مشہور ہیں ان بحثوں کا مسلخ نہیں۔ انہیں وجوہ اور اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائیں پیدا ہو گئیں۔ معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا۔ ان کے مقابلہ میں بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا۔ صرف یہ شرط لگائی کہ رواۃ ثقہ ہوں۔ اور انقطاع و تشذوذ علت نہ ہو۔ بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو قطعی کہتے ہیں لیکن

جزئیات احکام اور مسائل اعتقادی میں اس کا خیال نہیں رکھتے۔ امام ابو حنیفہ نے اس بحث میں جو مسک اختیار کیا وہ نہایت معتدل اور انکی دقت نظر کی بہت بڑی دلیل ہے۔ انھوں نے نہ مترسے کی طرح سرے سے انکار کیا۔ نہ ظاہر بینوں کی طرح خوش اعتقادی سے اسکی قطعی تسلیم کی۔ امام صاحب کی یہ رائے بڑے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ عبداللہ بن مسعودؓ نے متعدد موقعوں پر خبر واحد کی تسلیم میں تردد کیا ہے۔ جبکی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہیں سمجھتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہؐ سے روایت کی کہ لا سکف ولا نفقة تو حضرت عمرؓ نے فرمایا لا اتوک کتاب اللہ بقول امرءة لا تلہی صدق امر کذبت یعنی ایک عورت کی روایت کی بنا پر جس کی نسبت معلوم نہیں کہ اسنے غلط کہا یا صحیح ہم کتاب الہی کو چھوڑ نہیں سکتے۔ فقہی احکام اس قاعدہ کی متعدد تفریعیں ہیں مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا نہیں ثابت ہو سکتا۔ کیونکہ فرضیت۔ ثبوت قطعی کی محتاج ہے البتہ اس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے اس لئے وجوب۔ تسنن۔ استحباب۔ ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر نماز میں قراۃ فاطمہ کو امام سائے فرض سمجھتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ۔ واجب۔ اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہیں۔

فقہ سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑتا ہے۔ اور یہی چیز ہے جسے ایک زمانہ کو امام ابو حنیفہ کا مخالف بنا دیا تھا۔ امام صاحب نے مذکورہ بالا قاعدہ کی بنا پر یہ اصول قرار دیا تھا کہ جو مسائل اور عقائد اسلام میں متفق علیہ ہیں انکے خلاف اخبار احاد۔ قابل اعتبار نہیں مثلاً انبیاء کی عصمت۔ اہل حق کا ایک مسلمہ مسلہ ہے۔ اسکے برخلاف۔ جن روایتوں سے انبیاء کا ترک کیا ہو ثابت ہو تا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے اصول کے موافق وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں۔ اس اصول کی بنا پر بہت سے اشکالات سے جو ملاحضہ پیش کرتے ہیں نجات

خبر واحد
میں صحابہ
نے شک کیا

اس قاعدہ کا
اثر علم کلام کی
مسائل پر

مندی ہے لیکن افسوس ہے کہ اکثر ارباب روایت نے اس عمدہ اصول کی قدر نہ کی بلکہ الٹی اور مخفی
 کی۔ علامہ بن عبد البر نے جو مشہور محدث ہیں کتاب الکافی میں لکھا ہے کہ ان من مذهب
 الامام ابی حنیفہ فی اخبار احاد ان لا یقبل منها الخالف الاصول الجمع علیہا
 فانکو علیہ اصحاب الحدیث فافطوا یعنی اخبار احاد میں امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب
 تھا کہ اصول متفق علیہ کے خلاف ہو تو قابل قبول نہیں۔ اس پر اصحاب حدیث نے انکی
 مخالفت کی اور انراط کو پہنچا دیا۔

محدثین اور امام ابو حنیفہ کے اصول میں علانیہ فرق ہے کہ جو حدیث اصول متفق علیہ ہے
 خلاف ہو تو تھی محدثین اسکی صحت کو تسلیم کر کے تاویل سے کام لیتے تھے حالانکہ اکثر جگہ نفس بذات
 تاویل ہوتی تھی بخلاف اسکے امام صاحب اس طرف مائل ہوتے تھے کہ چونکہ وہ حدیث متواتر
 اور مشہور نہیں ہے اس لئے ممکن ہے کہ رواۃ نے غلطی یا مسامحت کی ہو۔ امام فخر الدین رازی
 نے تفسیر کبیر میں ایک بحث لکھی ہے جو اس موقع کی ایک عمدہ مثال ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک
 شخص سے میں نے کہا کہ یہ حدیث جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم تین بار جھوٹا ہوا
 صا کذب ابراہیم ثلاث کذبات صحیح نہیں۔ کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا انخوذ بالشر کا قیام
 ہونا لازم آتا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ اس حدیث کی رواۃ ثقہ ہیں انکو کاذب کیونکہ کہا جاوے۔ میں نے
 جواب دیا کہ حدیث کو صحیح مانتا تو حضرت ابراہیم کا کذب لازم آتا ہے۔ اور غلط تسلیم کرین تو راوی
 کو کاذب مانتا ہوتا ہے۔ لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ حضرت ابراہیم کو راوی پر ترجیح دینا امام رازی
 کا استدلال۔ امام ابو حنیفہ کے اسی خیال پر مبنی ہے۔ یعنی چونکہ انبیاء کا عصوم اور صادق ہونا
 متفق علیہ ہے۔ اسی لیے خبر واحد کے متعارض نہیں ہو سکتی۔ افسوس ہے کہ محدث قسطلانی
 نے اس عبارت کو حافظ ابو الخاسر نے عقود النعمان میں نقل کیا ہے۔ ۱۲

صحیح بخاری کی شرح میں اس استدلال کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ جب ردائہ لقمہ ہیں تو حدیث کو بہر حال صحیح ماننا چاہیئے

اسی اصول پر امام صاحب اساتذہ کے قائل ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورہ کے شروع میں جزو قرآن نہیں ہے۔ امام شافعی۔ اور بعض محدثین اس کے خلاف ہیں اور سند میں چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ قرآن تو اتر سے ثابت ہے اور جو اتر سے ثابت ہے وہی قرآن ہے۔ اخبار احاد سے قرآن نہیں ثابت ہو سکتا۔ اسی طرح امام صاحب کے اصول کے مطابق۔ وہ روایتیں قابل اعتناء نہیں جن میں عبد اللہ بن مسعود کی طرف معوذتین کا انکار منسوب کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان روایتوں کو صحیح تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ روایت سے انکار نہیں کرنا چاہیئے کہ معوذتین متواتر نہیں ہیں۔ یا تو اتر کا اتنا رتبہ گننا نا ہو گا کہ رسول اللہ کے اصحاب کو بھی اُس سے واقف ہو تا ضرور نہ ہو امام صاحب کے اس اصول کے مطابق اسلام کا دائرہ اُس قدر وسیع رہتا ہے جس قدر کہ اُس کو رہنا چاہیئے۔ بخلاف اسکے اور لوگوں کی رائے کے مطابق اسکی وسعت نقطہ سے بھی کم رہ جاتی ہے مثلاً یہ مسلم اور یقینی ہے کہ جو شخص توحید و نبوت کا قائل ہے اور دل سے اُس پر اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن مجید کی نص کے مطابق مسلمان ہے۔ اب اسکے مقابلہ میں وہ حدیثیں جو قطعی الثبوت نہیں ہیں۔ اور جنہیں بہت سے خارجی امور پر کفر کا حکم دیا گیا ہے۔ کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتیں اسی بنا پر امام صاحب معتزلہ قدریہ۔ جمیہ۔ وغیرہ کو کافر نہیں کہتے تھے اور اس قسم کی حدیثوں کا کہ ”بہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہے اور باقی روزخی“ اعتبار نہیں کرتے تھے۔ لیکن بہت سے ظاہر مبینوں نے ان حدیثوں کا یہ رتبہ قائم کیا کہ انکی بنا پر بات بات پر کفر کے فتوے دیے یہاں تک کہ جو شخص وضع قطع میں ذرا بھی کسی دوسرے کے مشابہ ہو جائے وہ کافر ہے خود متاخرین خفیہ نے امام صاحب کے اس عمدہ اصول کو نظر انداز کر دیا

اور سیکڑوں ہزاروں مسئلے کفر کے ایجاد کر دیے جنکی تفصیل سے فقہ کی کتابین مالا مال ہیں۔

فقہ

اسلامی علوم مثلاً تفسیر حدیث فقہ مغازی۔ انکی ابتداء اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی لیکن جسوقت تک انکو فن کی حیثیت نہیں چل ہوئی وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں ہوئے۔ دوسری صدی کے اوائل میں تدوین و ترتیب شروع ہوئی ہے اور جن لوگوں نے تدوین و ترتیب کی وہ ان علوم کے بانی کہلائے چنانچہ بانی فقہ کا لقب۔ امام ابوحنیفہ کو ملا جو درحقیقت اس لقب کے سزاوار تھے۔ اگر ارسطو علم منطق کا موجد ہے تو بے شہر امام ابوحنیفہ بھی علم فقہ کے موجد ہیں۔ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے اس لئے ہم اسپر تفصیلی بحث کرنی چاہتے ہیں لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہے کہ مختصر طور پر ہم علم فقہ کی تاریخ لکھیں جس سے ظاہر ہو کہ علم کب شروع ہوا اور کیونکر شروع ہوا؟ اور خاص کر یہ کہ امام ابوحنیفہ نے جب اسکو پایا تو اسکی کیا حالت تھی؟

فقہ کی مختصر تاریخ

فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے جس کا انتقا ہمارے لئے کافی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے زمانہ میں احکام کی تسمین نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے۔ اور کچھ نہ بتاتے تھے۔ کہ یہ رکن ہے۔ یہ واجب ہے۔ یہ مستحب ہے۔ صحابہ ایک دیکھ کر۔ اسی طرح وضو کرتے تھے۔ نماز کا بھی یہی حال تھا یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے۔ جس طرح رسول اللہ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا۔ لیکن انھوں نے رسول اللہ کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب سب قرآن میں موجود ہیں البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے

پیش آتے تھے اُن میں لوگ آنحضرت سے استفعا کرتے اور آنحضرت جواب دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپ نے آپس پر تحمین کی یا اس سے نارضا مند غلطی ہر کی۔ اس قسم کے فتاوے اکثر عام مجمعوں میں ہوتے تھے۔ اور لوگ آنحضرت کے اقوال کو محفوظ رکھتے تھے۔

وہ آنحضرت کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث یہ پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا۔ صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں کتنے مسنون اور مستحب۔ اس تفریق کے لئے جو اصول قرار دیے جاسکتے تھے۔ اُن پر تمام صحابہ کی رايوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لئے مسائل میں اختلاف آرا ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رايوں قائم ہوئیں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں انکا عین دائرہ بھی پایا گیا تھا۔ صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط۔ تفریق۔ حمل النظیر علی النظیر۔ قیاس۔ سے کام لینا پڑا۔ ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے۔ اس لئے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ ہی کے زمانہ میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہو گئے صحابہ میں سے جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا۔ اور مجتہد یا فقیہہ کہلائے اُن میں سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے۔ عمر۔ علی۔ عبد اللہ بن مسعود۔ عبد اللہ بن عباس۔ حضرت علیؓ و عبد اللہ بن مسعود زیادہ تر کوفہ میں رہے اور وہیں اُن کے مسائل و احکام کی زیادہ

مجتہدین
صحابہ

ترقی پج ہوئی۔ اس تعلق سے کوہ۔ فقہ کا دارالعلوم بن گیا۔ جس طرح کہ حضرت عمر و عبد اللہ بن عباس کے تعلق سے حرمین کو دارالعلوم کا لقب چل ہوا تھا۔

و حضرت علیؑ اپچین سے رسول اللہ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ اور جعفرؑ انکو آنحضرتؐ کے اقوال و افعال سے مطلع ہونے کا موقع ملا تھا کسی کو نہیں ملا تھا۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایہ کیوں ہیں۔ فرمایا کہ میں آنحضرتؐ سے کچھ دریافت کرتا تھا تو بتاتے تھے اور چپ رہتا تھا تو خود اہدیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ذہانت قوت استنباط۔ ملکہ استخراج۔ ایسا بڑا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ۔ اعتراف کرتے تھے حضرت عمرؓ کا عام قول تھا کہ وہ خدا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ ان پر سے اور علیؑ موجود نہ ہوں۔ عبد اللہ بن عباس۔ خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ ”جب ہکو علیؑ کا فتویٰ مل جائے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں“۔

عبد اللہ بن مسعود

عبد اللہ بن مسعود بھی حدیث و فقہ۔ دونوں میں کامل تھے۔ رسول اللہ کے ساتھ جس قدر جلوت و خلوت میں وہ ہمدم و ہمراز رہے تھے بہت کم لوگ رہے ہونگے صحیح مسلم میں ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ ہم میں سے آئے اور کچھ دنوں تک (مدینہ میں) رہے ہم نے عبد اللہ بن مسعود۔ کو رسول اللہ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم انکو رسول اللہ کے اہلبیت سے گمان کرتے رہے، ”عبد اللہ بن مسعود کو دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جسکی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کس باب میں اتری ہے،“ وہ کہا کرتے تھے کہ دعا اگر کوئی شخص قرآن مجید۔ کا مجھے زیادہ عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر جاتا، صحیح مسلم میں ہے کہ انھوں نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں۔ شقیق اس جلسہ میں موجود تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ

اس واقعہ کے بعد۔ میں اکثر صحابہ کے حلقوں میں شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود کے دعوے کا منکر نہیں پایا۔

عبداللہ بن مسعود۔ ہا قاعدہ طور پر حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے تھے اور ان کی درس گاہ میں بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا۔ جن میں سے چند شخص۔ یعنی اسود۔ عبیدہ حارث علقمہ۔ نہایت نام آور ہوئے علقمہ۔ رسول اللہ کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ عائشہؓ سعدؓ حذیفہؓ خالد بن الولیدؓ۔ خواب۔ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ خاص کر عبداللہ بن مسعود کی صحبت میں۔ اس التزام سے رہے تھے اور ان کے طور و طریقہ کے اس قدر قدم قدم چلتے تھے کہ لوگوں کا قول تھا کہ جسے علقمہ کو دیکھ لیا اسے عبداللہ بن مسعود کو دیکھ لیا۔ خود عبداللہ بن مسعود کا قول تھا کہ وہ جس قدر علقمہ کی معلومات ہیں۔ میری معلومات اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ صحابہ ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں اگر کوئی شخص۔ علقمہ کا ہمسر تھا تو اسود تھے۔

علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی۔ مسند نشین ہوئے۔ اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہاں تک کہ انکو فقیہ العراق کا لقب ملا۔ علم حدیث میں ان کا یہ پایہ تھا کہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے۔ امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز ہیں ان کی وفات کے وقت کہا کہ در ابراہیم نے کسی کو نہیں چھوڑا جو ان سے زیادہ عالم اور فقیہ ہو۔ ابراہیم ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ کیا حن بصری۔ اور ابن سیرین بھی شعبی نے کہا حن بصری اور ابن سیرین پر کیا حکم ہے۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ حجاز۔ میں کوئی شخص اس سے زیادہ عالم نہیں تھا۔ ابراہیم نخعی کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا جس کا ماخذ حدیث

ابراہیم
نخعی

بنوئی اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کے قیاس سے تھے۔ یہ مجموعہ گو مرتب طور پر نہیں کیا گیا لیکن اس کے شاگردوں کو اس کے مسائل زبانی یاد تھے۔ سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا۔ جو ابراہیم کے ملازمہ میں نہایت ممتاز تھے۔ پہنچا تو ان کے مرنے کے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی انہیں کو ملی۔ حماد نے گو فقہ کو چند ان ترقی نہیں دی لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔ حماد نے مسئلہ ہجری میں فضائل اور لوگوں نے انکی جگہ امام ابو حنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

امام صاحب کے زمانہ تک اگرچہ فقہ کے متعدد مسائل درون ہو چکے تھے لیکن اوّل تو یہ تدوین صرف زبانی روایت تھی۔ دوسرے جو کچھ کھان کی حیثیت سے نہ تھا نہ مستنبط استدلال کے قواعد قرار پائے تھے نہ احکام کی تفسیر کے اصول مضبوط تھے نہ حدیثوں میں امتیاز مرتب تھا اور شبہ النظیر علی النظیر کے قیاس سے مقرر تھے۔ مختصر یہ کہ فقہ جزیات مسائل کا نام تھا اور اسکو قانون کے رتبہ تک پہنچانے کے لئے بہت سے زینے باقی تھے۔ تاریخ سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام ابو حنیفہ کو خاص کسوجہ سے فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ قلابہ عقود العقیان کے مصنف نے کتاب الامتوجہ القسائل اسکا ایک قصہ نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ دو شخص حمام میں نہانے گئے اور حمامی کے پاس کچھ امانت رکھتے گئے۔ ایک ان میں سے نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی اسنے دیدی یہ دیکر چلتا ہوا۔ دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو اسنے عذر کیا کہ میں نے نہا لے کر سرکاب کو حاکم کر دی۔ اسنے عدالت میں استغاثہ کیا۔ قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھرایا۔ کہ جب دونوں نے ملکہ تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تمھکو ضرور تھا کہ دونوں کی موجودگی میں واپس آکر تیرے پاس لے آئے۔ امام ابو حنیفہ کے پاس آیا۔ امام صاحب نے کہا کہ تم جا کر اس شخص سے کہو کہ

امام ابو حنیفہ
کو فقہ کی تدوین
کا خیال کیونکر
پیدا ہوا

میں تمہاری امانت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن قاعدہ کے موافق۔ تنہا تم کو نہیں دے سکتا۔ شریک کو لاؤ تو لیجاؤ۔ اس واقعہ کے بعد امام صاحب کو فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ اور اسکی ترتیب شروع کی۔

ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن اس خیال کے پیدا ہونے کے اصلی اسباب اور تھے یہ
 امر تاریخون سے ثابت ہے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ کا خیال قریباً ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا
 یعنی جب اسکے استاد - حامد نے وفات پائی - یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام کا تمدن نہایت وسعت
 پکڑ گیا تھا - عبادات اور معاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہو گئے تھے اور
 ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسی طرح کام نہیں چل سکتا تھا - غیر
 سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اتحد وسعت
 حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت آسکا تحمل نہیں کر سکتی تھی ایسے وقت پر قدرتی طور پر
 لوگوں کے دل میں خیال آیا ہو گا کہ ان جزئیات کو اصول کے ساتھ ترتیب دیکر ایک سائنس
 بنا دیا جائے۔

امام ابو حنیفہ کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر متقیانہ واقع ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ تجارت کی وسعت اور ملکی تعلقات نے انکو معاملات کی ضرورتوں سے خبردار کر دیا تھا۔ اطراف و بلاد سے ہر روز جو سیکڑوں ضروری استقنائتے تھے ان سے انکو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کس قدر حاجت ہے فقہاء اور حکام۔ فصل قضایا میں جو غلطیاں کرتے تھے۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ غرض یہ اسباب اور وجوہ تھے جنہوں نے انکو اس فن کی تدوین وترتیب پر آمادہ کیا۔ لیکن ہے کہ کسی خاص واقعہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تیز کر دیا ہوئی جسکے ساتھ عملی کوشش کا تصور ہوا۔

”ماذہ جو فقہ
کی تدوین میں
شریک تھے

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پر
خطر کام تھا۔ اس لئے انھوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا
نہیں چاہا۔ اس غرض سے انھوں نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور شخص۔ انتخاب کیے
جنہیں سے اکثر خاص خاص۔ فنون میں جو تکمیل فقہ کے لئے ضروری تھے اساتذہ زمانہ تسلیم کئے
جاتے تھے۔ مثلاً یحییٰ بن ابی زایدہ۔ حفص بن غیاث۔ قاضی ابویوسف۔ داؤد الطائی۔ حبان
مسند حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے۔ امام زفر۔ قوت استنباط میں مشہور تھے
قاسم بن معن اور امام محمد کو اب اور عربیت میں کمال تھا۔ امام صاحب نے ان لوگوں کی
شرکت سے ایک مجلس مرتب کی۔ اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی امام طحاوی
نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ داؤد حنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ
کی تدوین کی چالیس تھے۔ جن میں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے۔ ابویوسف زفر داؤد الطائی۔ اسد بن عمر
یوسف بن خالد التیمی۔ یحییٰ بن ابی زایدہ۔ امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ کھنہ کی خدمت
یحییٰ سے متعلق تھی۔ اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے
کہ اس کلام میں کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی سلسلہ ہجری سے شہادت تک جو امام
ابو حنیفہ کی وفات کا سال ہے لیکن یہ غلط ہے کہ یحییٰ شروع سے اس کام میں شریک تھے۔ یحییٰ
سلسلہ میں پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے۔ طحاوی
نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں انکے سوا۔ عافیہ ازوی۔ ابو علی غری۔ علی مسہر۔ قاسم بن
معن۔ حبان۔ مسند۔ بھی اس مجلس کے ممبر رہے تھے۔

طریقہ
تدوین

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا۔ اگر اس کے جواب
میں سب لوگ متفق رائے ہوتے تو اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا۔ ورنہ نہایت آنا دہی سے بحثیں

شروع ہو تین۔ کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی۔ امام صاحب غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جنچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رائیوں پر قائم رہتے۔ اس وقت وہ سب مختلف احوال قلبیہ کر لے جاتے۔ اس کا التزام تھا کہ جب تک تمام شرکائے جملہ جمع نہ ہو لیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے۔

جو اہر مضیئہ کے مصنف نے عافیہ بن نیر کے تذکرہ میں اسحق سے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوتے۔ اور عافیہ۔ موجود نہ ہوتے۔ تو امام صاحب فرماتے کہ عافیہ کو آئیے دو۔ جب وہ آیت اور اتفاق کرتے تب وہ مسئلہ ورج تحریر کیا جاتا۔ اس طرح تیس برس کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہونچا امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ میں گزری وہاں بھی یہ کام برابر جاری رہا۔

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ حافظ ابوالحسن نے بیان کی ہے یہ تھکی اول باب الطہارۃ باب الصلوۃ۔ باب الصوم۔ پر عبادات کے اور ابواب۔ اسکے بعد۔ معاملات۔ سب اخیر میں باب المیراث۔

امام صاحب کی زندگی ہی میں اس مجموعہ نے وہ حسن قبول چل کیا کہ ہر وقت کے حالات کے لحاظ سے مشکل سے قیاس میں آسکتا ہے۔ جس قدر اسکے اجزا تیار ہوتے جاتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اسکی اشاعت ہوتی جاتی تھی۔ امام صاحب کا درس گاہ ایک قانونی مدرسہ تھا۔ جسکے طلباء نہایت کثرت سے ملکی عہد و پندر امور ہوئے۔ اور انکی آئین حکومت کا یہی مجموعہ تھا۔ تعجب یہ ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہمہری کا دعویٰ تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری نے بڑے لطف اخیل

اس مجموعہ کا
ردج

سے کتاب الرہن کی نقل چل کی اور اسکو اکثر پیش نظر رکھتے تھے۔ زیادہ کا بیان ہے کہ
 میں نے ایک دن سفیان کے سر ہانے ایک کتاب دیکھی جسکا وہ مطالعہ کر رہے تھے
 ان سے اجازت مانگ کر میں اسکو دیکھنے لگا تو ابو حنیفہ کی کتاب الرہن نکلی۔ میں نے
 تعجب سے پوچھا کہ ”آپ ابو حنیفہ کی کتاب میں دیکھتے ہیں“ ”ہوئے“ کاش۔ انکی سب
 کتابیں میرے پاس ہوتیں۔

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ اسوقت بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے
 اور ان میں بعض امام ابو حنیفہ سے مخالفت بھی رکھتے تھے۔ تاہم کسی کو اس کتاب کی رود و ج
 کی جرأت نہیں ہوئی۔ امام رازی۔ مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں۔

ان اصحاب الروی اظهر دامل اھبھم وکان الدین املوۃ من اللھن ذین وراۃ الاخبار فلم یقلد
 احدھم الا من فی اقاویل اصحاب الروای یعنی اصحاب الرائے ابو حنیفہ اور انکے تلامذہ ہلے اپنے
 مسائل جس زبان میں ظاہر کیے۔ دنیا محدثین اور راویان اخبار سے ہمراہی ہوئی تھی تاہم کسی کو
 یہ قدرت نہ ہوئی کہ انکے اقوال پر اعتراض کرتا۔ امام رازی نے تو عام نفی کی ہے لیکن ہکون زیادہ
 استقصا سے معلوم ہوا کہ اس مجموعہ میں ایک استثنا رہی۔ کیونکہ بہت سی تصریح کی ہے کہ امام
 اوزاعی نے ابو حنیفہ کی کتابا سیر کار دیکھا تھا جسکا جواب قاضی ابو یوسف نے لکھا۔

غالباً یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ تلامذہ عقود العقیان
 کے مصنف نے کتابا نصیاتہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ”امام ابو حنیفہ نے جس قدر مسائل
 مدون کیے انکی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے“ شمس الائمہ کروری نے
 لکھا ہے کہ وہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے۔ ”یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ

لھ عقود الجمان بابا لنا شر

انکی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں ان سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

اگرچہ اس میں کسی طرح شبہ نہیں ہو سکتا کہ امام ابو حنیفہ کی زندگی ہی میں فقہ کے تمام ابواب مرتب ہو گئے تھے۔ رجال و تاریخ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے جس کا انکار گویا تو اتر کا انکار ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہو گیا ہے۔ اور دنیا کے کسی کتب خانہ میں آسکا پتہ نہیں چلتا۔ امام رازی۔ مناقب شافعی۔ میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔ امام رازی نے مسئلہ میں انتقال کیا۔ اس لحاظ سے کم از کم چہ سو برس ہوئے کہ امام صاحب کی تصنیفات ناپید ہو چکیں۔ امام صاحب کی تصنیفات کا ضائع ہو جانا اگرچہ کچھ محل تعجب نہیں۔ اس عہد کی ہزاروں کتابوں میں سے آج ایک کا بھی وجود نہیں۔ امام ادراعی۔ ابن جریر۔ ابن عروبہ۔ حاد بن ابی عمر۔ ان کی تالیفات عین اسی زمانہ میں ضائع ہوئیں۔ جب امام ابو حنیفہ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا تاہم ان کتابوں کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔ لیکن امام ابو حنیفہ کی تصنیفات کی گم شدگی کی ایک خاص وجہ ہے۔ امام صاحب کا مجموعہ فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا لیکن قاضی ابویوسف۔ و امام محمد نے انہیں مسائل کو اس توضیح و تفصیل سے لکھا۔ اور ہر مسئلہ پر استدلال و برہان کے ایسے حاشیے اضافہ کئے کہ انہیں کور و راج عام ہو گیا اور اصل ماخذ سے لوگ بے پروا ہو گئے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ متاخرین نحو یون کی تصنیفات کے بعد۔ قرآن کسائی۔ غلیل۔ اخفش۔ ابو عبیدہ کی کتابیں دنیا سے بالکل ناپید ہو گئیں۔ حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اول تھے۔

امام صاحب کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا میں موجود ہے وہ امام محمد۔ اور قاضی

امام صاحب کے
زمانہ میں جو
تقریباً ہوا
تھا وہ معلوم
ہو گیا۔

ابو یوسف کی تالیفات میں جنکے نام اور مختصر حالات ان بزرگوں کے ترجمہ میں ہم لکھیں گے یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ چار شخصوں میں سے ہے۔ امام ابو حنیفہ۔ زفر۔ قاضی ابو یوسف۔ امام محمد۔ کی راہوں کا مجموعہ ہے۔ قاضی ابو یوسف و امام محمد نے بہت سے مسائل میں۔ امام ابو حنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ فقہاء حنیفہ نے روایتیں نقل کی ہیں کہ ان صاحبوں کو اعتراف تھا کہ دہے جو اقوال امام ابو حنیفہ کے مخالف تھے وہ بھی امام ابو حنیفہ ہی کے اقوال ہیں۔ کیونکہ بعض مسئلوں میں امام ابو حنیفہ نے متعدد اور مختلف راہیں ظاہر کی تھیں۔ یہ روایتیں۔ شامی۔ وغیرہ میں مذکور ہیں لیکن انکا ثابوت ہونا مشکل ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ان فقہاء کا حسن ظن ہے۔ قاضی ابو یوسف و امام محمد۔ اجتہاد مطلق کا منصب کہتے تھے اور انکو اختلاف کا پورا حق چھل تھا۔ اسلام کی ترقیان اسی وقت تک رہیں کہ لوگ باوجود حسن عقیدت کے بزرگوں اور استادوں کی رائے سے علانیہ مخالفت کرتے تھے۔ اور خیالات کی ترقی محدود نہ تھی۔

یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں نہایت تیزی سے تمام ملک میں پھیل گئے عرب میں تو انکے مسائل کو چنداں رواج نہ ہوا۔ کیونکہ مدینہ۔ میں امام مالک۔ اور مکہ میں اور ائمہ کے حریف مقابل موجود تھے۔ لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جنکی وجہ سے ایشیائے کوچک تک تھی عموماً انھیں کا طریقہ جاری ہو گیا۔ ہندوستان۔ سندھ۔ کابل۔ بخارا وغیرہ میں تو انکے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ دوسرے ممالک میں گو۔ شافعی۔ حنبلی۔ فقہ کا رواج ہوا لیکن فقہ حنفی کو دبا نہیں سکا البتہ بعض ملکوں میں وہ بالکل معدوم ہو گیا۔ اور اس کے خاص اسباب تھے۔ مثلاً افریقہ میں شیعہ کا امام ابو حنیفہ کا طریقہ تمام اور طریقوں پر غالب تھا۔ لیکن مغربی بادیں نے سنہ ۱۸۰۰ء میں جب وہاں کی

مستقل حکومت چاہی کی تو حکومت کے زور سے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دے دیا کہ آج تک قائم ہے۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ عثمان حکومت جن لوگوں کے ہاتھوں میں رہی وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے۔ خلفائے عباسیہ۔ تو اس بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا۔ یہ لوگ ملواری کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے یعنی انکو خود و دعویٰ اجتہاد تھا۔ اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ انکے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے۔ تاہم ان میں اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو ابو حنیفہ۔ ہی کی کی۔ عبد المہد بن المتحر جو فن بدیع کا موجد تھا اور خلفائے عباسیہ۔ میں سب بڑا شاعر اور دہب تھا۔ حنفی المذہب تھا۔

سلاطین
اکثر حنفی
تھے

عباسیہ کے تنزل کے ساتھ جن خاندان کو عروج ہوا اکثر حنفی تھے۔ خاندان سلجوق۔ جسے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جس نے دائرہ حکومت کو وسعت دی طول میں کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاخرز تک پہنچی تھی۔ حنفی تھا۔ محمود غزنوی۔ جسکے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا فن فقہ میں اسکی ایک نہایت عمدہ تصنیف موجود ہے جسکا نام۔ التفرید۔ ہے اور میں کم و بیش ساٹھ ہزار سطور ہیں نور الدین زنگی کا نام چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ چکار ہیر وز میں داخل ہے بیت المقدس کی لڑائیوں میں اول اسی نے نام چاہل کیا۔ صلاح الدین قلیچ بیت المقدس۔ اسی کے دربار کا ملازم تھا۔ دنیا میں پہلا دارالحدیث ہی نے قائم کیا اگرچہ وہ شافعی۔ دمالکی۔ فقہ۔ کی بھی عزت کرتا تھا۔ لیکن وہ خود اور اسکا تمام خاندان مذہباً

سلف تاریخ ابن خلکان ترجمہ مغربن یادیں ۱۲۱۱ھ تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبد المہد بن المتحر ۱۱

حنفی تھا۔ صلاح الدین - خود شافعی تھا۔ لیکن اُس کے خاندان میں بھی حنفی المذہب موجود تھا۔
 الملک المعظم عیسیٰ بن الملک عادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا۔ علامہ بن خلکان اُس کے
 حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ نہایت عالی ہمت - فاضل - ہوشمند - دلیر - پر عجب تھا اور حنفی
 مذہب میں غلو رکھتا تھا۔ چنانچہ مصر جو نوین صدی کے آغاز میں مصر کی حکومت پر پہنچا اور ۱۲۱۱
 برس تک فرمانروا رہا اور بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ خود حنفی تھے اور اُن کے دربار میں اسی
 مذہب کو زیادہ فروغ تھا۔ سلاطین ترک جو کم و بیش چھ سو برس سے روم کے فرمانروا ہیں
 اور آج انہیں کی سلطنت - اسلام کی عزت و وقار کی امید گاہ ہے عموماً حنفی تھے خود بہت
 ہندوستان کے فرمانروا جو ان اوزال تیمور اسی مذہب کے پابند رہے اور انکی وسیع سلطنت
 میں اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ کو رواج نہ ہو سکا۔

بعضوں کا خیال ہے کہ حنفی - مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدور سے
 ہوا۔ ابن حزم جو اباب ظاہر کے مشہور امام ہیں - اُنکا قول ہے کہ "دونوں بیوں کی سلطنت
 کے زور سے ابتدائی میں رواج عام حاصل کیا۔ ایک ابو حنیفہ کا مذہب کیونکہ جب قاضی
 ابویوسف کو قاضی القضاۃ - کا منصب ملا تو انھوں نے حنفی لوگوں کو عمدہ قضا پر مقرر کیا
 و وہ امیر امام مالک کا مذہب - اندلس میں - کیونکہ امام مالک کے شاگرد یحییٰ صمووی - خلیفہ
 اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص بے اُنکے مشورہ کے عمدہ قضا پر مقرر نہیں
 ہو سکتا تھا وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کرتے تھے۔"

لیکن یہ ابن حزم کی ظاہرینتی ہے۔ امام ابو حنیفہ - شاہدین مندرجہ بالا پر بیٹھے
 قاضی ابویوسف - نے شاہد کے بعد قاضی القضاۃ - کا منصب حاصل کیا۔ کیونکہ اُن کے
 لفظ ابوالمضیہ ترجمہ نور الدین لنگی ۱۲۱۱ھ ابن حزم کے اس قول کو علامہ بن خلکان بھی صمدی ترجمہ میں نقل کیا ہے

حنفی فقہ کی
 حق قبول کا
 سبب

تقرر اور عروج کا زمانہ ہررون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ جو شاہدین تخت نشین ہوا تھا۔ قاضی ابویوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا جس میں امام ابو حنیفہ کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا اور ان کے سیکڑوں شاگرد قضا کے عہد و پیر مامور ہو چکے تھے۔ اس کامیابی کو کس کی طرف منسوب کیا جائے؟ یہ ضرور ہے کہ قاضی ابویوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا۔ لیکن مذہب حنفی کا اصلی عروج۔ قاضی صاحب کی کوششوں کا محتاج نہ تھا۔ امام رازی نے باوجود مخالفت کے تسلیم کیا ہے کہ

ثم انه لما قوى مذهبا صحاب الراى واشتهر اعظم دفعته فى القلوب ثم اتفق اتصال ابى يوسف ومحمد بن محمد ملة هرفن الرشيد عظمت تلك القوة جل الان العلم السلطنة

یعنی دو اصحاب لڑائے کا مذہب قوی ہو گیا اور شہرت پکڑ گیا اور اس کی وقعت دونوں میں بہت ہو گئی۔ پھر اسکے بعد ابویوسف و محمد کو ہررون الرشید کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی تو یہ قوت بہت سی زیادہ بڑھ گئی کیونکہ علم اور حکومت دونوں متحد ہو گئے۔

اس کے علاوہ قاضی ابویوسف کا اثر ہررون رشید کے زمانہ تک محدود تھا۔ دیر پاؤں غیر منقطع کامیابی کس نے پیدا کی؟ یوں تو بعض اور ائمہ نے بھی اپنے عہد میں نہایت عروج حاصل کیا تھا۔ امام اوزاعی اپنی زندگی میں بلکہ زمانہ مابعد تک بھی تمام شام کے امام مطلق تسلیم کئے گئے اور ان ممالک میں لوگ عموماً انھیں کی تقلید کرتے تھے۔ لیکن وہ ایک محدود اثر تھا جو بہت جلد جاتا رہا۔ ان واقعات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب میں ایسی خاص خوبیاں ہیں جو اور مذہبوں میں نہیں۔

تمام ممالک اسلامی میں جن ائمہ کی فقہوں نے رواج پایا وہ صرف چار ہیں ابو حنیفہ مالک شافعی احمد حنبل مسائل فقہ کی ترویج و اشاعت کا سبب اگرچہ خود ان مسائل کی خوبی

اور مجتہدین کے
رواجِ مذہب
کے سبب

وعمدگی ہے۔ لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس امر میں واضح فقہ کی ذاتی رسوخ اور عظمت کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ ہمارے نزدیک امام ابو حنیفہ کے سوا اور مجتہدین فقہ کی ترویج و اشاعت کا باعث زیادہ تر ان کی ذاتی خصوصیتیں تھیں مثلاً امام مالک - مدینہ کے رہنے والے تھے جو نبوت کا مرکز اور خلفائے راشدین کا دارالخلافہ رہ چکا تھا۔ اس تعلق سے لوگوں کو عموماً مدینہ اور باب مدینہ کے ساتھ خلوص و عقیدت تھی۔ ان کا خاندان ایک علمی خاندان تھا۔ ان کے دادا مالک بن ابی عامر نے بڑے بڑے صحابہ سے حدیثیں سیکھی تھیں۔ ان کے چچا شیخ اسحٰب تھے۔ امام مالک نے جب حدیث و فقہ میں کمال پیدا کیا تو یہ عارضی اوصاف ان کی ذاتی قابلیت پر طرہ بیکر نمایاں ہوئے۔ اور تمام اطراف و دیار میں ان کی شہرت کا سکھ چم گیا۔

امام شافعی کو اور بھی زیادہ خصوصیتیں حاصل تھیں۔ مکہ معظمہ وطن تھا۔ باپ کی طرف سے قریشی اور مطلبی اور ماں کی طرف سے - ہاشمی تھے۔ ان کا تمام خاندان ہمیشہ سے معزز و ممتاز چلا آتا تھا۔ ان کے پردادا - سائب - جنگ بدر میں ہاشمیوں کے علم بردار تھے اور گرفتار ہو کر اسلام لائے تھے۔ مکہ معظمہ کی ولادت خاندان کا اعزاز۔ رسول اللہ کے ہم نسب - ایسی چیزیں تھیں جن سے بڑھ کر حسن قبول اور مرجعیت کے لئے کوئی کارگر آلا نہیں ہو سکتا تھا۔

امام ابو حنیفہ میں اس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ قریشی اور ہاشمی ہونا تو ایک طرف وہ عربی النسل بھی نہ تھے۔ خاندان میں کوئی شخص ایسا نہیں گزرا تھا جو اسلامی گروہ کا مرکز اور مقتدا ہوتا۔ آبائی پیشہ تجارت تھا اور خود بھی تمام عمر اسی ذریعہ سے زندگی بسر کی۔ کوفہ - جو ان کا مقام ولادت تھا گوارا العلم تھا۔ لیکن مکہ معظمہ - اور مدینہ منورہ کا ہمسرہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ بعض انتہائی اور ناگزیر اسباب سے اسباب روایت کا ایک گروہ ان کی مخالفت پر کمر بستہ تھا۔ غرض حسن قبول اور عام اثر کے لئے جو اسباب درکار ہیں وہ بالکل نہ تھے باوجود اس کے ان کی

فقہ کا تمام مالک اسلامیہ میں اس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ انکا طریقہ فقہ انسانی ضرورتوں کے نہایت مناسب اور موزون و واضح ہوا تھا اور بالخصوص تمدن کے ساتھ جس قدر انکی فقہ کو مناسبت تھی کسی کی فقہ کو نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب کو زیادہ تر انھیں ملکوں میں رواج ہوا جہاں تہذیب و تمدن نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔ علامہ بن خلدون۔ اس بات کی وجہ بتاتے ہیں کہ مغرب و اندلس۔ میں امام مالک کا مذہب کیون زیادہ رائج ہوا۔؟ وہ لکھتے ہیں کہ دو مغرب و اندلس میں ہر دینت غالب تھی۔ اور وہاں کے لوگوں نے وہ ترقی نہیں چل کی تھی جو اہل عراق نے کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان مالک میں امام مالک کی فقہ کے سوا اور کسی فقہ کو فروغ نہ ہو سکا۔

حنفی فقہ جمہور امام ابو حنیفہ کے علاوہ انکے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں اس زمانہ کا بہت بڑا قانون بلکہ بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا زمانہ مابعد میں۔ گو علمائے حنفیہ نے اس پر بہت کچھ اضافہ کیا۔ اور جزئیات کی تفریع کے ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی لیکن ایجاد کے زمانہ میں جس قدر کسی فن کی حالت ہو سکتی ہے۔ وہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی جو امام ابو حنیفہ کے عہد میں فقہ کو چل ہو چکی تھی۔ اس مجموعہ میں عبادات کے علاوہ دیوانی فوجداری۔ تعزیرات۔ لگان۔ مالگذاری۔ شہادت۔ معاہدہ۔ وراثت۔ وصیت۔ اور بہت سے قوانین شامل تھے۔ اسکی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہارون الرشید اعظم کی وسیع سلطنت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہیں اصول پر قائم تھی۔ اور اس عہد کے تمام واقعات و معاملات انہیں قواعد کی بنا پر فیصلہ ہوتے تھے۔

یہ قانون جبکہ فقہ کتے ہیں دو قسم کے مسائل پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے اس کے

مسائل فقہ کی
تقسیم

واضح کی دو مختلف حیثیتیں ہیں۔

(۱) وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہیں اور شرعی احکام کہہ جاسکتے ہیں۔

(۲) وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتوں سے

پیدا ہوتے ہیں۔ یا جکا ذکر شریعت میں ہے لیکن شرعی طور پر نہیں۔

پہلی قسم کے مسائل کے لحاظ سے فقہ کی حیثیت - شارح اور مفسر کی حیثیت - جو اولیٰ

اعتبار سے اسکے لئے جس قسم کی قابلیت درکار ہے وہ ہمارے زبان - واقفیت نصوص تو

استنباط - توفیق معارضات - ترجیح دلائل ہے۔ دوسری قسم کے احکام کے لحاظ سے

واضح فقہ ایک متقن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس لحاظ سے اسکی قابلیت اس رتبہ کی ہونی

چاہیے جیسی کہ دنیا کے اور مشہور متقنون کی تھی۔ یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسرے سے

ممتاز ہیں۔ اسلام میں بہت سے نامور گزرے ہیں جو قرآن و حدیث کے عمدہ مفسر یا شارح

تھے۔ لیکن مقتناہ قابلیت سے معرکتھے۔ اسی طرح ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو متقن اور

واضح قانون تھے۔ لیکن نصوص شرعی کے مفسر نہیں کہے جاسکتے تھے۔ جتنا تک ہماری توفیق

ہے اسلام کے اسی وسیع دور میں قدرت نے یہ دونوں قابلیتیں جس اعلیٰ درجہ پر امام ابوحنیفہ

میں جمع کر دی تھیں۔ کسی مجتہد یا امام میں جمع نہیں ہوئیں۔

علم فقہ کے متعلق سب سے بڑا کام جو امام صاحب نے کیا وہ شرعی اور غیر شرعی احکام

میں امتیاز قائم کرنا تھا۔

شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال جو سلسلہ روایت سے منضبط کیے گئے ان میں

بہت سے ایسے امور تھے جنکو منصب سات سے کچھ تعلق نہ تھا۔ لیکن بطور ایک اصطلاح

کے ان سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا۔ فقہ کی توضیح میں ایک عام اور سخت غلطی

شرعی اور غیر
شرعی احادیث
کا فرق۔

یہ ہوئی کہ لوگوں نے ان تمام امور کو شرعی حیثیت پر محمول کیا اور اس خیال سے ان پر مسائل اور احکام کی بنیاد قائم کی۔ حالانکہ وہ حدیثیں منصب شریعت سے علاوہ نہیں رکھتی تھیں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اور کتب حدیث میں اسکی تدوین ہوئی اسکی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے اور اسی بارہ میں یہ آیت اترتی ہے۔ مَا آتَاكُمْ الشَّرُّ مِنْ شَيْءٍ فَاذْكُرُوهُ ۖ فَاِنْ كُنْتُمْ لَا تَذْكُرُوْا فَاِنَّكُمْ كُنْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ غَافِلِيْنَ ۝۱۰ یعنی پیغمبر جو چیز تم کو دے اسکو اختیار کرو اور جس چیز سے اس سے باز آؤ۔

(۲) جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں چنانچہ انکی نسبت آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا مَرَّتْكُمْ فَتَمَرَّقْتُمُ الْمَلَائِكَۃَ خَلْفًا اُولَٰئِكَ مُرَّاوِنَۃٌ ۚ اُولَٰئِكَ يُرْسِلُ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْکُمُ الْاٰیٰتِ الْکُبْرٰی ۚ اُولَٰئِكَ لَیْسَ اِیْنَهُمُ الْحُکْمُ ۚ اُولَٰئِكَ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝۱۱ یعنی زمین ایک آدمی ہوں جب میں کوئی مذہبی حکم دوں تو تم لوگ اسکے پابند ہو اور جب میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں صرف ایک آدمی ہوں۔ اس دوسری قسم میں وہ حدیثیں ہیں جو آنحضرت نے طب کے متعلق ارشاد کیں۔ اور اسی قسم میں وہ افعال داخل ہیں جو آنحضرت سے عادتاً صادر ہونے نہ عبادۃ۔ اور اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً اور اسی قسم میں وہ حدیثیں داخل ہیں جو آنحضرت نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کیں مثلاً امیرِ سرزمین کی حدیث اور حرافہ کی حدیث۔ اور اسی قسم میں وہ امور داخل ہیں جو آنحضرت نے اس وقت مصلحتِ جزوی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ سب لوگوں پر واجب العمل نہیں ہیں مثلاً فوجوں کی تیاری اور شعائر کی تعیین۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ وہاں رمل کرنے کی کیا ضرورت ہے جس قوم کے دکھانے کے لئے ہم رمل کرتے تھے ان کو خدا نے ہلاک کر دیا۔ اور آنحضرت کے ہمہ تن احکام اسی قسم میں داخل ہیں۔ مثلاً یہ حکم کہ جب زمین

جو شخص کسی کا قتل کرے تو اس کے ہتھیار کا مالک بھی وہی ہوگا۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کی قسموں میں جو دقیق فرق بیان کیا۔ یہ وہی نکتہ ہے جسکی طرف سب سے پہلے امام ابو حنیفہ کا ذہن متقل ہوا۔ اسی بنا پر بہت سے مسائل مثلاً غسل جمعہ خروج النساء الی العیدین۔ نفاذ طلاق۔ تعین ہزیرہ۔ تخصیص خراج۔ تقسیم خدام وغیرہ میں جو حدیثیں وارد ہیں ان کو امام ابو حنیفہ نے دوسری قسم میں داخل کیا ہے لیکن امام شافعی وغیرہ ان حدیثوں کو بھی تشریفی حدیثیں سمجھتے ہیں۔

خفی نقہ وبقا بلکہ اور فقہوں کے بہت بڑی خصوصیت جو صحت ہے وہ یہی ہے کہ اسکے مسائل عموماً ایسی قاعدہ پر مبنی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس میں وہ وسعت اور آزادی پائی جاتی ہے جو وراثت کے مسائل میں نہیں پائی جاتی۔ یہ قاعدہ اگرچہ نہایت صاف اور صریح ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ وراثت کے مسائل نے اسپر لحاظ نہیں کیا۔ اور اگر خلفائے راشدین کی نظر میں موجود نہ ہوتی تو شاید امام ابو حنیفہ کو بھی اسکے اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوتی اگرچہ امام صاحب کے بعد بھی بعض ائمہ نے جنکو اسکے مقابلہ میں اجتہاد کا دعویٰ تھا اس جملہ اصول کی پیروی نہ کی اور اسی غلط خیال پر قائم رہے۔ لیکن اس میں کون شبہ کر سکتا ہے کہ امام صاحب کی رائے نہایت صحیح اور نہایت دقیقہ منجی پر مبنی تھی۔

خلفائے راشدین سے بڑھ کر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہو سکتا ہے انھوں نے کیا کیا۔ حضرت عمر کے آغاز خلافت تک اہمات اولاد یعنی وہ نوٹریان جنت اولاد ہو چکی ہو مگر آخریدی اور بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمر نے اس رواج کو بالکل روک دیا انھوں نے نبوک کے سفر میں غیر مذہب والوں پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا۔ حضرت عمر نے ایران میں ۶۱ و ۶۲ کے حساب سے شرجین مقرر کیں۔ آنحضرت

جو مسائل تشریفی
مسائل ہیں

مال غنیمت جب تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا بھی حصہ لگاتے تھے۔ خلفائے راشدین میں سے کسی نے حتیٰ کہ حضرت علیؑ نے بھی ہاشمیوں کو کبھی حصہ نہیں دیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں بلکہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد تک تین طلاقین (ایک سمجھی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں منادی کرادی کہ تین طلاق طلاق باین سمجھی جائیگی آنحضرتؐ کے عہد میں شراب پینے کی سزا میں کوئی خاص حد نہیں مقرر ہوئی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسکی حد چالیس سے قرار دی۔ اور حضرت عمرؓ نے سبیل میں سے کہ اس کے زمانہ میں نے نوشی کا زیادہ رد لچ ہو جلاتا چالیس سے اتنی دے کر دیے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور جگہ ثبوت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خلفائے راشدین کسی حکم کو آنحضرتؐ کا تشریحی حکم سمجھا اس کی مخالفت کرتے تھے!! اگر (نعوذ باللہ) اگر ایسا کہتے تھے تو وہ خلفائے راشدین نہ تھے۔ بلکہ (عیاذ باللہ) رسول اللہؐ کے حریف اور مقابل تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ جو رات دن آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور فیضِ نبوت کی وجہ سے شریعت کے اداسناس ہو گئے تھے۔ انکو یہ تمیز کرنا نہایت آسان کام تھا کہ کون سے احکام تشریحی حیثیت رکھتے ہیں اور کون سے اس حد میں داخل ہیں جنکی نسبت آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ انکو اعلیٰ یا مودود نیا کہ۔ حضرت عائشہؓ نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ایک موقع پر کہا کہ صلح اگر رسول اللہؐ موجود ہوتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت نہ دیتے۔ یہ صریح اس بات کی شہادت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہؐ اس اجازت کو تشریحی اور لازمی حکم نہیں قرار دیا اور نہ زمانہ اور حالات کے اختلاف سے اسپر کوئی اثر پڑ سکتا تھا۔

امام ابو حنیفہؒ نے اس مرحلہ میں صحابہ ہی کو دلیل راہ بنایا۔ اور اس قسم کے مسائل میں ان کی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے۔ لیکن جن لوگوں کی نگاہ اس

لکھتے تک نہیں پہنچی وہ امام ابو حنیفہ بلکہ صحابہ کو بھی مورد الزم ٹھہرتے ہیں۔ طلاق کے مسئلہ میں قاضی شوکانی نے حضرت عمر کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں پچاسے عمر کی کیا حقیقت ہے، لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمر قاضی صاحب سے زیادہ ہبات کو سمجھتے تھے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

فقہ کی پہلی قسم کے متعلق امام ابو حنیفہ نے جو بڑا کام کیا وہ قواعد استنباط کا انضباط تھا جس کی وجہ سے فقہ (جو اب تک جزئیات مسائل کا نام تھا) ایک مستقل فن بن گیا۔ امام ابو حنیفہ کی علمی تاریخ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل تدارع و تعجب انگیز ہے وہ ان قواعد کی تحدید اور انضباط ہے۔ ایسے زمانہ میں جبکہ علوم نہایت ابتدائی حالت میں تھے یہاں تک کہ نقل و کتاب کا بھی رواج نہ تھا ایسے دقیق فن کی بنیاد ڈالنی درحقیقت امام ابو حنیفہ ہی کا کام تھا۔

عام خیال یہ ہے کہ یہ قواعد جنکو اب اصول فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے سب پہلے امام شافعی نے مرتب کیے یہ دعویٰ اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ امام شافعی سے پہلے یہ مسائل مستقل طور سے خیر تحریر میں نہیں آئے تھے۔ لیکن اصل فن کی بنیاد امام شافعی سے بہت پہلے پڑ چکی تھی۔ اور اگر تحریر کی قید اٹھا دی جائے تو امام ابو حنیفہ اس کے موجد کہے جاسکتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ مسائل کا استنباط اور استخراج کا جو طریقہ تھا وہ کوئی علمی صورت نہیں رکھتا تھا جس طرح عام لوگ کسی عبارت سے کسی نتیجہ کا استنباط یا کسی حکم کی تفریع صرف وجدانی مذاق کی رو سے کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ انکا استنباط یا تفریع کس قاعدہ کلیہ کے تحت میں داخل ہے اور اس کے کیا شرائط اور قیود ہیں۔ اسی طرح فقہی مسائل بھی استنباط کیے جاتے تھے نہ علمی اصطلاح میں قائم ہوئی تھیں نہ کچھ اصول منضبط ہوئے تھے۔

بنو امیہ کے اخیر دور میں کچھ کچھ علمی اصطلاحیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ واصل بن عطاء نے

جو عظیم کلام کا موجد تھا احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ حق کے ثبوت کے چار طریقے ہیں۔ قرآن
ناطق۔ حدیث متفق علیہ۔ اجماع امت۔ عقل و حجت (یعنی قیاس) و اصل نے اور بھی چند
مسائل اور اصطلاحیں قائم کیں مثلاً یہ کہ عموم و خصوص دو جداگانہ مفہوم ہیں۔ نسخ صرف
ادام و تواریہی میں ہو سکتا ہے۔ اخبار و واقعات میں نسخ کا احتمال نہیں ہے۔

ان مسائل کے لحاظ سے اصول فقہ میں ادویت کا فخر و اصل کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے
لیکن یہی قسم کی ادویت ہوگی جس طرح نحو کے دو تین قاعدوں کے بیان کرنے سے کہا جاتا ہے
کہ حضرت علی علیہ السلام فن نحو کے موجد ہیں۔ بہر حال امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک جو کچھ ہوا
تھا اس سے زیادہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن چونکہ امام صاحب نے فقہ کو مجتہدانہ اور مستقل فن کی
حیثیت سے ترتیب دینا چاہا اس لئے استنباط اور استخراج مسائل کے اصول قرار دینے پر
اگرچہ زمانہ مابعد میں اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بن گیا اور سیکڑوں مسائل ایسے ایجاد ہو گئے
جس کا امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں اثر بھی نہ تھا۔ لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن کے مہات مسائل جنہ
فن کی بنیاد قائم ہے امام صاحب ہی کے زمانہ میں منضبط ہو چکے تھے۔ اصول اربعہ کی توضیح
حدیث کے مرتب اور ان کے احکام۔ جرح و تعدیل کے اصول۔ اجماع کے حدود و ضوابط۔ قیاس
کے اقسام و شرائط۔ احکام کی انواع۔ عموم و خصوص کی تحدید۔ رفع تعارض کے قواعد فقہاء
طریق۔ یہ مسائل ہیں جو اصول فقہ کے ارکان ہیں۔ ان تمام مسائل کے متعلق امام صاحب نے
ضروری اصول و قواعد منضبط کر دیے تھے +

حدیث کے متعلق امام صاحب نے جو اصول قرار دیے انکو ہم حدیث کی بحث میں لکھ آئے ہیں
بکے علاوہ۔ اور ابوبکر متعلق امام صاحب نے تمام ضروری اصول منضبط کر دیے تھے مثلاً

۱۔ ان مسائل کو ابواللال عسکری نے کتاب لاواعیل میں واصل بن عطاء کی طرف منسوب کیا ہے۔ ۲۔

مالہ یثبت بالتواتر لیس بقران الزیادۃ نسخ۔ لایجوز الن زیادۃ علی الکتاب بخیر الواحد۔ حمل
المطلق علی المقید زیادۃ علی النص۔ عموم القرآن لایختص بالاحاد العام قطعی کا الخاص
الخاص ان کان متاخراً لخص العام وان کان متقدماً فلا بد ان کان العام ناسخاً للخاص وان
جمل التاریخ تساقطاً ویطلب لیل اخر مفہوم الصنفۃ لایحتاج بہ۔ التعلیل دل علی البطلان
امام صاحب کے یہ اقوال ان کے شاگردوں کی تصنیفات یا اصول کی کتابوں میں جو شافعی
وحنفیہ وغیرہ نے لکھے ہیں جستہ مذکور ہیں جنکو اگر یکجا جمع کر دیا جائے تو ایک مختصر رسالہ
تیار ہو سکتا ہے یہی اصول ہیں جنکی بنا پر کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ۔ ایک خاص طریقہ اجتہاد
کے بانی ہیں۔ انہیں اصول کے اتحاد کی بنا پر۔ امام محمد وقاضی ابویوسف کا طریقہ۔ امام صاحب
کے طریقہ سے الگ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ جزئیات مسائل میں ان لوگوں نے سیکڑوں ہزاروں
جگہ ان سے اختلاف کیا ہے۔

ان اصولی مسائل پر بوجہ اسکے کہ امام شافعی وغیرہ نے ان سے مخالفت کی ہے نہایت
وسیع اور دقیق بحثیں قائم ہو گئیں ہیں۔ افسوس ہے کہ ہماری مختصر تالیفین انکی گنجائش نہیں
اصول کی کتابوں میں یہ مباحث نہایت تفصیل سے مذکور ہیں۔ جس شخص کا جی چاہے ان
کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں فقہ کے اس حصہ میں امام صاحب کی حیثیت ایک مفسر
مستنبط کی حیثیت ہے اور کچھ شہوم نہیں کہ اسباب میں امام صاحب نے جو کام کیا وہ نہ
بلکہ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اصول فقہ کی کتابوں میں جو بہت سے اصول مذکور ہیں انکی نسبت یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا
کہ وہ امام ابو حنیفہ کے اقوال ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے جو الباقیہ میں اس پر ایک نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے اسکی شاہد
نے بعض اور اقوال سے بھی انکار کیا ہے جو یہ ثابت ہے امام صاحب سے ثابت ہیں ۱۲۔

صرف تاریخ اسلام میں بلکہ کل دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ دنیا میں اور بھی قوانین ہیں جنکے پاس آسانی کتابیں ہیں۔ اور وہ لوگ ان کتابوں سے اخذ احکام کرتے ہیں لیکن کوئی قوم یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اسے استنباط مسائل کے اصول اور قواعد مضبوط کے اور اسکو ایک مستقل فن کے رتبہ تک پہنچا دیا۔

فقہ کا دوسرا حصہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ پہلے حصہ کی نسبت بہت زیادہ وسیع ہے اور یہ وہ خاص حصہ ہے جس میں امام ابو حنیفہ۔ علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر اسلام میں کوئی شخص واضح قانون گزار ہے تو وہ صرف امام ابو حنیفہ ہیں مسلمانوں میں تو ضیع قانون کا کام ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو مذہبی پیشوا تھے اور زہد و اتقا میں نہایت غور رکھتے تھے۔ مذہبی لوگوں میں جو اوصاف نہایت قابل قدر سمجھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ دنیاوی امور سے علیحدگی۔ کم آمیزی۔ معاملات میں سختی۔ عام واقعات غیر معمولی غیر مذہب والوں سے تنفر۔ یہ تمام اوصاف وہ ہیں جو تمدن کے مخالف ہیں اور جس شخص میں یہ اوصاف اعتدال سے بڑھ کر ہوں اور فطرتی ہوں وہ مشکل سے تمدن کی ضروریات کا اندازہ دان ہو سکتا ہو۔ تقدس و پاکیزہ نفسی کے لحاظ سے ان لوگوں کی جہد و عظمت کی جائے کم ہے لیکن دنیا اور دنیا والوں کا کام ان سے نہیں چل سکتا۔ حضرت جنید بغدادی۔ معروف کرخی۔ شیخ شبلی۔ داؤد طائی۔ کی عظمت و شان سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ واضح قانون نہیں ہو سکتے تھے +

مجتہدین جنہوں نے فقہ کے نام سے ملکی اور شخصی قانون بنائے۔ اگرچہ رہبانیت کی حد سے دور تھے۔ تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ تمدن کی ان تمام وسیع تعلقات پر ان کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ جسے انکو بھر کبھی سرکار نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے قوانین میں بعض جگہ ایسی

فقہ کا دوسرا
حصہ

سختی اور تنگی پائی جاتی ہے جس پر شکل سے عمل درآمد ہو سکتا ہے۔ امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے کہ نکاح میں بجز ثقافت کے کوئی شخص گواہ نہیں ہو سکتا۔ ہمسایہ کو حق شفعہ نہیں پہنچتا۔ بیع بالمعاطہ جائز نہیں۔ ذمیوں کی شہادت کسی حال میں مقبول نہیں۔ ایک مسلمان سیکڑوں ذمیوں کو بے قصور قتل کر ڈالے تاہم وہ قصاص میں پکڑا نہیں جاسکتا۔ ان مسائل سے دنیا کا کام کیونکر چل سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہ۔ اس وصف میں اپنے تمام معصرون سے ممتاز تھے کہ مذہبی تقدس کے ساتھ دنیاوی اغراض کے اندازہ شناس تھے۔ اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ مرجعیت اور فصل قضایا کی وجہ سے ہزاروں پیچیدہ معاملات ان کی نگاہ سے گزر چکے تھے۔ ان کی مجلس آفتابہ بڑی عدالت العالیہ تھی جس نے لاکھوں مقدمات کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت ہمت امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔ ان کے شاگرد اور ہمنشین جبکی تعداد سیکڑوں سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور تھے ان باتوں کے ساتھ خود انکی طبیعت مقننہ اور معاملہ سننے واقع ہوئی تھی۔ وہ ہر بات کو قانونی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ اور اس کے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے۔ اس بات کا اندازہ واقعہ ذیل سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے۔

ایک دن امام صاحب قاضی بن ابی لیلیٰ سے ملنے گئے۔ اس وقت ان کے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا۔ مدعی کا بیان تھا کہ فلان شخص نے میری ماں کو زانیہ کہا ہے اسلئے میں ازالہ حیثیت کا دعویدار ہوں۔ قاضی صاحب نے مدعا علیہ کی طرف جو اس موقع پر موجود تھا خطاب کیا کہ تم کیا جواب دیتے ہو۔ امام ابو حنیفہ نے قاضی صاحب کے کہا کہ ابھی مقدمہ

قائم نہیں ہوا۔ مدعی کا اظہار لینا چاہیے کہ اسکی مان زندہ ہے یا نہیں۔ کیونکہ اسکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیے۔ یا اگر اسنے اسکی معرفت مقدمہ دائر کیا ہے تو اسکو مختار نامہ پیش کرنا چاہیے قاضی صاحب نے مدعی کا اظہار لیا۔ معلوم ہوا کہ اسکی مان مر چکی ہے۔ اسپر قاضی صاحب نے مقدمہ آگے چلانا چاہا امام صاحب نے کہا۔ مدعی سے پوچھنا چاہیے کہ اسکے بھائی بہن ہیں یا نہیں کیونکہ اگر ادو دعویٰ درموجود ہیں تو انکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح امام صاحب نے ادو چند سوالات کیے۔ جب وہ مراتب طے ہو چکے تو فرمایا کہ اب مقدمہ قائم ہوا اور آپ مدعا علیہ کا اظہار لیجئے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس طریقہ سے مقدمہ کی کارروائی شروع کی تھی وہ اُس حیثیت سے بڑھکر نہ تھا۔ جس طرح عوام آپس میں فضل خصومات کیا کرتے ہیں لیکن امام صاحب باقاعدہ فیصلہ چاہتے تھے۔ جس کا ضروری اصول یہ ہے کہ ایک حق سے جتنے لوگ دعوے دار ہو سکتے ہیں ان سب کو مقدمہ میں شریک ہونا چاہیے۔ تاکہ عدالت کو ایک ہی حق کے فیصلہ کرنے میں بار بار رجعت نہ آجانی پڑے۔

امام صاحب نے فقہ کے اس دوسرے حصہ کی جس طرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط اسکی جزئیات کا استقصا کیا وہ اس زمانہ کا نہایت وسیع قانون تھا۔ اگرچہ اسکی تعبیر و اعلیٰ لفظ (فقہ) سے کی جاتی ہے۔ لیکن درحقیقت اس میں بہت سے قوانین شامل تھے چنانچہ آج تعلیم یافتہ دنیا میں ان ہی ابواب کے مسائل جو ترتیب سے لکھے گئے ہیں وہ جدا جدا قانون کے نام سے موسوم ہیں۔ مثلاً قانون معاہدہ۔ قانون بیع۔ قانون لگان و مالگداری۔ تعمیرات و ضابطہ فوجداری وغیرہ وغیرہ ۴

اسی بنا پر بعض یورپین مصنفوں کا خیال ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فقہ کی تدوین میں رومن لا یعنی رومیوں کے قانون سے بہت کچھ مدلی اور اسکے بہت سے مسائل اپنی فقہ میں داخل کر لیے۔ اس خیال کی تائید میں یہ قرائن پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) حنفی فقہ کے بہت سے مسائل رومن لا کے مطابق ہیں۔

(۲) رومن لا تمام محاکمات شام میں جاری تھا اور چونکہ مسلمانوں پر شام کی معاشرت تمدن کا بہت کچھ اثر پڑا تھا اس لیے قیاس غالب یہ ہے کہ علمائے اسلام نے قانونی مسائل میں بھی ان سے استفادہ کیا۔

(۳) اس قدر متعدد اور وسیع قوانین جو فقہ میں شامل ہیں ان کی توضیح بغیر اسکے نہیں ہو سکتی کہ دنیا کے اور قوانین سے مدلی گئی ہو۔

یعنی اس خیال کو شہرت عام کی بنیاد پر رکھا تا لیکن تالیف کتاب کے بعد ہکو معلوم ہوا کہ مسٹر شیلڈون ایونز Sheelton Amos نے جو آجکل لندن یونیورسٹی کے لاپروفیسر ہیں اپنی کتاب رومن سول Romanization میں اس دعوے کو بڑی شد و مد سے ثابت کرنا چاہا ہے اور اس پر ایک مفصل بحث کی ہے۔ یورپ کو جو برتری آج تمام قوموں اور بالخصوص مسلمانوں پر چل چکے ہے اس لیے یورپین مصنفوں کے دل میں بالطبع یہ بات پیدا کر دی ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام گزشتہ کارناموں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھیں اور اگر کوئی کمال ایسا بدیہی اور نمایاں ہو جس سے کسی طرح انکار نہ ہو سکے تو یہ دعوے کریں کہ وہ مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہیں بلکہ روم و یونان و مصر وغیرہ سے ماخوذ ہیں یہی اثر ہے جسے مسٹر شیلڈون ایونز کو اس بحث پر مجبور کیا۔ انھوں نے اپنے دعوے کو فقہ حنفی تک محدود نہیں رکھا بلکہ عام قانون اسلام کی نسبت ان کا یہ دعوئی ہے کہ تمام اسکے مضمون کو قریناً ان کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے دعوے میں کہاں تک کامیاب ہو سکتے ہیں۔

کیا فقہ حنفی
روشنی لائے
یا خورج ہے

اس بحث کا اصلی تصفیہ تو جب ہو سکتا ہے کہ رومن لا اور حنفی فقہ کا نہایت وقت نظر اور مقصد صراحت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جب قدر دونوں قانون میں تطابق ہے وہ تو اردکی حد سے متجاویز ہے یا اسی قدر ہے جتنا کہ جموں تمام قوموں کے قوانین بہت سی باتوں میں موافق ہوا کرتے ہیں۔ میں اولاً تو رومن لاسے واقف نہیں اور ہوتا بھی تو اتنی فرصت کہاں نصیب کہ تمام مسائل کا مقابلہ کر سکتا۔ اس لئے ہم کو اصرار کرنا چاہیے کہ اس موقع پر جو کچھ میں لکھوں گا اسکا رتبہ قیاس اور ظن سے زیادہ نہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن لوگوں نے اس بحث کو چھیڑا ہے وہ بھی قیاس و ظن ہی سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ باوجود تحقیق کے ہمارے کوئی ایسا مصنف نہیں ملا جس کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ رومن لا اور حنفی فقہ کے تمام یا اکثر مسائل کا مقابلہ کر چکا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۹ و ۱۰۱ نے مضمون کو اس تہید سے شروع کرتے ہیں "مشرق میں دفعۃً ایک بالکل جدید و طبع زاو قائم بالذات سلسلہ قانون کا پیدا ہونا جسکی نسبت دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے۔ ایک ایسی عجیب بات ہے کہ خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کی نسبت جو دعویٰ کیا جاتا ہے اسکی تاریخی بنیاد کیا ہے۔ علاوہ دو مصری شہادتوں کے مورخانہ قیاس اس دعویٰ کے سخت مخالف ہے۔"

اس کے بعد پروفیسر موصوف اس کلیہ پر بحث کر کے کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر سلسلہ قانونی کو کسی واقعی یا فرضی واضع قانون کے نام سے موسوم کر دیا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس لحاظ سے ابتدا ہی میں ایک قوی قیاس پیدا ہوتا ہے کہ جو با ترتیب اور مضبوط سلسلہ قانون مسلمان ناسخوں نے تمام ممالک مفتوحہ میں جاری کیا وہ بہ تبدیل ہیئت کوئی اعلیٰ درجہ کا مکمل رواج یافتہ سلسلہ قانون تھا۔"

اس امر سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل موجود ہیں جو عرب اور عراق میں اسلام سے پہلے معمول بہ تھے۔ لیکن اس میں فقہ حنفی کی خصوصیت نہیں۔ یہ سلسلہ ان کے چلتا ہے جو مسائل آج خاص اسلام کے مسائل خیال کیے جاتے ہیں اور خود قرآن مجید میں انکا ذکر ہے ان میں متعدد ویسے ہیں جو زمانہ جاہلیتہ میں معمول و متداول تھے۔ علامہ ابوہلال عسکری نے کتاب الاذیل میں انکی تفصیل بھی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے خراج و ٹیکس کے متعلق جو قاعدے مقرر کئے وہ عموماً وہی ہیں جو نوشیروان عادل نے اپنے زمانہ حکومت میں وضع کیے تھے اور یہ کچھ تو اردو نہ تھا بلکہ حضرت نے دائمتہ نوشیروان کی اقتدار کی تھی۔ چنانچہ علامہ طبری و ابن الاثیر نے صاف انہیں الفاظ میں تصریح کی ہے۔

ایک متفق جب کسی ملک کے لئے قانون بناتا ہے تو ان تمام احکام اور رسم و رواج کو سنبھال کر لیتا ہے جو اس ملک میں اس سے پہلے جاری تھے ان میں سے بعض کو وہ بعینہ اختیار کرتا ہے بعض میں ترمیم و اصلاح کرتا ہے۔ بعض کی بالکل مخالفت کرتا ہے۔ بے شبہ اعم الامور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۰ پر و فیسرو صوف نے تاریخی شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ جو وقت مسلمانوں نے شام مقرر کیا تو وہ ان کے متعدد مدرسے موجود تھے۔ بیروت میں الگزنڈریسی کے زمانہ سے ایک مدرسہ قانون چلا آتا تھا جہاں چار پروفیسر تھے۔ قیصر بن وکلاء کی ایک جماعت رہتی تھی سکندریہ میں قانون کی تعلیم جاری تھی۔ ان واقعات کی تفصیل کے بعد پروفیسر صوف فرماتے ہیں کہ اس قیاس کی نسبت کہ اسلامی قوانین پر رومی قانون کا اثر ہے اس قدر کہنا کافی ہو گا لیکن جس طریقہ سے کہ اسلامی فتوحات میں جو ان کے جس طرح پر مسلمان ممالک مفتوحہ میں آباد ہوئے اگر ان امور پر غور کیا جائے تو یہ قیاس یقین سے بدگمانا ہے اسلامی فتوحات کے طریقہ سے پروفیسر صوف نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ شروع میں مسلمان غیر قوموں سے بجز جزیرہ وصول کرنے کے اور کسی قسم کا اثر ڈالنا نہیں چاہا۔ لیکن جب علمی ترقی کا زمانہ

نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا۔ لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لاکے بہ نسبت ایران کے قانون سے زیادہ مستفید ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ آدلا تو وہ خود فارسی الفسل تھے اور انکی زبان مادری فارسی تھی۔
دوسرے انکا وطن کو قہ تھا اور وہ فارس کے اعمال میں داخل تھا۔

غرض یہ امر بہر حال قابل تسلیم ہے کہ امام صاحب کو فقہ کی توضیح میں ان قواعد اور رسم و رواج سے ضرور مدد ملی ہوگی جو ان ممالک میں جاری تھے لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی استعانت سے امام صاحب کے واضح قانون ہونے کی حیثیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یعنی وہ ایک مستقل وضع قانون کے جاسکتے ہیں یا صرف ناقل اور جامع۔ جہاں تک ہماری تحقیق ہے مسلمانوں نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے بہت کم واقفیت حاصل کی۔ ترجموں کی فرست میں ہم سیکڑوں ہزاروں کتابوں کے نام پاتے ہیں۔ لیکن وہ فلسفہ، طب وغیرہ کی تصنیفات ہیں۔ قانون کی ایک کتاب کا بھی پتہ نہیں چلتا جو عربی زبان میں ترجمہ کی گئی ہو۔ اور اس قدر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۱ آیا تو انھوں نے غیر قوموں کے لئے قانون وضع کئے جو خود انہیں قوموں سے ملے تھے۔ پروفیسر موصوف کے الفاظ یہ ہیں۔ ”تو قرآن اور تہ ابتدائی خلافت کے زمانہ میں اسباب کی کچھ کوشش ہوئی کہ جو اعلیٰ قوانین کے تحت ہو گئی تھیں ان کی دنیوی زندگی کی پیچیدہ معاملات میں دست اندازی کی جائے نہ کہ لئے فرصت تھی نہ دماغ اور نہ ایسے آدمی موجود تھے جو اس خدمت کو انجام دے سکتے۔ جب بغداد اور اندلس کے شہروں اور قاہرہ میں امن و امان کا زمانہ آیا اور مطالعہ و غور کا موقع ملا تو طب و ریاضت و منطق اور علوم نفسیہ میں ترقی ہوئی، جب طرح کردار سطو سے عربوں نے منطق سیکھی اسی طرح میل (M.S.B) (لیوہ) نے اور انکے یونانی شارحوں سے علم قانون اخذ کیا۔“ اسکے بعد پروفیسر موصوف اس خیال کی قطعیت پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ قرآن میں اس قدر کم احکام ہیں کہ ان پر ایک قانون کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں صرف یہ احکام ہیں۔ خدا کو اپنی قسم دینا، نکاح کا نشانہ بناؤ، تم اپنی بیویوں کو دو دفعہ طلاق

قطعاً ثابت ہے کہ امام صاحب نے جس زمانہ میں فقہ کی تدوین کی کسی ایسی کتاب تک ترجمہ نہیں ہوا تھا اس لیے یہ احتمال کہ امام ابو حنیفہ نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا ہو بالکل بے اصل ہے۔ ملک میں رسم و رواج کی بنیاد پر جو احکام نافذ تھے۔ اس قابل نہ تھے کہ خیر تحریر میں آکر قانون کا لقب چل کر سکتے۔

مختصر یہ کہ جب قدر تاریخی قرآن موجود ہیں ان سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب کو روم یا فارس کی کوئی قانونی تصنیف ہاتھ آئی جس کے نمونہ پر انھوں نے فقہ کی بنیاد

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۲ دیکھتے ہو پھر اگر محمدی یا مہربانی سے علیحدہ کر دو۔ سود خوار قیامت میں آسیب زدوں کی طرح اٹھیں گے میعاد دی قرض کو ظہنہ کر لیا کرو۔ اگر پیشیوں کے ساتھ انصاف کر سکو تو کئی نکاح کر سکتے ہو لیکن چار سے زیادہ نہیں۔ مرد کو دو حصہ ملے گا اور عورت کو ایک لیکن صرف عورتیں ہوں تو دو۔ شوہر کو نصف حصہ ملے گا۔ مرض الموت میں وصیت کے وقت گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ سال بارہ مہینے کا ہونا کتاب کو ازادی کا معاہدہ لکھ دو اگر تمہاری مرضی ہو نہ لے زنا و غیبت ۱۲۔

یہ روایات صاحب کے نزدیک قرآن میں صرف اسی قدر قانونی احکام مذکور ہیں۔ اور اسی نے ان کے نزدیک قرآن مجید ایک وسیع قانون کی بنیاد نہیں قرار پا سکتا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جو سید سے قواعد اور درج ہوئے انہیں شکل سے رومی بنیاد کا پتہ لگ سکتا ہے اس لحاظ سے یہ امر اور بھی حیرت انگیز ہے کہ جو عمارت مسلمان فقہوں نے ایسے پرانے مصالح سے تیار کی وہ قریب قریب ہر ایک موثر پر رومی قانون کی گلیوں اور جزیروں کو یاد دلاتی ہے۔ اس کے بعد پروفیسر موصوف نے دعویٰ کیا ہے کہ مسائل مندرجہ ذیل میں فقہ ہمام اور رومی قانون بالکل یکساں ہے اور بالآخر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سلسلہ قانون یعنی علم فقہ دراصل رومی قانون پر لیکن بہ تبدیل ہیئت پروفیسر موصوف نے توضیح میں یہ بحث لکھی ہے جتنے اسکا خلاصہ لکھ دیا ہے۔ لیکن کوئی ضروری لکھتے ہوئے تطویل ان مسائل کو بیان نقل نہیں کیا۔ لیکن آگے چل کر انہیں سے بہت سے مسائل کا ذکر آئے گا۔

رکھی اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ امام ابو حنیفہ سے پہلے فقہ کے مسائل جن قدر اور جس صورت میں مدون ہو چکے تھے وہ فن کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اگر فقہ کو ایک قانون مانا جائے تو ضرور ماننا پڑے گا۔ کہ امام صاحب ہی اسکے مقنن اور واضع تھے۔ البتہ انکو ملک کے رحم و رواج۔ مسائل معمول بہا۔ علمائے فقاہ سے مدد ملی۔ لیکن یہ اسی قسم کی مدد ہے جس سے دنیا کے اور واضعان قانون بھی بے نیاز نہ تھے۔ اسی لئے یہ امر امام صاحب کی مقننیت کے رتبہ کو گھٹا نہیں سکتا۔

ان عام مسابحت کے بعد۔ اب ہم ان خاصیتوں کا ذکر کرتے ہیں جنکی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہوں کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔

(۱) سب سے مقدم اور قابل قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ مسائل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے۔ احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شریع ہی سے دوسرے قائم

فقہ حنفی کی
خصوصیتیں
فقہ حنفی کا
اصول عقلی
کے موافق
ہونا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۵ بات ترک نہیں کی بلکہ اکثر انکے خاص فقرے لکھ دئے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے جن مقدمات کی ترتیب سے استدلال کیا ہے وہ مختصر یوں بیان کئے جاسکتے ہیں۔ قرآن مجید میں بہت کم احکام ہیں اور ان سے قانون نہیں بن سکتا۔ "مالک مفتوحہ اسلام میں رومی قانون پہلے سے جاری تھا" "فلان فلان مسائل میں اسلامی فقہ اور رومی قانون متحد ہیں" "فلان فلان مسائل میں اسلامی فقہ اور رومی قانون متحد ہیں"

یہ بحث حقیقت میں نہایت مفید اور اچھا رشتہ بحث ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے اصل کتاب میں بیان کیا ہے اس معرکہ میں اس شخص کو قدم رکھنا چاہیے جو فقہ اسلام دروسن لادونوں سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ پروفیسر موصوف نے

اسلہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن خصوصیتوں کا پہنچنے دعویٰ کیا ہے وہ بلحاظ اکثر مسائل کے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض مسائل کے لحاظ سے یہ خصوصیتیں امام صاحب کے نزدیک نہیں پائی جاتی اور دوسرے مسائل کے فقہ میں پائی جائیں لیکن چنانچہ دعویٰ یہ ہے کہ امام صاحب کے اکثر مسائل میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں اور امام شافعی وغیرہ کے اکثر مسائل میں نہیں پائی جاتی۔

ہو گئے۔ ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ یہ احکام تبعیدی احکام ہیں۔ یعنی انہیں کوئی سرور و مصلحت نہیں ہے۔ مثلاً شراب خواری یا فسق و فجور صرف اسی لئے ناپسندیدہ ہیں کہ شریعت نے اسے منع کیا ہے اور خیرات و زکوٰۃ صرف اسی لئے مستحسن ہیں کہ شایع نے انکی تائید کی ہے۔ ورنہ فی نفسہ یہ افعال بوجہ یا بوجہ نہیں ہیں۔ امام شافعی کا اسی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ اور شایع اسی کا اثر تھا کہ ابوالحسن اشعری نے جو شافعیوں میں علم کلام کے بانی ہیں علم کلام کی بنیاد اسی مسئلہ پر رکھی۔

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصلح پر مبنی ہیں۔ البتہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جنکی مصلحت عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن درحقیقت وہ مصلحت خالی نہیں یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اس کے کہ اسکے دونوں پہلو بڑے بڑے علمائے اختیار کے ہیں۔ ایک معرکہ آرا مسئلہ بن گیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اس قدر بحث و اختلاف کے قابل نہ تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴ بے شمار دین لاکھ نسبت ہر قسم کی واقفیت کا دعوے کر سکتے ہیں۔ لیکن مسائل اسلام کے متعلق انکی وسعت معلومات کا اعتراف کرنا مشکل ہے۔ انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید میں قانونی احکام صرف معدودے چند ہیں انھوں نے تفصیل کر دی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی آیات احکام کم و بیش پانستہ ہیں اور اگرچہ ان میں بہت سے احکام عبادات و غیرہ کے متعلق ہیں تاہم خاص وہ آیتیں جن میں قانونی احکام ہیں سو سے کم نہیں۔ یہ آیتیں جدا گانہ جمع کر لی گئی ہیں اور علمائے اہل تعدد و تفسیر لکھی ہیں۔ ان تمام احکام سے واقف ہونا تو ایک طرف پروفیسر صاحب کی وسعت معلومات کا یہ حال ہے کہ نکاح و طلاق کے مسائل میں سے انکو صرف دو مسئلے معلوم ہیں تعدد و طلاق و تعدد و نکاح۔ حالانکہ قرآن مجید میں محرمات نکاح۔ سوطوہ اب جمع بین الاختین۔ نکاح۔ بامشکرات۔ طلاق قبل خلوت صحیح و بعد خلوت اور دونوں کے احکام۔ خلع املا کے مسائل تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

تمام مہمات مسائل کی مصلحت اور غایت خود کلام الہی میں مذکور ہے۔ کفار کے مقابلہ میں قرآن کا طرز استدلال۔ عموماً اسی اصول کے مطابق ہے۔ نماز کی مصلحت خدا نے خود بتائی کہ تَعْبُدُوا اللَّهَ شَاءَ الْمُنْكَرُ۔ روزہ کی فرضیت کے ساتھ ارشاد ہوا۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ جہاد کی نسبت فرمایا حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ اسی طرح ادب احکام کے متعلق قرآن وحدیث میں جا بجا تصریحیں اور اشارے موجود ہیں کہ انکی غرض وغایت کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب تھا اور یہ اصول انکے مسائل فقہ میں عموماً مرعی ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ حنفی فقہ جس قدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہیں۔ امام طحاوی نے جو محدث اور مجتہد دونوں تھے اس بحث میں ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام سے مشہور ہے اور جس کا موضوع یہ ہے کہ مسائل فقہ کو نصوص وطریق نظر سے ثابت کیا جائے محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے۔ اور اگرچہ انصاف پرستی کے ساتھ بعض

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۵ وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب کو صرف شوہر کا حصہ اور یہ کہ مرد کو عورت کے دو حصہ کے برابر ملتا ہے معلوم ہے۔ انوس انکو یہ معلوم نہیں کہ وراثت کا پورا باب جملہ القرآن مجید مذکور ہے اور خصوصاً والدین کا حصہ اور کلام کے احکام توصاف صاف تصریحاً مذکور ہیں۔ قصاص اور دیت کے مسائل جو نہایت تفصیل سے قرآن میں مذکور ہیں اور جن میں قتل عداوت قتل خطا اور انکے احکام کی پوری تفصیل ہے پروفیسر صاحب کو سرے سے معلوم نہیں۔ حیرت ہے کہ اس محدود واقفیت کے ساتھ پروفیسر صاحب نے اس بحث کے طے کرنے کی کیونکر جرأت کی؟

یہ تو ضمنی بحث تھی اب ہم ان مقدمات پر توجہ کرتے ہیں جن پر پروفیسر صاحب کی استدلال کی بنا ہے اس قدر آٹھون نے خود تسلیم کر لیا ہے اور واقع میں بھی صحیح ہے کہ شروع اسلام یعنی خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ تک مسلمان غیر فخریوں سے بالکل الگ رہے اور انکے قانون اور احکام سے کسی قسم کی واقفیت نہیں چل کی۔ اسی لئے

مسئلوں میں امام ابو حنیفہ سے مخالفت کی ہے۔ لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ نظر استدلال سے ثابت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب۔ احادیث اور طریق نظر۔ دونوں کے موافق ہے۔ امام محمد نے بھی کتاب الحج میں اکثر مسائل میں عقلی وجوہ سے استدلال کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں جسکو تفصیل مقصود ہوا ان کتابوں کی طرف رجوع کرے اس دعویٰ سے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے۔ شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہیں اور وہ انکار کیوں کرتے۔ ان کے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات۔ جس قدر عقل سے بعید ہوں اسی قدر ان کی خوبی ہے۔

امام رازی نے زکوٰۃ کی بحث میں لکھا ہے کہ امام شافعی کا مذہب امام ابو حنیفہ سے زیادہ صحیح ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی کا مذہب عقل و قیاس سے بعید ہے اور یہی اس کی صحت کی دلیل ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کے مسائل زیادہ تر تعبدی احکام ہیں جنہیں عقل درست

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۶ دمشق و بیروت و اسکندریہ میں اسوقت رد من لاکے جو مدرسہ جاری تھے خود فقہ پروفیسر صاحب کے اسلامی فقہ ہائے کچھ اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ اب قابلِ سماع یہ امر ہے کہ پروفیسر صاحب نے اسلام کے جو مسائل انہی دعویٰ کے ساتھ پیش کئے ہیں کہ وہ رد من لاکے موافق ہیں وہ کس زمانہ کے ایجاد شدہ مسائل ہیں۔ مثلاً وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ مسائل ذیل یعنی اولاد مسلمانہ اصولی۔ شریعہ داران طرفی خواہ آدھا خون ملا جو یا کل اور انکی اولاد بی بی یا غا وغیرہ مولائی غلام آزاد یہ سب رد من لاکے موافق ہیں۔ اس کے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ترکہ اس طرح تقسیم کیا جاتا تھا جو رد من لاکا طریقہ تھا یعنی کل حصہ یہ تھے۔ نصف۔ ربع۔ ثمن۔ دو ثلث۔ ایک ثلث۔ سب سے بھی رد من لاکہ تھے لیکن پروفیسر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یہ حصص خود قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اور قرآن مجید کی نسبت خود پروفیسر صاحب ملہ مناقب شافعی مصنفہ امام فخر الدین رازی ۱۱۔

”کو دخل نہیں“

بخلاف اور معصرون کے امام ابو حنیفہ کا اس اصول کی طرف مائل ہونا ایک خاص سبب ہے تھا۔ دوسرے ائمہ جنہوں نے فقہ کی تدوین و ترتیب کی۔ انکی علمی ابتدا فقہی مسائل ہوئی تھی۔ بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی۔ جسکی ممارست نے ان کی قوت فکر اور حدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا۔ معتزلہ وغیرہ جیسے انکے معرکے تھے عقلی اصول کے پابند تھے۔ اسی لئے امام صاحب کو بھی انکے مقابلہ میں انہیں اصول سے کام لینا پڑتا تھا۔ اور متنازع فیہ مسئلوں میں مصلح و اسرار کی خصوصیتیں دکھانی پڑتی تھیں۔ اس غور اور تدقیق مشق و مہارت سے انکو ثابت ہو گیا تھا کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصول عقل کے مطابق ہے۔ علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ان مسائل میں بھی جستجو ہی حنفی فقہ کے مسائل کا دوسرے فقہوں کے مسائل سے مقابلہ کیا جائے۔ تو یہ تعداد

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۷ نے تسلیم کیا ہے کہ اس میں روحی بنیاد کا پتہ نہیں لگتا۔ البتہ ذرا کی بعض افراد ذرا زائد ہیں مگر نہیں لیکن وہ زمانہ رسالت خلافت تک پوری طرح سے معین و مقرر ہو چکے تھے۔ حدیث و آثار کی تائید فقہیم کا یہ آج موجود ہیں انکو پڑھ کر متعصب متعصب شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

وحییت کے متعلق پروفیسر صاحب نے فقہ کے جن مسائل کو رومن لاسے ماخوذ سمجھا ہے انکی یہ تفصیل کی ہے۔ وحییت تقریری یا تحریری دو گواہوں کے سامنے۔ وحی ایک ثلث جائداد سے زیادہ کی وحییت نہیں کر سکتا جب تک کہ ورثانہ راضی ہوں۔ لیکن یہ مسائل بھی زمانہ نبوت یا خلافت کے مسائل ہیں۔ اور اس امر سے ایک عام علم دان بھی انکار نہیں کر سکتا۔ پروفیسر صاحب نے اور بھی مسائل گنائے ہیں جو ادنیٰ رائے میں رومن لاسے ماخوذ ہیں ہم ان سبکی تفصیل نہیں کر سکتے۔ مختصر اس قدر کہنا کافی ہے کہ ان میں اکثر مسائل اس زمانہ کے ہیں جنکی نسبت پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے قوانین و احکام سے کچھ واقفیت نہیں حاصل کی تھی۔

صاف نظر آتا ہے۔ معاملات تو معاملات۔ عبادات میں بھی جسکی نسبت ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ اس میں عقل کو دخل نہیں امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔ اگر اس بات پر غور کی جائے کہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ شریعت میں کن مصلحتوں سے فرض کئے گئے ہیں اور ان مصلحت کے لحاظ سے ان احکام کی بجا آوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیے تو وہی طریقہ موزون ثابت ہوگا۔ جو حنفی فقہ سے ثابت ہو رہا ہے۔ مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصلی غرض کیا ہے؟ (یعنی خضوع۔ اظہار تعبد۔ اقرار عظمت الہی۔ دعا اور اسکے حاصل ہونے میں کن افعال کو کس نسبت سے دخل ہے؟ ان افعال کے مزاج مختلف ہیں۔ بعض لازمی اور ضروری ہیں۔ کیونکہ انکے نہ ہونے سے نماز کی اصلی غرض فوت ہوتی ہے ان افعال کو شریعت کی زبان میں فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض افعال ایسے ہیں جو طریقہ ادائے ایک حسن و خوبی پیدا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے فوت ہونے سے اصل

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۸ پر و فی سر صاحب کس بات پر بڑی حیرت ہو کہ قرآن مجید یا حدیث میں قانونی مسائل بہت کم تھے انکی بنیاد پر فقہ کا تاجراؤں نے کہاں سے تیار ہو گیا؟ اسی حیرت نے انکو مجبور کیا کہ وہ فقہ اسلام کو رد میں لاکھاؤں میں بتائیں۔ لیکن ہر و فی سر صاحب کس کس بات پر حیرت کرینگے۔ قانونی مسائل تو خیر رد میں لاسے مانو وہ ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کے متعلق قرآن مجید و احادیث میں کون سی بڑی تفصیل ہے ہر فقہ میں انہی مسائل کا ایک عظیم الشان سلسلہ کیونکر قائم ہو گیا؟ کیا یہ مسائل بھی رد میں لاسے مانو وہ ہیں۔ اسکو بھی جانے دو۔ تمام ائمہ اسلامی علوم کیونکر پیدا ہوئے اور اس وسعت کو کیونکر پہنچے؟ آنحضرت کے زمانہ میں تفسیر۔ حدیث۔ اصول۔ حدیث۔ اصول فقہ۔ اسرار و رجال کے کتنے مسائل پیدا ہوئے تھے۔ اور آج انکی کیا حالت ہو؟ کیا آج یہ سب علوم جدا گانہ فن نہیں ہیں؟ کیا ان سے مسلمانوں کی دقت نظر تیزی طبع۔ وسعت خیال کا اندازہ نہیں ہوتا۔ کیا یہ علوم و فنون بھی مسلمانوں نے رد میں دیوئے ان سے کیے۔ ۱۔

فرض قوت نہیں ہوتی۔ ان افعال کا رتبہ پہلی قسم سے کم ہے اور انکو سنت و مستحب سے تعبیر کرتے ہیں۔

ادھر ہم لکھ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرض و واجب و سنت کی تصریح نہیں فرمائی۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ نماز کے تمام افعال یکساں درجہ نہیں رکھتے تھے اسی لئے تمام مجتہدین نے انکے امتیاز مراتب پر توجہ کی اور استنباط اجتہاد کی رصے ان افعال کے مختلف مدارج قائم کئے اور انکے جدا جدا نام رکھے۔ امام ابو حنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن اسباب میں انکو اور آئمہ پر جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ احنوف نے جن افعال کو جس رتبہ پر رکھا وہ حقیقت انکا وہی رتبہ تھا۔ مثلاً سب سے ضروری امر یہ ہے کہ نماز کے ارکان یعنی وہ افعال جنکے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا میں؟ چونکہ نماز اصل میں اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا نام ہے۔ اس لئے اس قدر تو سب مجتہدوں کے نزدیک مسلم رہا کہ گنیت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۹ فقہ کے جن مسائل کو پروفیسر صاحبکار و سن لائے ماخوذ بتالیف ہے وہ اس زمانہ تک اس میں جب خود بقول پروفیسر صاحب کے مسلمانوں نے غیر قوموں سے کچھ نہیں سیکھا تھا۔ لیکن زمانہ بعد میں گنا فقہ نے رومن لاک کبھی احسان نہیں اٹھایا۔ پروفیسر صاحب کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ دولت عباسیہ کے عہد زری میں مسلمانوں نے یونان و مصر سے علوم و فنون لئے۔ لیکن انکو جانا چاہئے کہ یونان و مصر کے شاگردوں کا گروہ ایک خاص گروہ تھا اسے شہر مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو غیر قوموں سے مستفید ہوتے تھے اور اس کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن مسلمانوں ہی میں وہ گروہ بھی تھا اور وہی بہت بڑا گروہ تھا جو اپنے نفس و کمال کے زعم میں غیر قوموں کی طرف کبھی رخ بھی نہیں کرتا تھا۔ مجتہدین اور فقہاء اسی گروہ میں داخل ہیں۔ یونان و مصر وغیرہ کے کتابیں جو عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں ان کی نہایت مفصل نہرست ہو سکتی ہیں۔ ان میں فلسفہ طب ہندسہ نجوم کہتیا صنعت تاریخ لائف ناموں۔ ہر قسم کی کتابیں ہیں۔ لیکن قانون کا ایک

تکبیر قرأت رکوع۔ متعبد۔ وغیرہ جن سے بڑھکر اقرار عبودیت اور انظار خشوع کا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا فرض اور لازمی ہیں اور خود شمار سے انکے لازمی اور ضروری ہونے کی طرف اشارہ کیے بلکہ بعض جگہ تصریح بھی کی لیکن اور آئمہ نے یہ زیادتی کی کہ ان ارکان کی خصوصیتوں کو بھی فرض قرار دے دیا۔ حالانکہ وہ خصوصیتیں لازمی نہ تھیں۔ اس لئے امام ابو حنیفہ انکے فرضیت کے قائل نہیں۔ مثلاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ السدا کبر کے سواء اور الفاظ سے بھی ادا ہو سکتی ہے جو اسکے ہم معنی ہیں (مثلاً اللہ اعظم السدا جل) امام شافعی کے نزدیک نہیں ہو سکتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان میں کہی جائے تب بھی جائز ہے امام شافعی کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرأت کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ہو بھی نہیں سکتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو شخص عربی میں قرأت

تصنیف بھی نہیں جسکی وجہ غالباً یہی ہو کہ فقہاء مجتہدین جو اسلام میں واقع قانون تھے غیر قوموں کی خوشنہی کو اپنی اصطلاح میں حرام کہتے تھے کیا۔ امام ابو حنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد حنبل سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ مسائل فقہ کو جو انکے نزدیک مذہب کا ایک حصہ تھا روم و یونان سے سیکھتے۔ اگر پروفیسر صاحب کو ان ایام کے حالات معلوم ہوتے اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ فقہ تمام اوابا انہی بزرگوں کے جمیع مرتب ہو گئے تھے تو وہ ہرگز ایسا دعوے نہ کرتے!

البتہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ بعض مسائل میں روس لاؤ فقہ اسلام متحد کیوں ہیں۔ لیکن سبب فقہ اسلام کی تخصیص نہیں جن قانون کا گوہ کتنی ہی بے تعلق ہوں آپس میں مقابلہ کیا جاوے بہت مسائل مشترک ثابت ہو جائیں اور قدر ایسا ہوا ضرور ہے جب تمام دنیا کے آدمیوں کی ذاتی عدلی۔ ملکی ضرورتیں اکثر متحدہ و یکساں ہیں تو ان ضرورتوں کا لحاظ ہر جگہ جو قوانین وضع کئے جائیں گے ان کے مسائل کا مشترک ہونا کونسی تعجب کی بات ہے شہر

دور ہو کر یکساں رہو نہ مذہب کا محبت عجب نباشد اگر اؤ فقہ پے پے بر پے

پڑھنے سے معذور نہ ہو مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ترجمہ سے کسی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ امام ابو حنیفہ یا کسی مجتہد نے صرف عقل و قیاس سے نماز کے ارکان متعین کئے ہیں۔ ائمہ نے ان ارکان کے ثبوت کے لئے عموماً احادیث کی تصریح و اشارت سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلائل کتب فقہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ ہمارے مطلب ہے کہ امام ابو حنیفہ کے دعوؤں پر جس طرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تصریح و اشارے موجود ہیں۔ اسی طرح عقلی وجوہ بھی انکی صحت کے شاہد ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار اور مصلح کو نہایت دقیق نگاہ سے دیکھتے تھے۔

نرا کوئی مسئلہ کا بھی یہی حال ہے۔ زکوٰۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت کا ہے اسی لئے زکوٰۃ کے مصرف میں وہ لوگ خاص کر دئے گئے ہیں جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ یعنی فقر و مساکین۔ عمال۔ زکوٰۃ۔ مولفۃ القلوب۔ مقروض مساکین۔ غازی۔ محتاج چونکہ ان لوگوں کی تصریح خود قرآن مجید میں مذکور ہے اسی لئے اس امر میں سب مجتہدین کا اتفاق رہا کہ یہ لوگ مصرف زکوٰۃ ہیں۔ لیکن تعین نے ایک اختلاف پیدا کیا۔ امام شافعی نے ان اقسام کے ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب اشخاص زکوٰۃ کے ادا میں لازمی ہیں یعنی جب تک ان اٹھوں اقسام کے لوگوں کو زکوٰۃ ادا نہ کی جائے فرض ادا ہی نہیں ہو سکتا۔

امام محمد نے جامع صغیر میں جو روایت کی ہے اس میں مجبوری کی قید نہیں ہے اور اسی بنا پر مخالفین نے امام محمد پر سخت اعتراض کیا ہے کہ وہ قرآن کی حقیقت و مفہوم میں الفاظ کو دخل نہیں سمجھتے یعنی اسکے نزدیک صرف قرآن کے معانی پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بے شبہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن فقہ حنفیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے بالآخر اس قول سے رجوع کیا ہے۔ ۱۲

بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ زکوٰۃ ان اقسام سے باہر نہ جانے پائے۔ باقی یہ امر کہ ان لوگوں میں سے سب کو دیکھا جائے یا بعض کو یہ امر مقتضائے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جسکو چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

ایک اور مسئلہ جس میں امام ابو حنیفہ اور دوسرے ائمہ مختلف ہیں یہ ہے کہ چار پالیوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ میں جانور یا دوس کی قیمت ادا کی جاسکتی ہے۔

امام شافعی کے نزدیک قیمت ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، حالانکہ زکوٰۃ کی غرض اصل ہونے میں جانور اور اسکی قیمت دونوں برابر ہیں اس لئے شافعی نے بھی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

ان مسائل کے سوا عبادات کے اور سیکڑوں مسائل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسائل میں ہر جگہ مصلح اور اسرار کی خصوصیت ملحوظ ہے لیکن ہم تطویل کے لحاظ سے ان سب کی تفصیل نہیں کر سکتے۔ معاملات کے مسائل میں یہ عقدہ زیادہ حل ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب کس قدر مصلح اور قسار کے موافق ہے۔

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور سیر التعمیل ہے۔

قرآن مجید میں متعدد وجہ آیا ہے کہ خدام لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔

رسول اللہ کا قول ہے کہ ”میں نرم اور آسان شریعت لیکر آیا ہوں“ بے شہرہ سلام کو تمام

دوسری خصوصیت
فقہ حنفی کا آسان
اور سہل ہونا

اور مذہبون کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہباینت سے نہایت بعید ہے۔ اس میں عبادات شاقہ نہیں ہیں۔ اس کے مسائل آسان اور سیرۃ التعمیل ہیں۔ حنفی فقہ کو بھی اور فقہوں پر یہی ترجیح حاصل ہے۔

حنفی فقہ کا آسان اور وسیع ہونا ایسا متعارف ہے کہ شعراء اور مصنفین اس کو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ انوری نے جو ایک فحاش اور بد زبان شاعر تھا اگرچہ بڑے موقع پر اس کا استعمال کیا اور کما حقہ چون رخصتہ ہائے بو حنیفہ ۶ تا ہم اصل مدعا کا ثبوت اس کے کلام سے بھی ہوتا ہے۔ عبادات اور معاملات کا کوئی باب کوئی فصل۔ لیلویہ تفسیر صاف نظر آتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں جو شریعت مہلہ کی شان ہے۔ بخلاف اسکے اور ائمہ کے بہت سے احکام نہایت سخت اور عسرۃ التعمیل ہیں مثلاً کتاب الجنایات و کتاب حدود کے مسائل۔ انہی میں سے سر قہ کے احکام ہیں چنانچہ ہم آسکے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہاں لکھتے ہیں۔

اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سر قہ کی سزا قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہے لیکن مجتہدین نے سر قہ کی تعریف میں چند شرطیں اور قیدیں لگائی ہیں جنکے بغیر قطع ید کی سزا نہیں ہو سکتی۔ ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کی جزئیات سے معلوم ہوگا۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب کس قدر آسان ہے اور تمدن و شایستگی کے کس قدر موافق ہے۔

سیرۃ کے احکام

| امام ابو حنیفہ کے مسائل | اور ائمہ کے مسائل |
|--|-----------------------------------|
| نصاب ستر قہ۔ کم از کم ایک اشرفی ہے۔ | ایک اشرفی کا سبب۔ |
| اگر ایک نصاب میں متعدد چورون کا سا بھا | امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ |
| ہے تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ | کاٹا جاوے گا۔ |
| نادان بچہ پر قطع ید نہیں | امام مالک کے نزدیک ہے۔ |
| لغص چور پر قطع ید نہیں۔ | اور ائمہ کے نزدیک ہے۔ |
| زوحین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے | امام مالک کے نزدیک ہے۔ |
| تو قطع ید نہیں۔ | |
| بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں | امام مالک کے نزدیک ہے۔ |
| قربت قریبہ دسے مثلاً۔ چچا۔ بھائی وغیرہ پر | اور ائمہ کے نزدیک ہے۔ |
| قطع ید نہیں | |
| ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لیکر انکار | اور ائمہ کے نزدیک ہے۔ |
| کر گیا۔ تو قطع ید نہیں۔ | |
| ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر پھر پھر | اور ائمہ کے نزدیک ہے۔ |
| یا بیع اس کا مالک ہو گیا۔ تو قطع ید نہیں۔ | |
| غیر مذہب کے دو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری | اور ائمہ کے نزدیک ہے۔ |
| میں رہتے ہیں ان پر قطع ید نہیں۔ | |
| قرآن مجید کے ستر قہ پر قطع ید نہیں | امام شافعی و مالک کے نزدیک ہے۔ |
| لکڑی۔ یا جو چیز میں جلد خراب ہو جاتی ہیں | اور ائمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔ |

انکے سر قلم سے قطع پر لازم نہیں آتا۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ کتابہ خطروالہ لاحقہ ہے یعنی حرام و حلال۔ جائز و ناجائز کی تفصیل اس باب میں یہ دعویٰ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اور ائمہ کے بہت سے ایسے مسئلے ہیں جنکی پابندی کیجائے تو زندگی دشوار ہو جائے۔ بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کے احکام نہایت آسان اور سہل ہیں۔ مثلاً امام شافعی کے نزدیک جو پانی ایلون کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اس سے غسل اور وضو ناجائز ہے۔ اسی طرح مٹی کے برتن جو ایلون کی آگ سے پکائے گئے ہوں ان میں کھانا ناجائز ہے۔ رائگاں۔ کلچ۔ بلور۔ عقیق کے برتنوں کا استعمال ناجائز ہے۔ مثلاً پشینہ۔ سور۔ پوشین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور سکو پسنکر نماز نہیں ہو سکتی۔ برتن۔ یا کریسان اور زین وغیرہ چسپا بندی کا کام ہوا انکا استعمال ناجائز ہے بیچ بالمعاطرہ یعنی خرید و فروخت کا عام طریقہ جہین بعت و اشتریت کی تصریح نہیں کی جاتی۔ ناجائز ہے۔ ان تمام مسائل میں امام ابو حنیفہ کا مذہب۔ امام شافعی سے مخالف ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقی فقہ۔ دوسرے فقہوں کی طرح تنگ اور سخت گیر نہیں ہے۔

تیسری خصوصیت

(۳) فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتیں متعلق ہیں معاملات کا حصہ ہے اور یہی وہ موقع ہے جہاں ہر مجتہد کی وقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت میں تھے کہ تمدن اور تہذیب یافتہ ملک کے لئے بالکل ناکافی تھے۔ نہ معاملات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے۔ نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا۔ نہ فصل قضایا دئے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا۔ امام ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے۔ لیکن افسوس ہے کہ جو مجتہدین ان کے بعد ہوئے انھوں نے بچائے اس کے کہ اسکو اور وسعت دیتے۔ اسی

فقہ حنفی میں مسائل کے متعلق جو قاعدے ہیں نہایت وسیع و تمدن کی طرف ترقی ہیں

غیر تمدنی حالت کو قائم رکھنا چاہا۔ جبکہ انشاؤں اور اہل ان خیالات تھے جو علمائے مذہب کے
 و مانعوں میں جاگزیں تھے۔ ایک مشہور محدث نے فقہاء پر طعن کیا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک
 جب کسی زمین کا دعویٰ کسی عدالت میں پیش کیا جائے تو ضرور ہے کہ عرضی دعویٰ میں زمین
 کا موقع بتایا جائے اس کی حدود اور بعد دکھائی جائیں حیثیت اور صورت کی تفصیل ہو جائے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان جزئیات اور قیدوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ محدث مذکور
 کے نزدیک یہ بڑے التزام کی بات ہے۔ لیکن اگر انکو کسی ترقی یافتہ ملک میں رہنے کا اتفاق
 ہوتا اور معاملات سے بھی کام پڑتا تو معلوم ہوتا کہ جن چیزوں کو وہ التزام کی بات سمجھتے ہیں
 ان کے بغیر زندگی بسر کرنے کی شکل ہے۔

امام شافعی۔ ہمہ کے لیے قبضہ کو ضروری نہیں سمجھتے۔ شفعہ ہمسایہ کو جائز نہیں کہتے
 تمام معاملات میں مستور الحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ گواہان نکاح کے لئے ثقل
 اور عادل ہونے کی قید ضروری سمجھتے ہیں۔ مؤمنوں کے باہمی معاملات میں بھی اذن کی شہادت
 جائز نہیں قرار دیتے۔ بے شبہ یہ باتیں ان ممالک میں آسانی سے چل سکتی ہیں جہاں تمدن نے
 وسعت نہیں حاصل کی ہے اور معاملات کی صورتیں بالکل سادہ اور سیریل حالت میں ہیں لیکن
 جن ملکوں میں تمدن نے ترقی حاصل کی ہو۔ معاملات کی مختلف اور پیچ در پیچ صورتیں پیدا ہوتی
 جاتی ہوں۔ حقوق کی تحدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہ ہو وہاں ایسے احکام کا قائم رہنا آسان
 نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسائل میں امام ابو حنیفہ۔ امام شافعی سے مخالف ہیں۔
 مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب انہی ممالک میں رواج پاسکا جہاں تمدن
 نے وسعت نہیں حاصل کی تھی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ امام مالک کے مسائل میں اصول
 تمدن کی رعایت نہ تھی۔

امام ابو حنیفہ نے جس وقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کر کے اس کا صحیح اندازہ قرار دیا تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ معاملات کے چند ابواب پر ایک مفصل پر بیان کیا جائے۔ لیکن ایسی تفصیل کے لئے نہ وقت مساعد ہے نہ اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش ہے تاہم مالا بدیدہ لکھ لکھ کا یہی شکلا اس لئے نمونہ کے طور پر ہم صرف مسائل نکاح ذکر کرتے ہیں جو عبادات اور معاملات دونوں کا جامع ہے۔

نکاح کو اگرچہ فقہانے عبادات میں شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے اور نکاح بوجہ اس کے کہ تمدن و معاشرت کے بڑے بڑے نتائج اس پر متفرع ہوتے ہیں نہایت ضروری حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

مسائل نکاح کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ بعض بعض یورپین مصنفوں کا یہ دعویٰ کیا ہے کہ حنفی فقہ کے مسائل نکاح نہایت وحشیانہ اور ظالمانہ ہیں لیکن ہم اس بحث میں دیکھنا چاہتے ہیں کہ آج ہند سے ہند ملکوں میں بھی نکاح کے قواعد حنفی فقہ سے عمدہ تر نہیں ہیں۔ تبسم نے اپنی کتاب یونٹنی میں لکھا ہے کہ ”رومن لاکے بموجب قواعد نکاح ایک مجموعہ ظلم ہیں“

لیکن ہم ثابت کر دینگے کہ حنفی فقہ کے بموجب قواعد نکاح مجموعہ انصاف ہیں۔ غالباً اس بحث سے ان لوگوں کے خیالات کی بھی کسی قدر اصلاح ہوگی جو غلطی سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ حنفی فقہ رومن لاکے مانع ہے۔

نکاح دائرہ دل و تمدن اور معاشرت کا نہایت وسیع حصہ ہے۔ نکاح بقول ایک حکیم کے ”جامعتوں کا شیرازہ تہذیب کی اصل۔ تمدن کی بنیاد ہے۔“ اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ جس مقلد نے اس کے اصول و ضوابط کی عمدہ توضیح یا تشریح کی وہ قانون تمدن کا بہت

بڑا نکتہ شناس ہے۔ اگرچہ امام ابو حنیفہ ان اصول و ضوابط کے موجد نہیں ہیں۔ شائع نے خود اس کے کلمات مسائل بتا دیے تھے۔ تاہم جس نکتہ منہجی کے ساتھ انھوں نے ان اصول کی تشریح کی اور اس پر احکام متفرع کئے وہ خود ایک بڑے متفن کا کام تھا۔ شائع کا کلام کہیں مجمل وقع ہوا تھا کہیں تحمل المعین۔ بعض جگہ صرف اشارے تھے۔ خاص کر جزئیات بہت کم مذکور تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کے اکثر مسائل میں مجتہدین کی مختلف رائیں قائم ہوئیں۔ یہی مختلف فیہ مسائل ہیں جنہیں امام صاحب کے اجتہاد کے جوہر کھلتے ہیں۔ اور صاف نظر آتا ہے کہ جب طرچ انھوں نے ان موقعوں پر شائع کے اجمال کی تفصیل کی احتمالات کے محل معین کئے۔ اشاروں کی تصریحیں بتائیں۔ جزئیات کی تفریح کی۔ وہ انہیں کا کام تھا۔ جنہیں اور مجتہدین کسی طرح انکی ہمسری نہیں کر سکتے۔

نکاح کے مسائل جن اصول پر متفرع ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کن لوگوں کے ساتھ نکاح ہونا چاہیے ؟

(۲) معاملہ نکاح کس کے اختیار سے ہونا چاہئے ؟

(۳) اسکی بقا و ثبات کا استحکام کس حد تک ضروری ہے۔

(۴) فریقین کے حقوق کیا قرار دیئے جائیں ؟

(۵) نکاح۔ کن دستورات اور رسوم کے ساتھ عمل میں آئے۔

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کسی حد تک محدود کیا جائے۔ تھوڑے سے اختلاف کیا سائر

تمام مذاہب میں یکسان طور پر پایا جاتا ہے۔ ہر قوم نے چند محرمات قرار دیئے ہیں جن کے ساتھ ازدواج کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ محرمات قریناً تمام مذہبوں میں مشترک ہیں۔ جبکی وجہ یہی ہے کہ یہ امر نہایت صحیح اصول عقلی پر مبنی ہے۔

محرمات نکاح

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ الہیہ اور فلاسفہ ہتھم نے کتاب یونانی میں
 حرمت کے جو دلائل قائم کئے ہیں بالکل مشترک ہیں۔ چونکہ یہ امر بالکل اصول فطرت کے
 مطابق ہے اور قرآن مجید میں محرمات کے نام تصریحاً مذکور ہیں۔ اس لئے اصل مسئلہ میں تمام
 مجتہدین کا اتفاق رہا۔ لیکن جو جزئیات ظاہر نص کے ذیل میں نہیں آتیں۔ ان میں اختلاف
 پیدا ہو گیا۔ انہیں میں حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے اختلاف
 کا ایک معرکہ الاراء مسئلہ ہے۔ امام شافعی کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہیں
 پیدا ہوتے۔ مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اس عورت سے ناجائز نہیں
 ہے۔ امام شافعی نے اسکو یہاں تک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ
 زنا کیا اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ انکی دلیل یہی
 کہ زنا ایک حرام فعل ہے۔ اس لئے وہ حلال کو حرام نہیں کر سکتا۔ امام ابو حنیفہ اسکے بالکل مخالف
 ہیں۔ انکے نزدیک مقاربت کے ذریعہ سے مرد اور عورت کے تعلقات پر جو فطری اثر پڑتا ہے
 وہ نکاح پر محدود نہیں ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہے اسکو
 نکاح کے ساتھ خصوصیت نہیں۔ اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہو اسکے ساتھ نکاح
 و مقاربت کا جائز رکھنا۔ بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے۔ باپ کی موطورہ کا بھی یہی
 حال ہے و علیٰ ہذا القیاس۔ خود قرآن مجید میں اسکے اشارے موجود ہیں۔ لیکن چونکہ بیان
 نقلی بحث نہیں۔ ہم اس کا ذکر نہیں کرتے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا اختیار کون ہے؟ یہ ایک نہایت مہتمم باشان
 سوال ہے۔ اور نکاح کے اثر کی خوبی یا برائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہے۔ امام شافعی امام
 احمد حنبل کے نزدیک عورت کو عاقلہ بالغہ ہو۔ نکاح کے بارہ میں خود مختار نہیں ہے۔ بیٹے

معاملہ نکاح
 میں اختیار

کسی حال میں وہ اپنا نکاح آپ نہیں کر سکتی۔ بلکہ ولی کی محتاج ہے ان بزرگوں نے ایک طرف تو عورت کو اس قدر مجبور کیا۔ دوسری طرف ولی کو ایسے وسیع اختیارات دیے کہ وہ زبردستی جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح باندھ دے عورت کسی حال میں انکار نہیں کر سکتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بالغ عورت اپنے لکھاہ کی آپ مختار ہے۔ بلکہ اگر بالغی کی حالت میں ولی نے نکاح کر دیا ہو تو بالغ ہو کر وہ نکاح کو فسخ کر سکتی ہے۔

اس اختلاف کی اصلی بنیاد عورتوں کے حقوق کے مسئلہ پر مبنی ہے۔ تمام مذہبوں میں عورتوں کی حالت نہایت پست قرار دی گئی ہے اور ان کے حقوق نہایت تنگمندی سے قائم کئے گئے ہیں ہندوؤں اور عیسائیوں کے ہاں عورت کو میراث نہیں ملتی۔ خود عرب میں اسلام سے پہلے یہی دستور تھا۔ اس طرح کے اور بہت سے امور میں جیسے عورتوں کا کم رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اسلام نے مردوں اور عورتوں کے حقوق یکساں دیکر پرتاؤں کئے۔ اور فرمایا للرجال نصیب مما اكتسبوا وللنساء نصیب مما اكتسبن امام ابو حنیفہ نے تمام مسائل میں اس اصول مساوات کو بری رکھا ہے۔ اور یہی خصوصیت ہے جو اس باب میں آئن کی فقہ کو اور آئمہ کی فقہ سے ممتاز کرتی ہے مثلاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ نکاح۔ طلاق۔ عتق وغیرہ معاملات میں عورتوں کی شہادت اسی طرح معتبر ہے جس طرح مردوں کی۔ بخلاف اسکے اور آئمہ مجتہدین کے نزدیک عورتوں کی شہادت کا اعتبار نہیں۔ بعض معاملات میں آئن بزرگوں نے عورتوں کی شہادت جائز بھی رکھی ہے تو یہ قید لگوائی ہے کہ دو سے کم نہ ہوں اور امام شافعی کے نزدیک تو چار سے کم کا کسی حالت میں اعتبار نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس طرح ایک مرد کی گواہی معتبر ہے عورت کی بھی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورت منصب قضا پر مامور کیجا سکتی ہے۔ لیکن اور آئمہ مابعد ہیں۔ اسی بنا پر اسکے

نزدیک جب مرد نکاح کے معاملہ میں خود مختار قرار دیا گیا ہے تو عورت کو بھی ایسا ہی اختیار دینا چاہیے۔

اس عام اصول مساوات کے قطع نظر صورت تنازعہ میں خصوصیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ نکاح کا معاملہ عام معاملات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ نکاح ایک ایسا تعلق ہے جس کا اثر نہایت وسیع ہے اور زندگی کے آخر وقت تک قائم رہتا ہے۔ اس لئے ایسے معاملہ میں ایک فریق کو بالکل بے اختیار رکھنا نہایت نا انصافی ہے۔

اس بحث میں امام شافعی کا ملاحظہ تھلی دلیون پر ہے۔ لیکن اس میدان میں بھی امام ابو حنیفہ ان سے پیچھے نہیں۔ اگر امام شافعی کو لا نکاح الاولیٰ پر استدلال ہے تو امام صاحب کی طرف الشبہ الحق بنفسہما من دلیہما والبعک تسانذ فی نفسہما۔ موجود ہے۔ لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں

تیسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا استحکام و بقا کس حد تک ضروری ہے۔ عقد نکاح کی غولی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد اور جماعتوں کا شیرازہ ہے اسی حالت میں ہے جب وہ ایک مضبوط اور دیر پا معاملہ قرار دیا جاوے۔ ورنہ وہ صرف قضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ انھوں نے طریقہ انعقاد یعنی مہر انقیاع طلاق۔ نہاذ خلع کے جو قواعد قرار دیے ہیں ان سب میں اس اصول کے کام لیا ہے۔

اسباب میں سب سے مقدم انکاح یہ مسئلہ ہے کہ اطلاق ہم استتاقہ حال الزوجین حرام۔ یعنی جب تک زوجین کی حالت استتاقہ پر ہے۔ طلاق دینا حرام ہے۔ ضرورت اور مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے تو اس کا طریقہ ایسا رکھا ہے جس سے صلح

عقد نکاح کا
استحکام

اور رجعت کی امید منقطع نہ ہو یعنی یہ کہ تین بار کر کے طلاق دے اور ہر طلاق میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہو تا کہ اس اثنا میں شوہر کو اپنے ارادے کے فیصلہ کر نیکے لئے کافی وقت ملے اگر وہ اس ارادے سے باز آنا چاہے تو باز آ سکے۔ اور تحبیہ یہی ہے کہ باز آئے۔ اس وسیع مدت میں بھی اگر اصلاح و آشتی کی توقع نہ ہو۔ اور تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ فریقین کی برہمی کسی طرح اصلاح پذیر نہیں ہے۔ تو مجبوراً طلاق دے۔ طلاق کے بعد ادا سکھو مہر ادا کرنا ہو گا۔ اور تین مہینہ تک زوجہ کی خورد و نوش کی کفالت کرنی ہوگی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ جب تک اسے وہ دوسرا شوہر نہ پیدا کر سکے۔ گزرا اور بسر اوقات کے لئے اس کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور مہر کی رقم عام مصارف میں کام آئے۔ اسباب میں امام حنفی کے مسائل جو او رائے سے مختلف ہیں۔ ہم انکو ذیل میں یکجائی طور پر لکھتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ امام صاحب کے معاملہ نکاح کو کیسا اہتمام بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا اور ہر حالت میں اسکے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

| | |
|--|--|
| ۱ جب تک فریقین کی حالت میں ہتفاست ہو طلاق حرام ہے۔ | امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں۔ |
| ۲ ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور ہر ایک مرتبہ عاصی ہے۔ | امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں۔ |
| ۳ مہر کی تعداد کسی حالت میں دس دینار کم نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ مقصد ہو کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرات نہ ہو کیونکہ یہ تعداد غریب و مفلس کے لئے ہے | امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک جبہ بھی مہر ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرد و بیوی بے سوچے سمجھے طلاق دینے پر جرات کر سکتا ہے اور عورت کو بوجہ اس کے |

جسکو این رقم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہو جائے کہ تفریق کے بعد محض مفاسد اور ناداری ہوگی
امیر و ن کو دو چار ہزار کا ادا کرنا۔ تکلیف کا احتمال ہے۔

(۱۸) خلوت صحیح سے پورا ضرور واجب ہو جاتا ہے اور جہانی بیمار یا ن مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہو سکتیں۔
امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہو جاتا ہے امام شافعی و مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے فسخ نکاح ہو سکتا ہے۔

(۱۹) اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اس کا انتقال ہو جائے تو عورت کو میراث ملے گی۔
امام شافعی کے نزدیک حرام ہے گویا وہ بائن ہو چکی۔

(۲۰) طلاق رجعی کی حالت میں وطی حرام نہیں ہے یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیماری سے منقطع نہیں ہوتا۔
امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار رجعت ہو ہی نہیں سکتی

رجعت کے لئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں ہے ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کے لئے کافی ہے مطلب یہ ہے کہ آسانی بچائے تاکہ رجعت باذن مسامحت ہو سکے۔

(۲۱) رجعت پر گواہ مقرر کر دینا کچھ ضرور نہیں اور نہ بعض حالتوں میں گواہ نہ مل سکے اور رجعت کی مدت قریباً لا تقضا ہے تو طلاق بائن ہو جائے گی۔
امام مالک کے نزدیک بغیر شہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے۔

نکاح کے قواعد مرتب ہونے کے لئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے کہ فریقین کے حقوق نہایت فیاضی اور اعتدال کے ساتھ قائم کئے جائیں۔ عورتوں کو مردوں کے ساتھ جن باتوں میں مساوات چاہی ہے وہ باطل نہ ہونے پائے۔ کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے امن و راحت کی توقع ہونی چاہئے۔ نہ یہ کہ اسکے اصلی حقوق میں زوال آئے۔ یہ اسلام کی خاص فیاضی ہے جسکی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں مل سکتی کہ اسے معاملہ نکاح میں عورتوں کے حقوق نہایت وسعت کے ساتھ قائم کئے ہوں۔ امام ابو حنیفہ نے اس اصول کو تمام مسائل میں ملحوظ رکھا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان مسائل میں جہان اورائمہ نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ صریح غلطی کی ہے مثلاً خلع کا معاملہ جو طلاق سے مشابہ ہے۔

مرد و عورت کے
حقوق

اسباب میں تو سب ائمہ متفق ہیں کہ جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے۔ اسی طرح عورت کو کچھ معاوضہ دیکر خلع کا اختیار ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ اس معاوضہ کی کیا صورت ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ اگر عورت کا قصور ہے اور خود اسکی بدسلوکی تفریق کا سبب ہوئی ہے تو اس مہر کی مقدار کے برابر شوہر کو معاوضہ دینا چاہیے۔ مرد اگر اس مقدار سے زیادہ معاوضہ کا خواہاں ہو تو مکروہ ہے۔ لیکن اگر مرد کی شہرت ہے تو عورت بغیر کسی جرمانہ اور کرنے کے خلع کی مستحق ہے اور مرد کو خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہے۔ امام شافعی و امام مالک کے نزدیک اولاً مرد جس قدر چاہے معاوضہ لے سکتا ہے۔ اور اس پر عورت کو مجبور کر سکتا ہے اس سے بڑھکر یہ کہ گو شہرت اور زیادتی مرد کی ہو تاہم وہ عورت سے معاوضہ لے سکتا ہے اور جس قدر چاہے لے سکتا ہے۔ حالانکہ یہ صریح نا انصافی ہے کہ عورت بیگناہ بھی ہو اور معاوضہ بھی ادا کرے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ نکاح کن دستورات کے ساتھ عمل میں آئے۔ ان رسوم میں صرف

دو متقصد و پیش نظر ہیں۔ اول یہ کہ فریقین کی رضامندی محقق ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ واقعہ کا اشتہار ہو جائے۔ ان اغراض کے لحاظ سے۔ امام ابو حنیفہ نے نہایت مناسب فیصلہ قرار دیا ہے۔ یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کریں جسے ظاہر ہو کہ انھوں نے معاملہ نکاح کو قبول کر لیا ہے اور یہ کہ عقد نکاح دو گواہوں کے سامنے عمل میں آئے یہ دونوں سادہ اور آسان شرطیں ہیں جو ہر موقع پر استعمال کی جاسکتی ہیں لیکن بعض ائمہ نے خلاف اس کے ان شرطوں میں ایسی سخت قیدیں لگائی ہیں جنکی پابندی نہایت مشکل ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ گواہوں کی ایک سادہ ہونے پانچوں ورنہ نکاح صحیح نہیں۔ عدالت کے جو معنی مجتہدین اور خاصکر امام شافعی نے بیان کئے ہیں اس کے لحاظ سے ہزاروں میں ایک آدمہ عادل ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اگر یہ قید ضروری سمجھی جاوے تو صحیح نکاح کا وجود ڈھونڈنے سے نکل سکے۔ امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ضرور ہے کہ گواہ مرد ہوں۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورتیں بھی گواہ ہو سکتی ہیں اور یہی قزین عقل بھی ہے امام شافعی نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ خاص ترویج کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ حالانکہ خاص الفاظ کی پابندی کا کچھ چل نہیں۔ جو الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً یہ تہ تہلیکات وغیرہ سب عقد نکاح کے لئے کافی ہیں۔

۳۔ ایک بشری خصوصیت جو حقیقی عقد کو چل ہے وہ یہ ہے کہ اسے ذمیون یعنی ان لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے ہیں اور یہ وہ خصوصیت ہے جسکی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسائل میں نہیں ملتی۔ اگرچہ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت خود شارع کی ہدایتوں میں جا بجا موجود ہے لیکن چونکہ وہ عام کلیات ہیں۔ اس کے علاوہ شارع کے بعض اقوال بظاہر اسکے خلاف معلوم ہوتے ہیں اس لئے ان کی تعبیر مطالب میں اختلافات پیدا ہوئے ہیں تاہم کچھ شہر نہیں

اس مسئلہ میں

جو نہیں خصوصیت

۱۔ یہ خصوصیت

کہ جو تیسرا امام ابو حنیفہؒ نے کی وہی صحیح تعبیر تھی اسلام نہایت وسیع دنیا پر حکمران رہا ہے اور اسکی حدود و حکومت میں ایک کروڑ غیر قوین آباد تھیں اور میں اس نے اگر انکے حقوق کی واجبی حفاظت کی جاوے تو ایک دن بھی اسن قائم نہیں رہ سکتا۔ امام ابو حنیفہؒ نے دسیوں کو جو حقوق دیے ہیں دنیا میں کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہیں دئے یورپ جسکو اپنے قانون انصاف پر بڑا ناز ہے۔ بیشک زبانی دعویٰ کر سکتا ہے۔ لیکن عملی مثالیں نہیں پیش کر سکتا حالانکہ امام ابو حنیفہؒ کے احکام۔ اسلامی گورنمنٹوں میں عموماً نافذ تھے اور خاص کر ہرون الرشید اعظم کی وسیع حکومت انہیں احکام پر قائم تھی۔

سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دسیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے۔ یعنی اگر مسلمان ذمی کو عداً قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اس کے بدلے قتل کیا جائیگا۔ اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو جو خون بہا مسلمان کے قتل باغیظ اسے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئے گا۔

تذکرہ امام رازی نے اپنی کتاب مناقب شافعی میں حنفیوں کو طعن دیا ہے کہ ان کے نزدیک ابو بکر صدیق کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہے۔ یعنی اگر ابو بکر صدیق یا ہجرم کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیوں کے نزدیک وہ بھی قتل کئے جانے کے مستحق تھے۔ حنفیوں نے اس مسئلہ کی تعلیم میں کہیں یہ مثال نہیں دی ہے۔ امام رازی نے اس غرض سے کہ وہ اس مسئلہ کو بد نما کر کے دکھائیں خود یہ مثال فرض کی ہے۔ لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعن کو قبول کرتے ہیں بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ و گدا۔ مقبول دم و دود کا ایک رتبہ ہے بے شبہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے کہ اسے اپنی رعایا کو اپنی برابر سمجھا۔ اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہے۔ اگر امام رازی کو عار آتی ہے تو اسے

اضافہ ہو سکتا ہے مگر کسی صورت میں کمی نہیں ہو سکتی۔ ذمیوں کی شہادت کو قرعین مقدمہ
 ذمی چون کسی حال میں مقبول نہیں۔ اس مسئلہ میں امام مالک و امام شافعی دونوں متفق
 ہیں ذمی کبھی حرم میں نہیں داخل ہو سکتا۔ اور نہ وہ مکہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہو سکتا ہے
 امام شافعی کے نزدیک عام مسجدوں میں اجازت کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے لیکن امام
 مالک و امام حنبل کے نزدیک اسکو بالکل اجازت نہیں مل سکتی۔ قوی۔ اسلامی حدود
 حکومت میں کہیں اپنی عبادت گاہ نہیں بنا سکتا ہے۔ ذمیوں پر اختیار نہیں کیا جاسکتا
 اور وہ اسلامی فوج میں شریک نہیں ہو سکتے۔ ذمی اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کر دے
 یا کسی مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو تو اسی وقت اس کے تمام حقوق باطل
 ہو جائیں گے اور وہ کافر حربی سمجھا جائے گا۔ یہ احکام بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے
 ساتھ خاص ہیں نہ امام شافعی کے نزدیک بت پرستوں کو جزیہ ادا کرنے پر بھی اسلامی
 حدود میں رہنے کی اجازت نہیں +

یہ تمام احکام ایسے سخت ہیں جنکا تحمل ایک ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہیں کر سکتی
 اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب سلطنت کے ساتھ نہ نہ سکا۔ مصر میں بے شمار
 ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعی تھا۔ لیکن اس کا یہ نتیجہ تھا کہ عیسائی اور یہودی تو
 اکثر بغاوت کرتے رہے۔

اس موقع پر یہ بتادینا بھی ضرور ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں ذمیوں کے متعلق چند ایسے
 احکام بھی مذکور ہیں جو نہایت سختی اور سنگینی پر مبنی ہیں اور چونکہ وہ اس طریقہ سے ظاہر کئے
 گئے ہیں کہ گویا وہ خاص امام ابو حنیفہ کے مسائل ہیں اس لئے غیر قوموں کو مذہب حنفی پر بلکہ
 عموماً مذہب اسلام پر حملہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ ذمیوں کو ضرور ہے کہ وہ

ہتیار نہ نکالیں۔ زنا پر پشیمانی کے گھروں پر علامت بنا دیا جو اسے جس سے ظاہر ہو کہ وہ
دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ وغیرہ وغیرہ صاحب ہدایہ نے ان احکام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ
زمینوں کی تحقیق ضروری ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ سخت و سیر حمانہ احکام ہیں۔ لیکن یہ جو کچھ
متاخرین فقہاء کی ایجاد ہے وہ نہ امام ابو حنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے۔

امام ابو حنیفہ سے جو کچھ اسباب میں مروی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ ذمی زنا باز ہیں
اور ایسے زمین پر سوار ہوں جنکی شکل بتیلی کی سی ہوتی ہے۔ البتہ قاضی ابو یوسف صاحب
نے بعض اور احکام اس پر بڑھائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ذمی مسلمانوں کے ساتھ وضع قطع
لیاں سوار می میں مشابہت نہ اختیار کریں۔ اور یہی ٹوپیاں اوڑھیں اور ان کے زمین کے
انگے گولی لکڑی ہو اور ان کی جوتیوں کے تسمے دوہرے ہوں اور انکی عورتیں کجاؤں پر
نہ سوار ہوں۔ قاضی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کے بارہ میں
یہی احکام صادر کئے تھے۔ اور اسکی وجہ خود حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذمیوں کی
وضع مسلمانوں کی وضع سے الگ رہے۔

بلاشبہ یہ حضرت عمر کے احکام ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیوں کی
تحقیق کی وجہ سے صادر ہوئے تھے سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب
اکثر متاخرین فقہاء نے کیا ہے۔ بہت حضرت عمر کا ایک طبعی مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند
کرتے تھے۔ انھوں نے اہل فوج کو اکثر فرمانوں میں لکھا ہے کہ وہ جاڑوں میں دھوپ کھانا
چھوڑیں۔ گھوڑوں پر رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں۔ موٹے کپڑے استعمال کریں۔

لے دیکھو جامع صغیر امام محمد رحمۃ اللہ قاضی ابو یوسف صاحب نے یہ احکام کتابا مخرج میں لکھے ہیں۔

جس سے مقصد یہ تھا کہ اہل عرب اپنے ملک اور وطن کی خصوصیت کو محفوظ رکھیں اور اپنا پرانہوں نے اہل عجم کو جنہوں نے اسلام نہیں قبول کیا تھا تاکید کی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتوں کو ضائع نہ کرنے دیں۔ اہل عجم زمانہ اسلام سے پہلے زنا پر باندھے تھے۔ لہٰذا نبیؐ نے انہیں باندھ دیا۔ ان کے زین آجکل کے انگریزی زین کے مشابہ ہوتے تھے ان کی عورتیں انہوں پر نہیں سوار ہوتی تھیں چنانچہ انہی رسوم و عادات کی نسبت حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اہل ذمہ اسکی پابندی کریں۔ یہی احکام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف نے قائم رکھے جنکا مقصد صرف اس قدر ہے کہ دونوں قومیں اپنی خصوصیات پر قائم رہیں۔

البتہ امام ابو حنیفہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل ذمہ سلامی شہروں میں اپنی عبادت گاہیں بنالیں لیکن ان کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ امن و امان میں خلل نہ ہو اور مسلمان رعایا جو اکثر عرب کی نسل سے تھے اور ناقوس کی صداؤں سے ان کے کان آشنا نہ تھے فساد پر نہ آمادہ ہوں۔ اس حکم نے ذمیوں کے حق میں چند دن وقت بھی نہیں پیدا کی۔ مسلمانوں نے جو شہر آباد کئے وہ دو چار شہر سے زیادہ نہ تھے باقی تمام ملک انہیں شہروں سے معور تھا جو غیر قوموں کے آباد کئے ہوئے تھے اور جہاں ذمیوں کو عموماً عبادت گاہوں کے بنانے کی اجازت تھی اسلامی شہروں میں بھی یہ قید اس وقت تک قائم رہی جب تک فتنہ کا احتمال رہا جب یہ خوف جاتا رہا تو ذمیوں کو عام اجازت مل گئی۔ چنانچہ بغداد میں جو خاص اسلامی شہر تھا سیکڑوں ہزاروں چرچ اور گرجے تعمیر ہوئے۔

(۵) ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کا

۱۷ خلیفہ منصور نے اپنے درباریوں کو اسی قسم کی ٹوپوں کے اوڑھنے پر مجبور کیا تھا جسکی نسبت مورخین لکھتے ہیں کہ منصور نے عجم کی تقلید کی۔

پانچویں خصوصیت
قدحی کا نصوص
شرعی کے موافق

اختلاف ہے ان میں امام ابو حنیفہ جو پہلا اختیار کرتے ہیں وہ عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے نص کا لفظ قرآن - حدیث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اس لحاظ سے وہ احکام بھی نصی کے جاتے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ صرف حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس موقع پر ہم ان سے بحث نہیں کر سکتے۔ اور اسکی مختلف وجوہ ہیں اول تو یہ کہ اس قسم کے مسائل نہایت کثرت سے ہیں جن کا مختصر سے مختصر حصہ بھی اس کتاب میں نہیں آسکتا اگر چند مسائل نمونہ کے طور پر بیان کئے جائیں تو بدگمانوں کو اس سوسے ظن کا موقع باقی رہتا ہے کہ چند قوی مسائل لے لئے اور ضعیف چھوڑ دئے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ آج ان مسائل کا فیصلہ مجتہدانہ نہیں ہو سکتا۔ حدیث کے متعلق بہت بڑی بحث صحت و عدم صحت کی پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس نے مسائل فقہ میں ائمہ کو مختلف الاراکر دیا ہے ایک امام کے نزدیک ایک حدیث قابل حجت ہے دوسرے کے نزدیک نہیں اس بحث کے تصفیہ کے لئے جو سامان ہمارے ملک میں موجود ہے وہ بالکل ناکافی ہے اور اس سے کسی حدیث کی نسبت مجتہدانہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ بڑا مرحلہ اسرار الرجال کا ہے اس فن کی جو کتابیں ہمارے ملک میں موجود ہیں مثلاً تہذیب الکمال مغری تہذیب التہذیب - سیرۃ الاعمال طبقات الحفاظ - تہذیب الاسامی واللغات وغیرہ ان میں حجج و تعبدیل کے متعلق ائمہ کے جواووال مذکور ہیں اکثر انکا سلسلہ سند مذکور نہیں اس لئے محدثانہ حیثیت اس کے ثبوت و عدم ثبوت کا تصفیہ نہیں ہو سکتا اسکے علاوہ اکثر جرح مبہم ہیں اور جن جرح کو مفسر تردید دیا ہے۔ وہ بھی ابہام سے خالی نہیں۔ قدما نے اس فن میں جو تصنیفات لکھیں ان سے بے شبہ یہ سباحث سٹے ہو سکتے ہیں لیکن وہ یہاں میں نہیں آتے علماء حنفیہ نے خاص اس بحث پر کہ حنفی فقہ کے مسائل احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ بہت سی

کتابین لکھی ہیں جس کو زیادہ شوق ہو ان تصنیفات کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔
 لیکن قرآن مجید میں اس بحث کا بڑا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کے ثبوت
 میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے نزع کا مدار صرف اس پر رہ جاتا ہے کہ جو مسئلہ اس سے
 مستنبط کیا گیا۔ صحیح طور پر کیا گیا۔ یا نہیں اس حالت میں بحث مختصر رہ جاتی ہے اور نہایت
 آسانی سے اس کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید سے جو احکام ثابت ہیں ان کی تعداد بھی
 کچھ کم نہیں ہے اور وہ فقہ کے مہمات مسائل ہیں اس لئے اگر یہ ثابت ہو کہ حنفی فقہ کے
 مسائل نصوص قرآن سے زیادہ مطابق ہیں تو مہمات مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح باسالی
 ثابت ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ امام ابو حنیفہ کو حیثیت
 اجتہاد میں تمام ائمہ پر ترجیح ہے کیونکہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج ہی پر ہے
 ان وجوہ کی بنا پر۔ اگرچہ ہم صرف ان مسائل پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو قرآن سے ثابت ہیں
 تاہم حدیث کے متعلق ایک اجمالی بحث ضرور ہے۔ جس سے بدگمانوں کو سورطن کا موقع
 نہ ہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف
 ہیں ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت
 کی۔ بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ تک اس کا ادب نہ تھا کہ
 نہیں کیا گیا تھا اس لئے بہت سی حدیثیں انکو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال محض لغو اور بے
 سروا ہے امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں لیکن جب صحیح ہو چکیں
 اور وقت بڑے بڑے محدثین انکے مسائل کو کیوں تسلیم کرتے رہے۔ دیکھ بن الجراح
 جن کی روایتیں صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں اور جنکی نسبت امام بن احمد حنبل کہا
 کرتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو حافظ العلم نہیں دیکھا وہ امام ابو حنیفہ کے

اس ہنگام کی
 تردید کہ فقہ حنفی
 کے مسائل حدیث
 کے مخالف ہیں

مسائل کی تقلید کرتے تھے حلیب بغدادی نے ان کے حال میں لکھا ہے کہ ان یفق بقول ابی حنیفہؒ کیسے بن سعید بن القطان جو فن جرح و تعدیل کے سوجدہ بین اکثر مسائل میں امام ابو حنیفہ کے پیرو تھے خود ان کا قول ہے قد اخذنا بالکثر اقولہ امام طحاوی جو حافظ الحدیث تھے اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے۔ پہلے شافعی تھے۔ پھر امام ابو حنیفہ کے مسائل اختیار کئے اور کہا کرتے تھے کہ میں ابو حنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ بھکوا ان سے توار ہے طحاوی امام بخاری و مسلم کے ہمعصران ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا۔ شاخین میں علامہ ماردینی۔ حافظ زلیعی۔ ابن الہمام۔ قاسم بن قطلوبغا وغیرہم کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کر سکتا ہے؟ یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔

اس کے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کئے گئے ہیں ان کے مسائل امام ابو حنیفہ سے کیوں موافق ہیں؟ طبقہ اولیٰ میں سب سے بڑے محدث امام احمد حنبل ہیں جن کی شاگردی پر بخاری و مسلم کو ناز تھا۔ اور جن کی نسبت محدثین کا عام قول ہے کہ جس حدیث کو احمد حنبل نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔ امام احمد حنبل بہت سے مسائل میں امام شافعی کے مخالف اور امام ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔ خوارزمی نے لکھا ہے کہ فروغ و جزئیات چھوڑ کر انہماق فقہ کے متعلق ایک سو پچیس مسلوں میں ان کو امام ابو حنیفہ کے ساتھ اتفاق ہے اور امام شافعی سے اختلاف ہم نے خود بہت سے مسائل میں تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعوے کی تائید ہوتی ہے۔ سفیان ثوری امام احمد حنبل کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے ان کے مسائل امام ابو حنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں۔ قاضی ابویوسف کہا کرتے

لہ مخضرنا یح بغدادی بن جریر ترجمہ دیکھ بن ابی حراح ۱۲۱۱ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۱

تھے کہ۔ واللہ سفیان اکثر متابعتہ مقلد بنی حنیفہ یعنی خدا کی قسم سفیان مجھ سے زیادہ ابو حنیفہ کی پیروی کرتے ہیں۔ صحیح ترمذی میں سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہیں۔ جو زیادہ تر شافعی کے مخالف اور ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔

اس خیال کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً امام بخاری ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے متعدد مسائل کی نسبت تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہیں ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے رد میں ایک مستقل باب لکھا ہے لیکن یہ خیال گزیرا کی کوتاہ نظری ہے۔ اکثر ائمہ نے ایک دوسرے پر جرح و اعتراض کیا ہے امام شافعی امام مالک کے باخلاص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ آسمان کے نیچے موطای امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔ باوجود اسکے انھوں نے امام مالک کی رد میں ایک مستقل باب لکھا جہاں دعویٰ کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں امام رازی نے مناقب شافعی میں اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود بخاری نظر سے گزرا ہے لیث بن سعد جو مشہور محدث ہیں کہا کرتے تھے کہ امام مالک نے شتر مسلون میں حدیث کی مخالفت کی۔ چنانچہ میرا راہ ہے کہ میں ان کو اس امر کی نسبت خط لکھوں۔ امام شافعی بھی اس اعتراض سے نہیں بچے اور کیونکر بچ سکتے تھے۔ ہر بسم اللہ و قنوت فی الفجر و ترک توریت ذوی الارحام وغیرہ مسائل میں ان کا مذہب صحیح حدیثوں کے مخالف معادوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور انکی بنا پر ہم کسی کو مخالف حدیث نہیں کہہ سکتے۔ جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہیں کہ وہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو پھر اس مرحلہ کے طے ہونے کے بعد استنباط و استدلال کی بحث باقی رہتی ہے جس میں مجتہدین بہت کم متفق الراء ہو سکتے ہیں

کیونکہ استنباط و استدلال کے اصول جدا گانہ ہیں امام بخاری کا جزا القراءۃ سمجھنے دیکھنا ہے
جاس صحیح ہیں۔ جہاں وہ امام ابو حنیفہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس سے بھی ہم واقف ہیں
بے شبہ ان مسکون میں امام بخاری کا دعوئے ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف
لیکن امام بخاری کی تحریر اور امام ابو حنیفہ کا فتویٰ دونوں ہمارے سامنے ہیں اور ہم
خود سمجھ سکتے ہیں کہ ان مسائل میں امام صاحب کا مذہب حدیث کے مخالف ہے
یا امام بخاری کے فہم و اجتہاد کے مخالف ہے۔ قرارت فاتحہ کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کا
استدلال اس آیت پر ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَانصِتُوْا لِمَا يَخْشَرُ
جِزَا الْقُرْآنِ مِنْ فَرَاغَتِهِ ہین کہ یہ آیت خطبہ کے بارہ میں اُتری ہے یعنی نماز سے اسکو تعلق
نہیں۔ امام بخاری کا یہ جواب کس قدر حیرت انگیز ہے اگر سالہ جزا القراءۃ خود بخاری
نظر سے نگھڑا رہتا تو ہماو مشکل سے یقین آتا کہ واقعی یہ امام بخاری کا قول ہے اول تو
میسون روایتوں سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز میں اُتری ہے لیکن اگر ہم انہی کے قول
کو تسلیم کریں تو یہ کون نہیں جانتا کہ موقع ورود کے خاص ہونے سے آیت کا حکم جو مقرر
عام ہے۔ خاص نہیں ہو سکتا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی کو امین آہستہ کہنی چاہئے۔ امام بخاری
بر خلاف اسکے جہر کے قائل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جب امام
ولا الضالین کہے تو تم امین کہو۔ لیکن اس حدیث میں جہر نہ کہاں ذکر ہے۔ اور مطلق امین
کہنے سے تو امام ابو حنیفہ کو بھی انکار نہیں۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ بنید قرعہ بشرطیکہ
مسکرنہ ہو وضو جائز ہے امام بخاری اس کے خلاف ترجمہ الباب باندہتے ہیں اور حدیث
نقل کرتے ہیں کہ کل ما اسکر حرام۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کے لئے قراۃ فاتحہ ضروری نہیں۔ امام بخاری
 و جوہر کے معنی ہیں اور جامع صحیح میں باب باندھا ہے کہ امام و مقتدی پر ہر نماز میں خواہ سفر
 بہن ہو یا حضر بہن۔ نماز خواہ چہری ہو یا سری قرات واجب ہے۔ اس دعویٰ پر دو
 حدیثیں پیش کی ہیں ایک یہ کہ در کوفہ والوں نے حضرت عمرؓ کے پاس سعد بن ابی وقاصؓ کی
 شکایت کی کہ حضرت عمرؓ نے انکو معزول کر دیا۔ اور بجائے انکے عمار کو مقرر کیا۔ کوفہ والے
 عمار کے بھی شاکر ہوئے کہ انکو تو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی۔ حضرت عمرؓ نے عمار کو بلا بھیجا
 اور اسے کہا کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہے کہ عمار نے کہا واللہ میں انکے ساتھ رسول اللہ
 کی سی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں دیر تک قیام کرتا تھا۔ اور دواخیر کی رکعتوں
 میں تخفیف کرتا تھا۔

اس حدیث سے قرات فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا عاقلانہ بن حجر وغیرہ نے جو تاویل
 کی ہیں ان سے اگر ہزار دقت و وجوب پر استدلال بھی ہو تو کیا اسکی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے
 کہ امام ابو حنیفہ نے حدیث کی مخالفت کی!!

حقیقت یہ ہے کہ کسی جہد کی نسبت یہ خیال کرنا کما س کو احکام کے متعلق حدیثیں
 پیچیدہ سخت غلطی ہے لیکن چونکہ حدیثوں کا معیار صحت و وجوہ مستنباط۔ طرق استدلال
 تمام جہدین کے نزدیک متحد نہیں۔ اس لئے مسائل میں اختلاف کا پیدا ہونا۔ ضرور تھا۔
 اب ہم اس فہمی بحث کو چھوڑ کر اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے
 کہ قرآن مجید کی تمام آیتیں جسے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے۔ انکے وہی معنی صحیح اور
 واجب العمل ہیں جو امام ابو حنیفہ نے قرآن و سنہ میں۔ قرآن مجید میں احکام کی آیتیں سو
 متجاویز ہیں اس لئے ہم انکا تفصلاً تو نہیں کر سکتے البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا

ذکر کرتے ہیں جن سے ایک عام اجمالی خیال قائم ہو سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں۔ امام شافعی دو فرض اور ضابطہ کرتے ہیں یعنی نیت اور ترتیب امام مالک بجائے ان کے موالات کو فرض کہتے ہیں۔ امام احمد حنبل کا مذہب یہ ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کرنا ضروری ہے۔ اور اگر قصد اداء کیا تو وضو باطل ہے امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت میں صرف چار حکم مذکور ہیں۔ اس لئے جو چیز ان احکام کے علاوہ ہے وہ فرض نہیں ہو سکتی۔ نیت و موالات و تسمیہ کا تو آیت میں کہیں وجود نہیں۔ ترتیب کا گمان البتہ واو کے حرف سے پیدا ہوتا ہے لیکن علماء عربیت نے متفقاً طے کر دیا ہے کہ واو کے مفہوم میں ترتیب داخل نہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ترتیب کی فرضیت کے لئے متعدد دلیلیں پیش کی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان کا رتبہ تاویل سے بڑھ کر نہیں۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ فاعلیہ کو لا وجود حکم میں حرف فاعلیہ کے لئے ہے جس سے اس قدر ضرورت ثابت ہوتا ہے کہ سنہ کا پہلے دھونا فرض ہے اور جب ایک رکن میں ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان میں بھی ہونی چاہئے۔ دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ وضو کا حکم خلاف عقل حکم ہے اس لئے اس کی تعمیل بھی اسی ترتیب سے فرض ہونا چاہئے جس طرح آیت میں مذکور ہے کیونکہ وضو کا حکم جس طرح خلاف عقل ہے۔ ترتیب بھی خلاف عقل ہے۔ امام رازی کی یہ دلیلیں جس رتبہ کی ہیں خود ظاہر ہیں اسپر رد و فوج کی ضرورت نہیں۔

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی کے مخالف ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ **وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ أَهْلِ الْحَرْثِ إِذْ قَامُوا فَذَلُّوا أَرْبَعًا وَلَا تَطْغَوْا فِيهَا كَمَا ظَلَمْتُمْ**۔ **وَمَا تَطْغَوْا فِيهَا كَمَا ظَلَمْتُمْ**۔ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

یعنی اگر تم بجا رہو۔ یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص غایط سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا ہو۔ اور تم کو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرو۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے جماع و مقاربت مراد ہے اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحاً تفسیر نہیں کرتا، لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا ہم معنی لفظ دوسرا، جس کے معنی چھونے کے ہیں۔ خدا نے اس آیت میں جماع کے معنی میں استعمال کیا ہے اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں جماع ہی مقصود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ملاستہ کے ظاہری معنی لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہو سکتی اس آیت میں غایط کا لفظ بھی تو ہے اسکو تمام مجتہدین کما یہ قرار دیتے ہیں۔ ورنہ ظاہری معنی لے جائیں تو لازم آئے کہ جو شخص ہموار زمین سے ہو کر آئے اور پھر وضو کرنا واجب ہو۔

میری رائے میں امام شافعی کا اگرچہ یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو واجب ہے لیکن ان کا استدلال اس آیت پر نہیں ہے وہ حدیث سے استناد کرتے ہونگے غالباً ان کے مقلدون نے حنفیہ کے مقابلہ کے لئے آیت سے استدلال کیا اور اسکو امام شافعی کی طرف منسوب کر دیا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کسی فرض ادا ہو سکتے ہیں۔ امام مالک و شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لئے نیا تیمم کرنا چاہیے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے اور جب ہر نماز کے لئے نئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی تجدید کی بھی ضرورت نہیں البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے تمام نماز کے غایط کے معنی ہموار زمین کے ہیں لیکن اس سے جائزے ضرور یعنی پاچھانہ مراد ہے۔ ۱۲

ایک تیمم سے کسی فرض ادا ہو سکتے ہیں

کئی نمازیں نہیں ادا ہو سکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن وضو و تیمم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی محض سبب وجہ ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ اثنائے نماز میں تیمم کو اگر پانی لمبا نہ ملے تو تیمم جانا ہے گا۔ امام مالک و احمد و حنبل اس کے مخالف ہیں امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ **لَوْ تَوَخَّجُوا مَاءً** یعنی جب پانی نہ ملے۔ صورت مذکورہ میں جب شرط باقی نہیں رہتی تو مشروط بھی باقی نہیں رہتا۔

امام صاحب کا قول ہے کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں اور فارسی زبان میں تکبیر کہنا درست ہی امام شافعی وغیرہ مخالف ہیں۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جس آیت سے تکبیر کی فرضیت ثابت کی گئی ہے یعنی **وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى** اس میں زبان کی کوئی خصوصیت نہیں اور چونکہ یہ فارسی تعقیب داخل ہے اس لئے نماز کا وجود تکبیر سے منحصر ہونا ضرور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر کو فرض ہے لیکن نماز میں داخل نہیں۔ اور جزو نماز نہیں۔

امام صاحب کا مذہب ہے کہ مقتدی کو قنوت فاتحہ ضروری نہیں۔ امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہیں۔ امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں **وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيُحْسِنُوا لَهُ وَانصِتُوا** جب قرآن پڑھا جاوے تو سناؤ اور چپکے رہو اگرچہ اس آیت سے سترے نمازون میں بھی ترک قنوت کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن خاص کر جہری نماز کے لئے تو وہ نص قاطع ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی تعجب ہی کہ شافعیہ نے ایسے صاف اور صریح آیت کے مقابلہ میں حدیثوں سے استدلال کیا ہے حالانکہ حدیثیں جو اسباب میں وارد ہیں خود متعارض ہیں جس وجہ کی وجوب قنوت کی حدیثیں موجود ہیں اسی وجہ کی ترک قنوت کی بھی ہیں۔

تیمم کا شمار نماز میں
پانی پر تادم ہوتا ہے۔

باب الفعلیہ تکبیر
تحریمہ جزو نماز نہیں

مقتدی کو قنوت
فاتحہ ضروری نہیں

امام بخاری نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیت
 کہ استدلال کا جواب دین لیکن جواب ایسا دیا ہے جس کو دیکھ کر تعجب ہو تا ہے۔ اِنَّمَا
 حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَالْحَمَّ الْخَنَزِيرُ وَمَا اَهْلُ بَيْتِ لَعْنِ الرَّحْمٰنِ ضَطْرٌّ غَيْرُ نَائِغٍ
 وَلَا عَارٍ فَلَا اَكْثَرَ عَلَيْكَ ترجمہ یعنی سوائے اسکے نہیں ہے کہ حرام کیا خدا نے تم پر
 کو اور خون کو اور سورسے گوشت کو اور اس چیز کو جس پر خدا کے سوا اور کسی کام کا نام لیا جائے
 لیکن جو شخص مجھ پر واپس بلکہ ناخرمان اور حد سے گزر جائے والا نہ ہو تو اس پر گناہ نہیں ہے
 اس آیت سے بہت سے مسائل مستنبط ہوئے ہیں جن میں مجتہدین کو باہم اختلاف ہے
 ان تمام مختلف فیہ مسائل میں امام ابو حنیفہ نے آیت کا جو مطلب قرار دیا ہے وہی صحیح ہے
 پہلی بحث یہ ہے کہ مردہ کے کیا منے ہیں۔ امام ابو حنیفہ وہی عام منے لیتے ہیں جو عام
 اطلاق میں شائع ہے امام شافعی نے اس کو بہت وسعت دی ہے یہاں تک کہ وہ
 مردہ جانور دن کے باون اور ہڈیوں کو بھی مردہ کہتے ہیں اس بنا پر اونکی رائے ہے کہ ان
 چیزوں سے کسی قسم کا تنع مثلاً پوستین وغیرہ کا استعمال جائز نہیں۔ امام مالک بال اور کمال
 کا کام میں لانا جائز قرار دیتے ہیں لیکن ہڈی کا استعمال ان کے نزدیک بھی حرام ہے۔

امام شافعی نے اور امام مالک نے مردہ کے جو منے لئے۔ چونکہ صاف غلط معلوم ہوتے
 ہیں اس لئے ان کے مقلدوں نے تاویلیں کیں۔ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ ہڈی
 کو مردہ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ خدا نے قرآن میں فرمایا ہے مَن يَحْيِي الْعِظَامَ یعنی ہڈی کو
 اگر زندہ کرے گا اور زندہ وہی چیز ہو سکتی ہے جو پہلے مر چکی ہو اسی طرح خدا نے زمین
 کو مردہ کہا ہے۔ امام رازی کی یہ تاویل نہایت تعجب خیز ہے اس قسم کے اطلاقات
 مجازی اطلاق ہیں جن پر احکام کی تفسیر نہیں ہو سکتی۔ امام رازی نے زمین کا مردہ

کتابا بخاری
 یعنی حلال حرام کا
 باب

ہونا قرآن مجید سے ثابت کیا ہے تو زمین اور خاک کے استعمال کو بھی ناجائز قرار دینا چاہئے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ خون جس کو اس آیت میں حرام کہا ہے اس سے کیا مراد ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ دم مسفوح ہے یعنی جس خون میں روانی ہو۔ اس بنا پر پھلی کے خون کو حرام نہیں کہتے۔ امام شافعی کے نزدیک اس میں کوئی تخصیص نہیں اور ہر قسم کا خون حرام ہے۔ امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ یہ تخصیص خود خدا نے کی ہے چنانچہ دوسرے موقع پر فرمایا قُلْ لَا آيِدُنِي مَّا آوَيْتُمَا إِلَى اللَّهِ مَعَ عَلِيٍّ طَارِعًا لِّطُغْيَانِهِ لَوْلَا أَن يَكُونَ مَكْتَبَةً أَوْ مَآسِفُوخًا اس آیت میں خون کی تحریم کو مسفوح کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ باغ و عمارت سے کیا مراد ہے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ کھانے میں بغاوت و عدوان نہ ہو یعنی جو شخص مجبور ہو اور جان بلب ہو اس کو مردہ و سورا کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ صدر سق سے زیادہ نہ کھائے اور کسی دوسرے مضطر سے چھین کر نہ کھائے۔ امام شافعی بغاوت و عدوان کے یہ سننے لیتے ہیں کہ اس شخص نے سلطان وقت سے بغاوت نہ کی ہو اور گنہگار نہ ہو اس خلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص جو سلطان وقت سے باغی ہو کسی موقع پر فاقہ سے جان بلب ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو مردہ یا سورا کا گوشت بقدر صدر سق کے کھانا جائز ہے۔ بخلاف اس کے امام شافعی کا قول ہے کہ وہ اگر باغی نہ ہوتا تو کھانا جائز تھا لیکن بغاوت کی حالت میں اس کو یہ اجازت نہیں مل سکتی۔

امام شافعی نے ان الفاظ کے جو معنی نے اولاً تو سیاق عبارت سے بالکل بیگانہ ہیں

دوسرے اصول شرع اسکی مسامتہ نہیں کرتے۔ شریعت نے ضرورت کے وقت جن چیزوں کی رخصت یا اجازت دی ہے وہ کسی جرم و عصیان سے باطل نہیں ہوتی۔ جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بعض حالتوں میں مثلاً جب جان کا خوف ہو اس کی اجازت دی گئی ہے کیا ایک گناہگار شخص اس اجازت سے متمتع نہیں ہو سکتا؟ صورتِ تنازعہ میں اگر اس شخص کو اس لئے کھانے کی اجازت نہیں دی گئی کہ اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تو حرام کی کیا تخصیص ہے اس کے لئے تو حلال غذا کی بھی اجازت نہ ہوئی چاہئے۔

یہ مسائل تو نصی تھے امام ابو حنیفہ نے اس آیت سے ایک قیاسی مسئلہ قائم کیا ہے اور امام شافعی نے اس سے مخالفت کی ہے یعنی ایک شخص پیاس سے جان بلب ہو اور بجز شراب کے اور کوئی چیز پل نہ سکے تو اسکو شراب پینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک نہیں۔ امام شافعی اگر ظاہریوں کی طرح قیاس کے منکر ہوتے تو اس جواب سے کچھ تعجب نہ ہوتا۔ لیکن قیاس کے قائل ہو کر یہ مخالفت محل تعجب ہے کیونکہ یہ حالت اور جس حالت کا ذکر قرآن میں صریحاً ہے وہ لون کی علت مشترک ہے یعنی حفاظت نفس۔ پھر حکم کے نہ مشترک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

جہاں بات کے باب میں جو احکام قرآن مجید میں وارد ہیں۔ اور انکی تعبیر جس صحت کے ساتھ امام ابو حنیفہ نے کی کسی دوسرے جہت نے نہیں کی۔ نہ مانہ جاہلیت میں قصاص کے جو قاعدے ملنے لگے نہایت نا انصافی اور جہالت پر مبنی تھے۔ اسلام نے نہایت بخوبی سے اس کی اصلاح کی اور ایسے احکام مقرر کئے جن سے بڑھ کر نہ کہی ہوئے نہ ہو سکتے۔ جاہلیت میں قصاص کا اعتبار مقتول و قاتل کی حیثیت سے کیا جاتا تھا۔ جو مغز قبیلہ تھے۔ وہ دوسرے قبیلوں

اس طرح قصاص لیتے تھے کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اپنی عورت کے بدلے ان کے مرد کو اور اپنے مرد کے بدلے دوسرے قبیلہ کے دو مردوں کو قتل کرتے تھے خدا نے قصاص کا عام حکم صادر فرمایا جس کا یہ مطلب ہے کہ قصاص کا حکم کسی قید کے ساتھ مفید نہیں ہے۔ قاتل ہر حالت میں مقتول کے بدلے مارا جائے گا خواہ شریف ہو یا رذیل۔ مرد ہو۔ یا عورت۔ غلام ہو یا آزاد۔ مسلم ہو یا ذمی۔ زیادہ توضیح کے لئے اُن صورتوں کی خاص طرح پر بھی نفی کی جو عرب میں اسلام سے پہلے جاری تھیں چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقَصَاصُ فِي الْقَتْلِ بِالْجَنَاحِ وَالْعَبْدِ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَى بِالْأَنْثَى ترجمہ۔ یعنی دو پھر مقتول کے بارہ میں قصاص فرض کیا گیا آزاد۔ آزاد کے بدلے غلام غلام کے بدلے عورت۔ عورت کے بدلے۔۔۔

زمانہ جاہلیہ میں یہ بھی دستور تھا کہ قتل عمد کے بارہ میں مالی معاوضہ دیدینا کافی سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کو ویت کہتے تھے اسلام نے اس کو باطل کیا اور ویت کو جو ایک قسم کا جبرائے صرف بہرہ عداوت قتل خطار کی حالت میں جائز رکھا۔ اور اس کی مقدار مسلمان و ذمی کے لئے یکساں مقرر کی۔ چنانچہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا فَخَيْرٌ مِنْ رَقَبَةٍ مَوْحِيَةً وَذِيَّةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فِدْيَةٌ مَسْكُوتَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَسَخِيٌّ رَقَبَةً مَوْحِيَةً ترجمہ۔ یعنی دو مسلمان کی شان نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرے۔ مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو اس کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کی اہل کو ویت دینی ہوگی۔ اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تمہارا ہے اور اس کے درمیان ميثاق ہے تو ویت دینی ہوگی۔ اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔

یہ احکام نہایت صاف اور صریح طور پر قرآن سے ثابت ہوتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ ان احکام کے قائل ہیں لیکن امام شافعیؒ وغیرہ نے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے جس کی نسبت ہر علمائے دین کے ساتھ کہتے ہیں کہ یقیناً انکی غلطی ہے۔

پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ و امام مالکؒ و احمد حنبلؒ قائل ہیں کہ غلام کے بدے آزاد قتل نہیں کیا جاسکتا، غلام اور آزاد میں ایسا بیز حجازہ تفرقہ کرنا ہرگز قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگر لختی بالخر کی تخصیص سے استدلال ہے تو لادنیٰ بالادنیٰ کی تخصیص سے کہ عورت کے بدے مرد قتل کیا جاوے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہیں حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا نے مومن کے حق میں استعمال کئے وہی ان لوگوں کے حق میں بھی ارشاد کئے۔ جو مسلمانوں سے یشاق و معاہدہ رکھتے ہیں۔ بے شبہ یہ اسلام کی نہایت فیاض دلی ہے کہ اس نے مسلمان و ذمی کا حق برابر رکھا۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسے فیاضانہ حکم کی لوگوں نے غلط تاویل کی۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ قتل عمد کی حالت میں بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں قتل عمد کی حالت میں قصاص کا حکم ہے دیت کی کہیں اجازت نہیں اور یہی اقصائے عقل ہے۔ جاہلیت میں قتل۔ مقتدمات دیوالی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اس وجہ سے مالی معاوضہ اس کا بدلہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اسلام ایسے غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔

چوتھا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ کیغیت قتل میں مسادات کو لازمی قرار دیتے ہیں یعنی اگر قاتل نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جائے۔

یا کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ بھی آگ سے جلا کر مارا جائے لیکن اس قسم کی مساوات پر قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔

پانچواں اختلاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت میں کفار و لازم نہیں آتا۔ امام شافعی قصاص و کفارہ دونوں لازمی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں کفارہ کا حکم قتل خطا کے ساتھ مخصوص ہے۔ قتل عمد میں کفارہ کا کچھ ذکر نہیں۔

وراثت کے بعض احکام میں جو نہایت متم بالشان ہیں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی میں اختلاف ہے ان مسائل میں امام ابو حنیفہ نے جو پہلو اختیار کیا وہ نہایت صریح طور سے قرآن سے ثابت ہے وراثت کے قاعدے جو اسلام نے مقرر کئے ہیں وہ تمام دنیا کے قواعد وراثت سے الگ ہیں اور ایسے دقیق اور نازک اصول پر مبنی ہیں جو علانیہ بات کی دلیل ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی ان احکام کا واضح نہیں ہو سکتا۔ وراثت کا اصلی اصول یہ ہے کہ متوفی اگر اپنی جائیداد کسی خاص شخص کو دیجاتا تو اسی کو ملتی لیکن جب اس نے کوئی ہدایت نہیں کی تو اوپر سہ لحاظ ہوگا کہ اس کے فطری تعلقات کن کن لوگوں کے ساتھ کس کس تفاوت کے ساتھ تھے جو لوگ یہ تعلقات رکھتے ہیں وہ اسی تفاوت درجات کے ساتھ اس کی جائیداد کے مالک ہوں گے گویا متوفی کی یہ معنوی ہدایت ہے کہ لوگوں کو اسی مناسبت سے دیا جائے جس نسبت سے میرے تعلقات ان کے ساتھ تھے۔ دوسرا اصول جو پولیٹیکل اکانمی کا عام اصول ہے یہ ہے کہ دولت کا بہت سے اشخاص میں تقسیم ہونا اس سے اچھا ہے کہ دو ایک شخص تک محدود رہے۔ یہ عمدہ اصول تمام اور قوموں کی نگاہ سے رہ گئے۔ اور اسوجہ سے ان کا قانون وراثت بھی ناممکن اور محدود رہ گیا۔ عیسائیوں کے قانون میں بڑے سے بیٹے کو جائیداد پہنچتی ہے دوسرے بیٹوں کو کچھ دست برداشتہ ملتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں

حضرت اولاد مذکور جاؤ کی مالک ہے۔ باپ بھائی وغیرہ محروم مطلق ہیں لیکن اسلام نے نہایت رقت نظر سے ان نازک تعلقات پر نگاہ کی جو ورنہ کہ متونی کے ساتھ ہیں اور اسی نسبت سے تین درجہ قرار دئے۔ ذوی الفروض۔ عصباء۔ ذوی الارحام۔ ان تینوں درجوں کی اقسام قرآن مجید میں موجود ہے اور خاص کر ذوی الارحام کا ذکر ان آیتوں میں ہے:-

الذین جال نصیب قمارک الوالدین والاقربون۔ ولکل جعلنا موالی عما ترک الوالدین والاقربون واولی الارحام بعضهم الی بعض۔ امام ابو حنیفہ نے توریت کے احکام میں یہ تینوں مراتب قائم رکھے لیکن امام شافعی و امام مالک نے ذوی الارحام کو سر پہے خارج کر دیا چونکہ ان کے نزدیک نانا بھتیجیاں۔ بھابھے وغیرہ کسی حال میں ورثہ نہیں پاسکتے ان بزرگوں نے ذوی الارحام کو عام سمجھا ہے اور ذوی الفروض۔ و عصباء اس کے افراد قرار دیے ہیں جیسا کہ امام ہارمی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے۔

ذکر کلام و حقائق کے متعلق قرآن میں بہت سے احکام مذکور ہیں جن میں سے بعض بعض
میں مجتہدین مختلفہ الآراء ہیں ان اختلافی مسائل میں دو مسئلے نہایت اہم بالشان ہیں اور ہم
اس موقع پر انہیں کا ذکر کرتے ہیں۔

تہا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک گوعورت بالغہ اور عاقلہ ہونا ہم کسی حالت میں بغیر ولی کی ولایت کے نکاح نہیں کر سکتی امام ابو حنیفہ کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی آپہ مختار ہیں اس دعویٰ پر دونوں طرف سے قرآن کی آیتیں اور حدیثیں پیش کی گئی ہیں احادیث کی بحث کا تو یہ محل نہیں۔ قرآن مجید سے امام شافعی کا جواستدللال ہے اور جس کو خواہندوں نے کتاب الامامین میں ثبت شدہ وعدے لکھا ہے وہ اس آیت پر مبنی ہے۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ عَلَيْهِنَّ فَلا تَبْغُوا لَهُنَّ مَالًا يَكُونُنَّ أَزْوَاجًا حُرًّا

تکلیف وظایف

شوہر اور جب تم طلاق دو عورتوں کو اور وہ اپنی مدت کو پچھیں تو انکو اس بات سے نرو کو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں! امام شافعی کہتے ہیں کہ تَعْضَلُوْهُنَّ مِّنْ اُولَیْائِهِنَّ نکاح سے خطاب ہے۔ اور انکو حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کو نکاح سے نرو کیوں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیائے نکاح کو روکنے کا حق صلل ہے۔ ورنہ نبی کی کیا ضرورت ہے۔ امام شافعی نے اس مطلب کی تائید میں آیت کی شان نزول کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی اپنے چچے بھائی سے کر دی تھی۔ شوہر نے چند روز کے بعد طلاق دیدی۔ لیکن عدت گزر جانے کے بعد واسکو ندامت ہوئی اور اسے دوبارہ نکاح کرنا چاہا عورت بھی راضی ہو گئی معقل نے سنا تو بہن کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے نکاح کر دیا تھا اسے طلاق دیدی۔ اب میں کبھی اُس سے نکاح نہ ہونے دوں گا اس پر یہ آیت اتری! امام شافعی نے آیت کے جو معنی لئے اگر بہنے خود ان کی کتاب میں اس کو تصریحاً نہ دیکھا ہوتا تو ہمو مشکل سے یقین آتا کہ یہ انہیں کا قول ہے۔

اول ہمو اس پر غور کرنا چاہئے کہ آیت کے یہ معنی ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں بقدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ طلقتم مِّنْ شوہروں کی طرف خطاب ہے۔ اور جب یہ مسلم ہے تو ضرور ہے کہ تَعْضَلُوْهُنَّ مِّنْ بھی انہیں کی طرف خطاب ہو ورنہ عبارت بالکل بے ربط ہوگی کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اُسے شوہر! جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پچھیں چکیں۔ تو اسے نکاح کے اولیاء اتم ان عورتوں کو نکاح سے نہ روکو! اس عبارت کی بے ربطی میں کون شبہ کر سکتا ہے؟ شرط میں تو شوہروں سے خطاب ہوا اور جزا میں ان سے کچھ واسطہ نہ رہے۔ اور اولیائے نکاح سے تنہا طب کیا جائے۔ یہ کونسا طریقہ کلام ہے؟ امام رازی باوجودیکہ شافعی ہیں۔ تاہم انھوں نے

تفسیر کبیرین صاف تصریح کی ہے کہ یہ معنی بالکل غلط ہیں۔ اور خدا ایسی سبب ربط عبارت بول نہیں سکتا اگر ہم یہ معنی تسلیم بھی کر لیں۔ تو بھی امام شافعی کا استدلال تمام نہیں ہوتا کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو شخص ایک کام سے روکا جائے وہ اُس کام کا حق بھی رکھتا۔

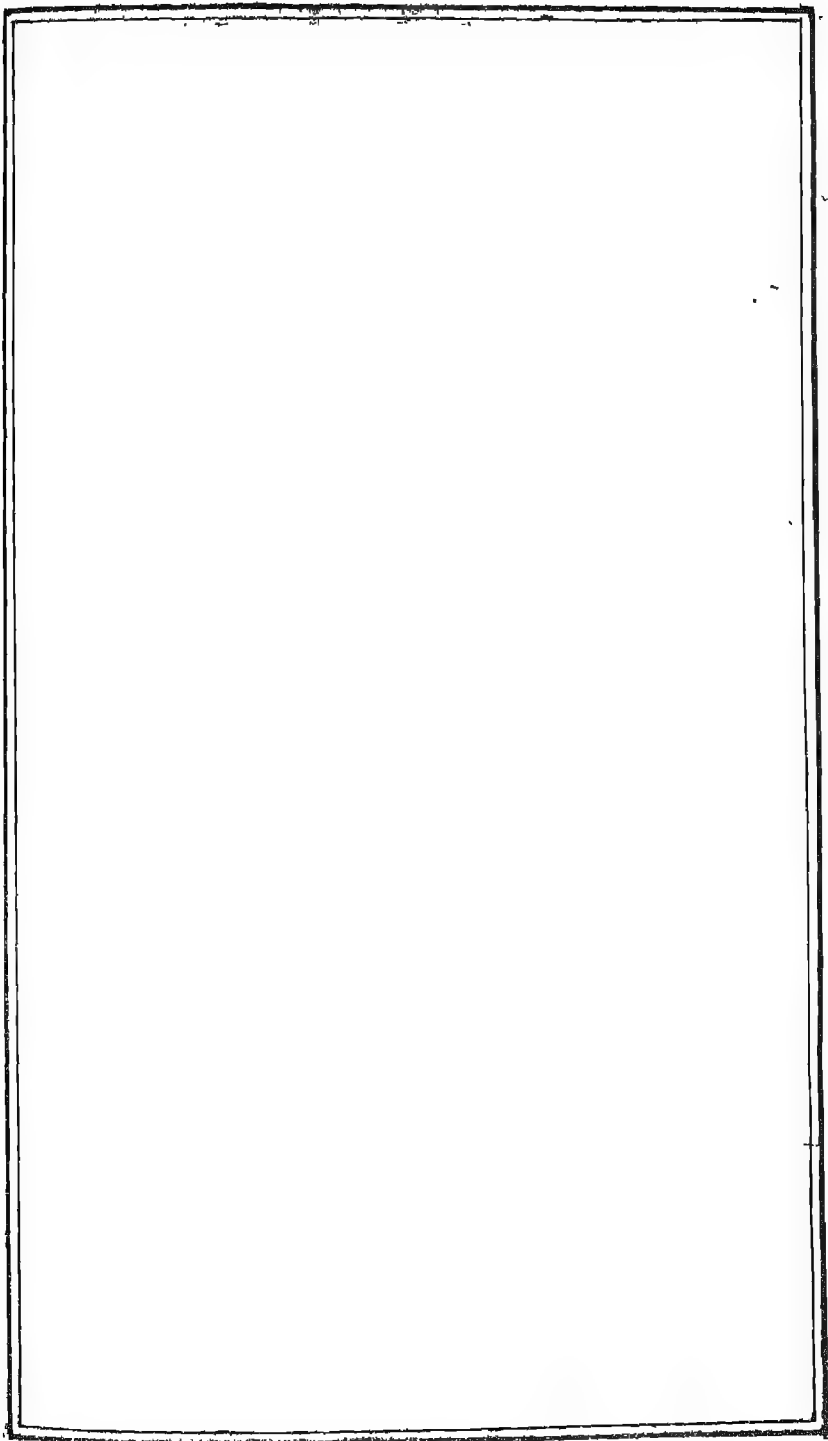
اب ہم اس آیت کا صحیح محل بیان کرتے ہیں۔ جاہلیہ میں اکثر دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے اور اس غیرت سے کہ جو عورت اُنکے ہم بسترہ چکی ہے دوسرے کے آغوش میں نہ جانے پائے۔ اُس عورت کو دوسرا نکاح بھی نہیں کرنے دیتے تھے۔ اس بری رسم کو خدا نے مٹایا اور یہ آیت نازل کی۔ جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اُسے شوہر و جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ چکیں۔ تو انکو اس بات سے نہ روکو کہ وہ شوہروں سے (یعنی جنکو اب وہ شوہر بنا نا چاہتی ہیں) نکاح کریں، امام ابو حنیفہ نے اس آیت کے یہی معنی لئے ہیں اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ عورتیں نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہیں۔ اس استدلال کی زیادہ تائید نیکی کے لفظ سے ہوتی ہے کیونکہ اس لفظ میں نکاح کے فعل کو عورتوں کی طرف منسوب کیا ہے نہ اولیائے نکاح کی طرف۔

وہ منسلک تین طلاقیں کا ہے۔ اس قدر نو چاروں ائمہ مجتہدین کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ایک یا تین طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور پہرہ جت نہ ہو سکے گی لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس طرح طلاق دینا جائز اور مشروع ہے یا نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک مشروع ہے اور خدا نے اُس کی اجازت دی ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرام اور ممنوع ہے اور طلاق دینے والا گنہگار ہے۔ امام ابو حنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ خدا نے طلاق کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ اس آیت پر محدود ہے۔ الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریم باحسان۔ یعنی طلاق دو بار کر کے ہے پھر یا تو بھلائی کے ساتھ

روک لینا ہے یعنی رجعت کر لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، پس اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا صرف وہی شرعی طلاق ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ اگر ایک بار تین طلاق دینا نہ عا جا نہ نہیں تو اس کے نفاذ کے کیا معنی۔ حالانکہ نفاذ سے امام ابو حنیفہؒ کو بھی انکار نہیں، اس کا جواب ایک بڑی نازک بحث پر مبنی ہے جس کا یہ موقع نہیں مگر اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کسی کام کا منسوخ ہونا دوسری چیز سے۔ اور نافذ ہونا دوسری چیز سے۔ باپ کا اولاد کو کم و بیش حصوں میں جائداد بٹہ کرنا۔ شرعاً منسوخ ہے۔ لیکن اگر کوئی نا انصاف باپ ایسا کرے تو اس کا نفاذ ضرور ہوگا۔

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم امام ابو حنیفہؒ کی نسبت یہ عام دعوے کرتے ہیں کہ ان کے مسائل صحیح اور قیہی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ مجتہد تھے پیغمبرؐ نہ تھے۔ اسی لئے ان کے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے۔ نہ صرف اسکان بلکہ ہم وقوع کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود ان کے خاص شاگردوں نے بہت سے مسائل میں ان سے مخالفت کی۔ مدت رضاعت۔ قضا و قاضی کا ظاہر و باطن نافذ ہونا و قتل بالمشق۔ نکاح حریات میں حد کا نہ لازم آنا۔ ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی ایسے اور بھی مسائل ہیں۔ لیکن ہمارے مقصد اس موقع پر صرف یہ ہے کہ ایک مجتہد کا جس حد تک صاحب الرائے ہونا ممکن ہے امام صاحب اس حد تک صاحب الرائے تھے۔

۲۵۲



خاتمہ

امام صاحب کے تلامذہ

ایشای ملکون میں اگرچہ شاگردی اور استادى کا تعلق عموماً نہایت قوی تعلق ہوتا ہے لیکن بعض شاگردوں کو مختلف وجوہ سے کچھ ایسی خصوصیت ہو جاتی ہے کہ جہاں استاد کا نام آتا ہے ممکن نہیں کہ ان کا نام نہ آئے۔ جیسا کہ ہم اس کتاب کے پہلے حصہ میں لکھ آئے ہیں امام ابو حنیفہ کی درس تدریس کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ خلیفہ وقت کی حد و حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھیں۔ حافظ ابوالحسن توافی نے نو سو اٹھارہ شخصوں کے نام بقیہ نام و نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے تھے۔ اس گروہ میں سے چند بزرگ ایسے ہیں جن کی بیوگرافی سے بغیر امام صاحب کی علمی تاریخ ناممکن ہے۔ چالیس شخص جو امام صاحب کے ساتھ فقہ کی ترتیب و تدوین میں شریک تھے۔ ان کے شاگرد اور ارادتمند خاص تھے۔ امام صاحب کی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہے۔ اس لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام صاحب کی تاریخ میں انہی لوگوں کا ذکر چھوڑ دیا جائے جو ایسے بڑے کام میں آئے شریک اور مددگار تھے۔ ان لوگوں کے حالات صرف امام ابو حنیفہ کی تاریخ سے وابستہ نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے عام طور پر حنفی فقہ کے متعلق ایک جامی خیال قائم ہوتا ہو یعنی ان لوگوں کی عظمت و شان سے فقہ حنفی کی خوبی اور عمدگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ساتھ ہی امام صاحب کا بلند رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے شاگرد اس رتبہ کے ہونگے وہ خود کس پایہ کا ہوگا؟ خطیب بغدادی نے وکیع بن الجراح کے حال میں جو ایک مشہور محدث تھے لکھا ہے کہ ایک موقع پر وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے کسی نے کہا کہ اس مسئلہ میں ابو حنیفہ نے غلطی کی۔ وکیع بوسے کہ ابو حنیفہ کیونکر غلط کر سکتے ہیں ابو یوسف و زفر قیاس میں۔ یحییٰ بن زایدہ حفص بن غیاث جابن مندل۔ حدیث میں قاسم بن معن لغت و عربیت میں۔ داؤد الرطائی و فضیل بن عیاض زہد و تقویٰ میں اس رتبہ کے لوگ جس شخص کے ساتھ ہوں وہ کہیں غلطی کر سکتا ہے اور کرتا بھی تو یہ لوگ اس کو بک غلطی پر رہتے دیتے۔

شاگرد کا رتبہ داعی از استاد کے لئے باعث فخر خیال کیا جاتا ہے۔ اگر یہ فخر صحیح ہو تو اسلام کی تمام تاریخ میں کوئی شخص امام ابو حنیفہ سے بڑھکر اس فخر کا مستحق نہیں ہوگا امام صاحب گریہ دعوے کرتے تو بالکل بجا تھا کہ جو لوگ امام صاحب کے شاگرد تھے وہ بڑے بڑے ائمہ مجتہدین کے شیخ اور استاد تھے امام شافعی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں نے امام محمد سے ایک بات شرعاً علم حاصل کیا ہے یہ وہی امام محمد ہیں جو امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں اور جنکی تمام عمر امام صاحب کی حمایت میں صرف ہوئی۔ انصاف یہ ہے کہ امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً قاضی ابو یوسف۔ و امام محمد۔ اس رتبہ کے عالم تھے کہ اگر امام ابو حنیفہ کی تبعیت سے الگ ہو کر مستقل اجتہاد کا دعویٰ کرتے تو انکا جدا طریقہ قائم ہو جاتا اور اسے وکیع کا مستقل ترجمہ اس کتاب کے آئندہ صفوں میں دیکھو ۱۲۷ھ چلے زمانہ کے کم نظروں کو اس روایت سے شہب ہوگا اور وہ اسکو حنفیوں کی گھڑت سمجھیں گے مگر اونکو معلوم ہونا چاہیے کہ علامہ نووی نے جو مشہور محدث ہیں اس روایت کی تصدیق کی ہے۔ دیکھو تہذیبہ لاسمار والاعانات نووی۔ ترجمہ امام محمد ۱۴

امام مالک وشافعی کی طرح اُنکے بھی ہزاروں لاکھوں متقلد بن جاتے۔

امام صاحب کے زمانہ میں جو مذہبی علوم نہایت اوج و ترقی پر تھے وہ فقہ - حدیث - اسرار الرجال تھے۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ان علوم کے ارکان تھے اکثر امام صاحب ہی کے شاگرد تھے اور شاگرد بھی برائے نام شاگرد نہ تھے بلکہ مدتوں امام صاحب کی صحبت میں رہے اور انکی فیض صحبت کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے فقہ کے متعلق تو غالباً کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن حدیث کی نسبت اس دعویٰ پر لوگوں کو تعجب ہوگا اور یہ تعجب بجا ہے کیونکہ امام صاحب کی شاگردی کے تعلق سے جو لوگ مشہور ہوئے وہ اکثر فقیہ ہی تھے۔ محدثین میں سے جو امام صاحب کے شاگرد ہیں اگرچہ بجائے خود شہرت عام رکھتے ہیں لیکن انکی شاگردی کا تعلق چند ان مشہور نہیں۔ میں اس موقع پر جن لوگوں کے نام لکھوں گا اس تعلق کا ذکر بھی خصوصیت کے ساتھ کروں گا اور رجال کی نہایت معتبر کتابوں کا حوالہ دوں گا۔

امام صاحب کے بیشتر شاگردوں میں سے ہم ان چالیس شخصوں کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے تھے جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک تھے لیکن افسوس ہے کہ ہم ان میں سے صرف چند شخصوں کا نام معلوم کر سکے۔ یعنی قاضی ابو یوسف - زعفر - اسد بن عمر - حافیتہ - الاذومی - داؤد السطائی - قاسم بن معن علی بن مسہر - یحییٰ بن زکریا - جبار - منڈل - چنا پنہ - ان لوگوں کے مختصر حالات ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔ انکے علاوہ بعض ان شاگردوں کا ذکر بھی ضرور ہے جو حدیث و رجال کے فن میں امام وقت تھے چنا پنہ پہلے ہم انہی سے شروع کرتے ہیں۔

لعمان گوگنا ذکر اس حیثیت سے موج خطیب نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھا ہے (وہ مختصر تاریخ بغداد ترجمہ ابو یوسف)

یحییٰ بن سعید القطان

فن رجال کا سلسلہ انہی سے شروع ہوا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے
 دیباچہ میں لکھا ہے کہ فن رجال میں اول جس شخص نے لکھا وہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں پہر
 ان کے بعد ان کے شاگرد و نہیں یحییٰ بن معین۔ علی بن المدینی۔ امام احمد بن حنبل عمرو بن علی الفلاس
 ابو حنیفہ نے اس فن میں گفتگو کی۔ اور ان کے بعد ان کے شاگرد وں یعنی امام بخاری مسلم وغیرہ نے
 حدیث میں انکا یہ پایہ تھا کہ جب حلقہ درس میں بیٹھتے تو امام احمد بن حنبل علی بن المدینی
 وغیرہ مودب کھڑے ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر سے جو ان کے درس
 کا وقت تھا مغرب تک برابر کھڑے رہتے۔ راویوں کی تحقیق و تنقید میں یہ کمال پیدا کیا
 تھا کہ آئمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے کہ یحییٰ جب کو چھوڑ دیں گے ہم بھی چھوڑ دیں گے۔ امام احمد
 بن حنبل کا مشہور قول ہے کہ حمایت بعینی مثل یحییٰ بن سعید القطان یعنی رہیں
 نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ کا مثل نہیں دیکھا، اس فضل و کمال کے ساتھ امام ابو حنیفہ
 کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوتے اور انکی شاگردی پر فخر کرتے۔ اس زمانہ تک تقلید
 معین کا رواج نہیں ہوا تھا تاہم اکثر مسائل میں وہ امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے
 خود ان کا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ یعنی ہم نے اکثر اقوال
 اخذ کیے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہان و کیج بن ابی جراح کا ذکر کیا ہے لکھا ہی
 یفتی بقول ابی حنیفہ و کان یحیی القطان یفتی بقولہ ایضاً یعنی و کیج

لمن فتح الخیث وجاہر المنیۃ ۱۲ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ یحیی القطان ۱۳ میزان الاعتدال علامہ

ذہبی دیباچہ ۱۲ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۳

امام ابو حنیفہ کے قول پر فتوے دیتے تھے اور بخلی قطان بھی انہیں کے قول پر فتوے دیتے تھے
 سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۱ھ میں بمقام بعصر وفات پائی۔

عبداللہ بن المبارک

حدیث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں انکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے ”روہ نام
 جس کی امامت و جلالت پر ہر باب میں غموں کا جمع کیا گیا ہے جسکے ذکر سے خدا کی رحمت
 نازل ہوتی ہے جس کی محبت سے مغفرت کی امید کیجا سکتی ہے“

حدیث میں جو ان کا پایہ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ محدثین ان کو امیر المؤمنین
 فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے۔ ایک موقع پر ان کے شاگردوں میں سے ایک
 شخص نے اسے خطاب کیا کہ یا عالم المشرق امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس موقع
 پر موجود تھے بولے کہ ”کیا غضب ہے یا عالم مشرق کہتے ہو اودہ عالم الشرق والغرب ہیں“ امام
 احمد بن حنبل کا قول ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کسی نے حدیث
 کی تحصیل میں کوشش نہیں کی۔ ”غزوہ عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ سین چار ہزار شیوخ
 سے حدیث لیکھی جن میں سے ہزار سے روایت کی، صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے
 سیکڑوں حدیثیں مروی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فن روایت کے بڑے ارکان میں سے
 ہیں۔ حدیث و فقہ میں انکی بہت سی تصنیفات ہیں لیکن افسوس کہ آج انکا پتہ نہیں۔

انکے فضل و کمال زہد و تقویٰ نے ان کو لوگوں کو مستحکم کر لیا تھا کہ بڑے بڑے امراء
 و سلاطین کو وہ رقبہ حاصل نہ تھا۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید۔ رقم کیا۔ اسی زمانہ میں عبداللہ

تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ۱۲/۱ خلاصہ تہذیب النکاح ۱۱۱ ج ۱ عبداللہ بن المبارک ۱۲

بن المبارک بھی رقمہ پہنچے۔ ان کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اس قدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں۔ ہزاروں آدمی ساتھ ہوئے اور ہر طرف گرد چھا گئی ہرون الرشید کی ایک حرم نے جو بچ کے غرض سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا: سخراسان کا عالم آیا ہے جس کا نام عبداللہ بن المبارک ہے۔
 ہوئی کہ حقیقت میں سلطنت اس کا نام ہے ہرون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا۔

یہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگردوں میں ہیں اور امام صاحب کے ساتھ انکو خاص خلوص تھا۔ انکو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجھ کو چل ہوا امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے فیض سے چل ہوا۔ ان کا مشہور قول ہے کہ لو کہ ان اللہ تعالیٰ اعانتی بانی حنیفۃ وسفیان کنت کساہ الناس یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ابو حنیفہ و سفیان کے ذریعہ سے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں ایک عام آدمی سے بڑھ کر نہ ہوتا۔ امام ابو حنیفہ کی شان میں ان کے اشعار اکثر منقول ہیں خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں چند اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے ایک یہ شعر ہے۔

مرایت ابو حنیفۃ حین تولی و یطلب علیہ عجباً حسیباً ز

مرو کے رہنے والے تھے۔ مسلمہ میں پیدا ہوئے اور مسلمہ میں مقام بیت وفات پائی

یحییٰ بن زکریا بن ابی زاید

مشہور محدث تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ لکھا ہے

لہ تاریخ بن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المبارک ۱۲ ملہ تہذیب التہذیب حافظ بن حجر۔ ترجمہ امام ابو حنیفہ۔ ۱۳

جو حافظ احمد بیٹا کہلاتے تھے چنانچہ یحییٰ کو بھی انہیں لوگوں میں داخل کیا ہے۔ اور ان کے طبقہ میں سب سے پہلے انہیں کا نام لکھا ہے۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے مشہور استاد ہیں کہا کرتے تھے کہ وہ یحییٰ کے زمانہ میں یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہو گیا، اصلاح ستہ میں ان کی روتا سے بہت سی حدیثیں ہیں۔ وہ محدث اور فقیہ دونوں تھے اور ان دونوں فنوں میں بہت بڑا کمال رکھتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے اخذ الفقہاء الکبار والمحدثین الاثبات

یہ امام ابو حنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مدت تک ان کے ساتھ رہے تھے یہاں تک کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو صاحب ابی حنیفہ کا لقب دیا ہے۔ یہ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اعظم تھے۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ تیس برس تک وہ شریک رہے اگرچہ یہ مدت صحیح نہیں لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بہت دن تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاصکر تصنیف و تحریر کی خدمت انہی سے متعلق تھی۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ کوفہ میں اول جس شخص نے تصنیف کی وہ یحییٰ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تحریر کا کام یحییٰ سے متعلق تھا اس لئے بعض لوگوں نے انہی کو مستقل مصنف سمجھ لیا۔

ملاں میں منصب قضا پر ممتاز تھے اور وہیں ۱۲۳ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

وکیع بن الجراح

فن حدیث کے ارکان میں شمار کئے جاتے ہیں۔ امام احمد حنبل کو ان کی شاگردی پر

لے میزان الاعتدال علامہ ذہبی ترجمہ یحییٰ ۱۲۳ھ ابو ابراہیم المغیرہ ترجمہ یحییٰ ۱۲۳ھ

فخر تھا چنانچہ جب وہ انکی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو ان لفظوں سے شروع کرتے تھے ”یہ حدیث مجھ سے اُس شخص نے روایت کی کہ تیری آنکھوں نے اسکا مثل نہ دیکھا ہوگا“ یحییٰ بن یحییٰ جو فن رجال کے ایک دُرکن خیال کئے جاتے ہیں اُن کا قول تھا کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسکو وکیع پر ترجیح دوں یا اکثر ائمہ حدیث نے انکی شان میں اس قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ بخاری و مسلم میں اکثر انکی روایت سے حدیثیں مذکور ہیں۔ فن حدیث و رجال کے متعلق ان کی روایتیں اور رائیں نہایت مستند خیال کیجاتی ہیں یہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور اُن سے بہت سی حدیثیں سنیں تھیں اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور انہی کے قول کے موافق فتوے دیتے تھے۔

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کان یقی یقول ابی حنیفہ وکان قد معہ منہ شیئا کثیرا علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ اصحاب میں اس کی تصدیق کی ہے ۹۱۷ھ میں وفات پائی۔

یہ زید بن ہرون

فن حدیث کے مشہور امام ہیں۔ پیرے پیرے ائمہ حدیث انکے شاگرد تھے امام حنبل علی بن المذنب یحییٰ بن یحییٰ ابن ابی شیبہ وغیرہ نے انکے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے علامہ نووی نے ان کے تلامذہ کی نسبت لکھا ہے کہ انکا شمار نہیں ہو سکتا یحییٰ بن ابی طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار میں ان کے حلقہ درس میں شریک تھا۔ لوگ ٹھیندہ کرتے تھے

۱۔ تہذیب لاسار والفاظ علامہ نووی ترجمہ وکیع بن الجراح ۱۷۷ھ تہذیب لاسار والفاظ ۱۲۷ھ ماقطعہ دار البرکۃ تولد میں تہذیب لاسار کے بعد ۱۷۷ھ کا لفظ ہے جو صاف اور صحیح اس دعو پر دلالت کرتا ہے دیکھو عقد النعمان خانہ فیصل

فہم حدیث میں ان کو امام ابو حنیفہ سے ملتا تھا۔ علامہ وہابی نے تذکرۃ اصحاب میں جہاں ان لوگوں کے نام لکھے ہیں جنہوں نے امام صاحب سے حدیثیں روایت کیں ان کا نام بھی لکھا ہے۔ یہ ایک مدت تک امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اس وجہ سے ان کو امام صاحب کے اخلاق و عادات پر رائے قائم کرنے کا کافی موقع ملا تھا۔ ان کا قول ہے کہ میں بہت سے لوگوں کی صحبت اور ٹھائی لیکن ابو حنیفہ سے کسی کو بڑھ کر نہیں پایا۔ میں پیدا ہونے اور نہ مرنے میں وفات پائی۔

حفص بن غیاث

بہت بڑے محدث تھے خطیب بغدادی نے انکو کثیر روایت لکھا ہے اور علامہ زہبی نے انکو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے امام احمد حنبل - علی بن المدینی وغیرہ نے اسے حدیث میں روا کیا۔ یہ اس خصوصیت میں ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے کاغذ یا کتاب پاس نہیں رکھتے تھے چنانچہ اس طرح جو حدیثیں روایت کیں اس کی تعداد تین یا چار ہزار ہے یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں امام صاحب کے شاگردوں میں چند بزرگ نہایت مقرب اور باخلاص تھے جنکی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میرے دکنی تسکین اور میرے غم کے مٹانے والے ہو، اخص کی نسبت بھی امام صاحب نے تہذیب الاسماء والغات نوی ترجمہ میں یہوں اسے تہذیب الاسماء والغات اسے تہذیب اللہ حافظ مری ترجمہ

۱۰۱۱

یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ مختصر تاریخ بغداد میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگردوں میں تھے۔

مرتب تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے لیکن اخیر میں ضرورتوں نے ہمت تنگ کیا اتفاق یہ کہ انہی دنوں یعنی ۳۱۴ھ میں ہرون الرشید کے انکا شہرہ سن کرا نکو طلب کیا اور قضا کی خدمت سپرد کی۔ چونکہ فرض سے زیر بار تھے مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ قاضی ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے اور قضا کا تمام سرشتہ ان کے اہتمام میں تھا۔ چونکہ ہرون الرشید قاضی صاحب کے بغیر اطلاع حفص کو مقرر کر دیا اسلئے انکو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن بن زیاد کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ میں آئیں تو ان کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے لیکن جب ان کے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید آئی ہے۔

۳۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ تیرہ برس کو نہ میں اور دو برس بغداد میں قاضی رہے ۳۱۹ھ میں وفات پائی۔

ابو عاصم النبیل

ان کا نام ضحاک بن مخلد ہے۔ مشہور محدث ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں ان کی روایت سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ انکی توثیق پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ نہایت پارسا اور متورع تھے۔ امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ابو عاصم نے خود کہا کہ جب سے مجھکو معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے میں نے اب تک کسی کی غیبت نہیں کی۔

۱۲۱ھ ابو ہریرہ المصنف ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲۱ھ ابو ہریرہ المصنف۔ ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲

ان کا لقب نہیں تھا جس کے معنی معزز کے ہیں۔ اس امر میں اختلاف ہو کہ یہ لقب کیوں
 ہوا؟ ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ شعبہ نے کسی وجہ سے قسم کھائی کہ میں حدیث نہیں روایت
 کروں گا، چونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے اور ان کے درس سے ہزاروں طلبا مستفید ہوتے
 تھے لوگوں کو بہت تشویش ہوئی۔ ابو حاصم نے یہ حال سنا تو اسی وقت شعبہ کی خدمت میں
 حاضر ہوئے اور کہا کہ وہ میں اپنے غلام کو آپ کی قسم کے کفارہ میں آزاد کرتا ہوں آپ قسم ٹوڑنا
 اور حدیث کا درس دیجئے شعبہ کو ان کے شوق اور ہمت پر تعجب ہوا اور فرمایا کہ انت نبیل
 اُس وقت سے یہ لقب مشہور ہو گیا۔

یہ بھی امام صاحب کے مختص شاگردوں میں تھے یا خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں
 لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے ان سے پوچھا کہ رؤسفیان توری زیادہ نقیمہ ہیں یا ابو حنیفہؒ؟
 کہ دو سوازنہ تو ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسری سے ملتی جلتی ہوں۔ ابو حنیفہ نے فقہ
 کی بنیاد لی ہے اور رؤسفیان صرف نقیمہ ہیں۔
 ۱۲۰ھ میں نوے برس کی عمر میں وفات پائی۔

عبدالرزاق بن ہمام

علامہ ذہبی نے ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہوا الحمد للہ الثقات
 بہت بڑے نامور محدث تھے صحیح بخاری و مسلم وغیرہ ان کی روایتوں سے مالا مال ہیں امام
 احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ حدیث کی روایت میں آپ نے عبدالرزاق سے بڑھ کر کسی کو
 دیکھا؟ جواب دیا کہ نہیں، بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام سفیان بن عیینہ۔ سیکھے بن

سعید بن علی بن المدینی - امام احمد حنبل - فن حدیث میں اس کے شاگرد تھے طایبان حدیث بہت دوسرے قطع منازل کر کے انکی خدمت میں سیکھنے جاتے تھے یہاں تک کہ بعضوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اس قدر دوز و راز مسافر ملے کہ اس کے لوگ نہیں گئے۔

حدیث میں انکی ایک ضخیم تصنیف موجود ہے جو جامع عبدالرزاق کے نام سے مشہور ہے امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ میں اس کتاب سے استفادہ ہوا ہوں، علامہ ذہبی اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ در علم کا خزانہ ہے۔

ان کو ابو حنیفہ سے فن حدیث میں ملتا تھا۔ عقود ابیحان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوا ہے کہ امام صاحب کی صحبت میں زیادہ رہے۔ چنانچہ اس کے اخلاق و عادات کے متعلق اس کے اکثر اقوال کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان کا قول تھا کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر کسی کو حلیم نہیں دیکھا۔

۲۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۵ھ میں انتقال کیا۔

داود الطائی

خدا نے محبوب حسن قبول دیا تھا۔ صوفیہ ان کو بہت بڑا مرشد کامل مانتے ہیں تذکرۃ الاولیاء میں اس کے مقامات عالیہ مذکور ہیں۔ فقہاء و خصوصاً فقہائے حنفیہ ان کے ثقہ اور اجتہاد کے قائل ہیں محدثین کا قول ہے کہ ثقہ بلا نزاع اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام اہل کتاب کے مستحق تھے۔ محارب بن وثار جو مشہور محدث تھے کہا کرتے تھے کہ داؤد

داود الطائی و تارخہ باقی ترجمہ عبدالرزاق بن ہمام علیہ میزان الاعتدال نقلی ہے۔

اگر اگلے زمانہ میں ہوتے تو خدا قرآن مجید میں انکا قصہ بیان کرتا

ابتداء میں فقہ و حدیث کی تحصیل کی پھر علم کلام میں کمال پیدا کیا اور بحث و مناظرہ میں مشغول ہوئے۔ ایک دن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اس پر کنکری پھینک ماری اسنے کہا داؤد! تمہاری زبان اور ہاتھ دونوں دراز ہو چلے! ان پر عجیب اثر ہوا۔ بحث و مناظرہ بالکل چھوڑ دیا تاہم تحصیل علم کا مشغلہ جاری تھا۔ برس دن کے بعد کل کتابیں وریا بن ڈبو دیں اور تمام چیزوں سے قطع تعلق کر لیا۔ امام محمد کا بیان ہے کہ میں داؤد سے اکثر مسئلہ پوچھنے جاتا۔ اگر کوئی ضروری اور علی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ دو بھائی! مجھے اور ضروری کام ہیں یہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں۔ خطیب بغدادی۔ ابن خلکان۔ علامہ ذہبی اور دیگر مورخین نے جہاں ان کے حالات لکھے ہیں امام صاحب کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔ تدوین فقہ۔ میں بھی امام صاحب کے شریک تھے اور اس مجلس کے معزز ممبر تھے مسئلہ حرمین وفات پائی۔ ان بزرگوں کے سوا اور بھی بہت سے نامور محدثین مثلاً فضل بن دین۔ حمزہ بن حبیب۔ الزیات۔ ابراہیم بن طہمان۔ سعید بن اوس۔ عمر بن میمون۔ فضل بن موسیٰ وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ میں داخل ہیں۔ لیکن مہینے صرف ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو تلامذہ خاص کہے جاسکتے ہیں اور جو مدتوں امام صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے ہیں۔

فقہاء

جو تدوین فقہ میں شریک تھے

قاضی ابو یوسف

انکی منزلت اور عظمت شان اس قابل تھی کہ انکا مستقل تذکرہ لکھا جاتا اور حسب ہی انکی
 علمی کمالات کا اندازہ بھی ہو سکتا۔ لیکن یہ فرصت کے کام ہیں خدا کسی کو توفیق دے تو یہ
 کام پورا ہو سکتا ہے۔ اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے میرا یہی قدر فرض ہے کہ
 انکی مختصر تاریخ لکھ دوں جس سے انکی لائف اور علمی کمالات پر ایک اجمالی رائے قائم ہو سکے
 انکا نسب انصار سے ملتا ہے انکے مورث اعلیٰ سعد بن حبیب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے اصحاب میں سے تھے۔ انکے باپ ایک غریب آدمی تھے اور مذکور ہی محنت کر کے
 زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ مسئلہ یا مسئلہ میں بمقام کو فہم پیدا ہوئے۔ انکو اگرچہ بچپن سے
 لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا۔ لیکن باپ کی مرضی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور
 گھر میں چار پیسے لگا کر لائیں۔ تاہم قاضی صاحب جب موقع اور فرصت پاتے علماء کی صحبت
 میں جا بیٹھے۔ ایک دن امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں حاضر تھے مگر انکے باپ پیچھے اور
 وہاں سے زبردستی اٹھا لائے۔ گھر پر آکر سمجھایا کہ بیٹا ابو حنیفہ کو خدا نے رزق کی طرف سے
 اطمینان دیا ہے۔ تم انکی ریس کیوں کرتے ہو؟ قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا
 اور باپ کے ساتھ رہنے لگے۔ امام ابو حنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگوں سے پوچھا
 کہ بے قیود اب نہیں آتے؟ انکو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے
 اور ساری کیفیت بیان کی امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی گھر پر آکر دیکھا تو
 اس میں سو درہم تھے۔ امام صاحب نے ان سے یہ بھی کہدیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھے کہنا
 اسی طرح برابر ان کو مدد دیتے رہے یہاں تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم

نسب اور
راویتحصیل علم
کے سال

استاذہ

میں کمال چل گیا اور استاد وقت بن گئے۔

قاضی صاحب نے امام ابو حنیفہ کے علاوہ اور بہت سے ائمہ وقت کی خدمت میں علم کی تحصیل کی۔ اعمش۔ ہشام بن عروہ۔ سلیمان تمیمی۔ ابواسحق شیبانی یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں محمد بن اسحاق سے مغازی و سیر طبری۔ محمد بن ابی یعلیٰ سے فقہ کے مسائل سیکھے۔ خدا نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے۔ حافظ بن عبد البر نے جو ایک مشہور محدث ہیں لکھا ہے کہ ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے اور ایک جلسہ میں پچاس ساٹھ حدیثیں سن کر یاد کر لیتے۔

عہدہ قضا

امام ابو حنیفہ جب تک زندہ رہے۔ قاضی صاحب ان کے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے۔ انکی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا۔ چنانچہ خلیفہ ممدی عباسی نے ۱۶۷ھ میں انکو قاضی کی خدمت دی۔ ممدی کے بعد اسکے جانشین ہادی نے بھی انکو اسی عہدہ پر بحال رکھا۔ لیکن ہرون الرشید نے انکی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وعدہ تھا جو اس وقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن ابی داؤد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سرشتہ قضا میں جو ترقیاں کیں ان کی تفصیل خود انکی لائف لکھی جائے تو لکھی جاسکتی ہے۔

وفات

جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچویں تاریخ ۱۸۰ھ میں وفات پائی محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ انکی زبان پر تھے۔ ”اے خدا تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ عدل و خلاف واقع نہیں کیا۔ میری ہمیشہ کوشش ہی کہ جو فیصلہ ہو میری

کتاب احمد تیسرے پیغمبر کے طریقہ کے موافق ہو۔ جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو میں امام ابو حنیفہ کو واسطہ بناتا تھا اور جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ابو حنیفہ تیسرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عہدِ اُمّی کے راستہ سے باہر نکالتے تھے۔ قاضی صاحب بہت بڑے دولتمند تھے لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ چار لاکھ روپے مکہ معظمہ مدینہ منورہ کو فہ۔ بغداد کے محتاجوں کو دیے جائیں۔

قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے۔ اگرچہ ان کی شہرت زیادہ ترقی میں ہوئی لیکن اور علوم میں بھی وہ اپنے آپ ہی نظیر تھے۔ مروج بن خلکان نے ہلال بن یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ ابو یوسف تفسیر مخازی ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ انکا ادا کرنے کا علم تھا۔ حدیث میں انکا یہ پایہ تھا کہ حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انکا ترجمہ لکھا ہے۔ یحییٰ بن معین کہا کرتے تھے کہ اہل الرسل میں ابو یوسف سے بڑھکر کوئی شخص کثیر الحدیث نہیں۔ امام احمد حنبل کا قول ہے کہ وہ کان منصفانی الحدیث۔ مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں کہا کرتے تھے ابو یوسف اتم القوم الحدیث۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں امام احمد حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ اول جب مجھ کو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابو یوسف کچھ دست میں حاضر ہوا یا یحییٰ بن معین و امام احمد حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثیں روایت کیں۔ اس سے زیادہ ان کی عظمت شان کی کیا دلیل ہوگی۔

ابو یوسف نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کئے ہیں کہ قاضی صاحب کی نسبت کتب رجال بن جریر بھی منقول ہیں مگر وہ عموماً ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ یا تو وہ مبہم جرحین ہیں یا انکا نشانہ راہبادی مسائل کا جھنڈا ہے۔

فقہ میں جو انکا پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کو خود ان کے کمال کا اعتراف تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے۔ امام صاحب عیادت کو گئے۔ واپس آئے تو ساتھیوں سے کہا کہ ”خدا نخواستہ اگر یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا عالم ہلاک ہوا“ اور ائمہ بھی ان کے حدیث ذہن اور قوت فہم کے معترف تھے۔ امام اعظم اس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے انھوں نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انھوں نے جواب بتایا امام اعظم نے کہا سپر کوئی سند بھی ہے؟ قاضی صاحب نے فرمایا ہاں وہ حدیث جو فلان موقوف پر آپ نے مجھے بیان کی تھی۔ امام اعظم نے کہا ”یعقوب یہ حدیث جھکو اس وقت سے یاد ہے جب تمہارے والدین کا عقد بھی نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس کا صحیح مطلب آج ہی سمجھ میں آیا۔“

تصنیفات

قاضی صاحب پہلے شخص ہیں جنہے فقہ حنفی میں تصنیفیں کیں مختلف علوم میں انکی تصنیفات بہت ہیں اور ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے لیکن ہماری نگاہ سے صرف کتاب الخراج گزری ہو اس لئے ہم اس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ ہر وہ الرشید نے خراج و جزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے یادداشتیں طلب کی تھیں۔ قاضی صاحب نے اسکے جواب میں چند تحریریں بھیجیں۔ یہ کتاب انہیں تحریر و ن کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ اس میں بہت سے مضامین ہیں لیکن زیادہ تر خراج کے مسائل ہیں اور اسی لئے اسکو اس زمانہ کا قانون مالگزاری کہہ سکتے ہیں اس کتاب میں زمین کے اقسام بلحاظ حیثیت اور بلحاظ تنوع۔ لگان کی مختلف شرحیں۔ کاشتکاروں کی حیثیتوں کا اختلاف۔ پیداوار کی تسعین۔ اس قسم کے اور مراتب کو اس خوبی اور وقتاً بوقتاً ابن خلکان ترجمہ قاضی ابویوسف ہمدانی کے مطبع میرٹھ میں چھاپی گئی ہے ۱۲

نظر کے ساتھ منضبط کیا ہے اور ان کے متعلق قواعد قرار دیے ہیں کہ اس زمانہ کے محاذ سے تعجب ہوتا ہے طرز تحریر میں ایک یہ بڑی خوبی ہے کہ نہایت آزادانہ ہے۔ قواعد اور دواتیوں کے ساتھ جابجا ان اہل یون کا ذکر ہے جو انتظامات سلطنت میں موجود تھے اور ان پر نہایت مہیا کی کے ساتھ خلیفہ وقت کو متوجہ کیا ہے۔

قاضی صاحب کی تاریخ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ ہر ون الرشید جیسے جبار اور خود پرست بادشاہ کے دربار میں وہ اپنے فرائض اس جرات اور آزادی سے ادا کرتے تھے جسکی مثال ایشائی سلطنتوں میں بہت کم مل سکتی ہے کتاب الخراج میں ایک جگہ وہ ہر ون الرشید کو لکھتے ہیں کہ اسے امیر المؤمنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لئے عینہ میں ایک بار بھی دربار کرتا اور مظلوموں کی فریاد سنتا تو میں امید کرتا ہوں کہ تیرا شمار ان لوگوں میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں اور اگر تو وہ ایک بار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف میں پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے۔ بلکہ اگر اعمال و صورتوں کو یہ خبر پہنچے کہ تو برس دن میں ایک دفعہ انصاف کے لئے بیٹھتا ہے تو ظالموں کو کبھی ظلم پر جرات نہ ہونے پائے!!

قاضی صاحب کے سوا کسی جرات تھی کہ ہر ون الرشید کو یہ الفاظ لکھتا؟

تعجب یہ ہے کہ ایسا آزاد اور پاکیزہ نفس بھی دشمنوں کے حملے سے نہیں بچا۔ قاضی صاحب کے مخالفین نے انکو خوشامدی اور زمانہ ساز کہا ہے اور اس مضمون کی چند روایتیں بھی گھڑی ہیں بعض مؤرخین جنکو رطب یا بس سے کچھ بحث نہیں ان ہیودہ روایتوں کو نقل بھی کر دیتے ہیں جو کوتاہ بینیوں کے لئے ہوئے بس ہے، کا کام دیتی ہے اس قسم کی بعض حکایتیں تاریخ الخلفاء میں منقول ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ کتاب الخراج کے فقرے جو بنی نقل

ازادی کے
ساتھ اپنے
فرائض کا
انجام دینا

مخالفین کی
نہت آمیز
روایتیں

کے ہیں جس قطعیت کے ساتھ ثابت ہیں ان کے مقابلہ میں ان روایتوں کا کس حد تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

خاطب اللیل موہبن ایک طرف۔ بعض محدثین نے بھی مخالفت کے جوش میں تحقیق حق کی پروا نہ کی۔ یہی قی نے امام شافعی کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اس میں لکھا ہے کہ امام شافعی جب ہرون الرشید کے دربار میں گرفتار ہو کر آئے تو قاضی ابویوسف اور امام محمد نے ہرون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی رائے دی اور کہا کہ اگر جلد تدارک نہیں کیا جاتا تو یہ شخص سلطنت کو صدر پہنچائے گا۔ افسوس۔ امام بیہقی کو بالانہد محدثیت یہ بھی خیال آیا کہ قاضی ابویوسف اس زمانہ سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود محدثین ہی نے اس روایت کی تکذیب کی حافظ بن حجر نے جن سے بڑھکر ان کے بعد محدث نہیں ہوا امام شافعی کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جو آج کل مصر میں چھاپی گئی ہے۔ وہ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں غبی مکذوبۃ وغالب ما فیہا موضوع و بعضہا ملفق من روایات ملفقة و واضح ما فیہا من الکذب قولہ فیہا ان ابایوسف و محمد بن الحسن خرضا الرشید علی قتل الشافعی یعنی یہ روایت جھوٹی ہے اور اس کا اکثر حصہ موضوع ہے اور بعض حصے دو سری تخطی روایتوں سے ماخوذ ہیں اور جو سری جھوٹی روایتیں ہیں وہ یہ ہے کہ ابویوسف و محمد بن الحسن نے ہرون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی۔

قاضی صاحب کی طرف بعض اولیات بھی منسوب ہیں۔ موہن بن خلکان نے لکھا ہے کہ قاضی ابویوسف پہلے شخص ہیں جنہ علما کے لئے ایک خاص لباس تجویز کیا کہ آج تک اس کتاب کا نام توالی التا سلسل جعلل ابن ادہر ہیں ہے اور لکھ میں ملے میرۃ من طبع جوی ۱۲

برتا جاتا ہے ورنہ ان سے پہلے تمام لوگوں کا ایک لباس تھا۔

امام محمد بن حسن الشیبانی

یہ فقہ حنفی کے دو سسر باز ہیں۔ انکا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گائون تھا جسکو حرستا کہتے ہیں۔ انکے والد وطن چھوڑ کر واسطہ چلے آئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی امام محمد رحمہ اللہ میں یہیں پیدا ہوئے۔ سن رشد کا آغاز تھا کہ کوثر جانا ہوا۔ یہاں علوم کی تحصیل شروع کی اور بیسے بڑے فقہاء و محدثین کی صحبت آٹھائی۔ مسعر بن کدام امام سفیان ثوری۔ مالک بن دینار۔ امام اوزاعی۔ وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ کم و بیش دو برس تک امام ابو حنیفہ کی خدمت میں رہے۔ امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابویوسف سے بقیہ تحصیل کی۔ پھر مدینہ منورہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑھتے رہے۔ آغاز شباب ہی میں انکے فضل و کمال کے چرچے پھیل گئے تھے۔ بیس برس کے سن میں مسند دہلی پر بیٹھے اور لوگوں نے انسے استفادہ شروع کیا۔ ہرون الرشید نے انکے فضل و کمال سے واقف ہو کر قضا کی خدمت دی اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ۸۹ھ میں رے گیا تو انکو بھی ساتھ لے گیا۔ رے کے قریب رہنویہ ایک گائون ہے وہاں پہونچ کر قضا کی۔ اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور بخوی گزر رہا ہے وہ بھی اس سفر میں ساتھ تھا اور اسنے بھی یہیں انتقال کیا۔ ہرون الرشید کو نہایت حدسہ ہوا۔ اور کہا کہ ”آج فقہ اور بخود و نوں کو ہم دفن کر آئے۔“ علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہرون الرشید کے درباریوں میں سے نہایت جاگداز مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فَقُلْتُ إِذَا مَا اشْكَلُ الْخَطْبُ مِنْ لَنَا : بِأَيِّضْلِحِهِ يَوْمًا وَأَنْتَ فَقِيدُ

ترجمہ یعنی ”ہننے کہا کہ جب تو نرہا تو ہمارے لئے مشکلات کا حل کرنے والا کہاں سے آئیگا؟“
امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ دربار کے تعلق سے بسر کیا۔ لیکن آزادی اور حق گوئی کا سرشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ شامہ مین یحییٰ علوی نے جب علم بناوٹ بند کیا تو ہرون الرشید ان کا سرو سامان دیکھ کر عاس باختہ ہو گیا۔ اور دیگر صلح اختیار کی معاہدہ صلح قلمبند ہوا اور یحییٰ کے اطمینان کے لئے بڑے بڑے علماء و فضلاء فقہاء اور محدثین نے اسپر دستخط کئے۔ یحییٰ صلح پر راضی ہو کر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہرون الرشید نے نقض عہد کرنا چاہا۔ تمام علماء نے ہرون الرشید کے خوف سے فتویٰ دیدیا کہ صورت موجودہ میں نقض عہد جائز ہے۔ لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اس کا اندازہ۔ ائمہ مجتہدین کے اقوال سے ہو سکتا ہے امام شافعی کا قول ہے کہ ”امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اتر رہی ہے“ انہیں کا قول ہے ”کہ میں نے امام محمد سے ایک بار سن کر برابر علم چل گیا“ امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ یہ دقیق مسائل کہاں سے چل ہوئے فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں سے ۱۱

امام محمد کے حلقہ درس سے اگرچہ اور بہت سے نامور علماء تعلیم پا کر نکلے لیکن ان میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے کم نظرون کو اس سے تعجب ہوگا۔ اگلے زمانہ میں بھی ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی

سے انکار کیا تھا۔ لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے؟ تاریخ و رجال کی آج سیکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ وہ کیا شہادت دے رہی ہیں؟ بے شبہ امام شافعی کو امام محمد کی فیضِ محبت نے بڑے بڑے کمالات کے رستے دکھائے اور اس کا خود انکو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں۔

یعنی محمد بن احسن خلیفہ کے ہاں بہت معزز تھے اس لئے میں ان کے پاس آتا جاتا تھا میں نے اپنے جی میں کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالیٰ رتبہ ہیں اس لئے میں نے انکی صحبت لازم پکڑ لی اور انکا درس قلمبند کرتا تھا۔

امام محمد نو بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور تمام شاگردوں کی نسبت ان کے ساتھ خاص مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہرون الرشید کے دربار میں جا رہے تھے۔ راہ میں امام شافعی ملے۔ جو انکی ملاقات کو آرہے تھے۔ اسی وقت گھوڑے سے اتر پڑے اور نوکری سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ میں اس وقت حاضر نہیں ہو سکتا۔ امام شافعی نے کہا میں اور کسی وقت حاضر ہوں گا آپ دربار میں تشریف لیجائیں۔ امام محمد نے کہا وہ نہیں وہاں جانا کچھ ضرور نہیں۔ امام محمد و امام شافعی میں اکثر مناظرات بھی رہتے تھے۔ اور اسی بنا پر بعضوں کو انکی شاگردی سے انکار ہے۔ لیکن اس زمانہ کی استاد شاگردی یہ ہے کہ پیروں پر پیوے نہ تھے اور دراصل آج بھی پیوے پر نہیں۔

امام محمد کی شہرت اگرچہ زیادہ تر فقہ میں ہے اور ان کی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ لیکن وہ تفسیر، حدیث، ادب، میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے

امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے قرآن مجید کا عالم امام محمد سے بڑھ کر نہیں دیکھا، ”ادبنا و عربیت میں اگرچہ انکی کوئی تصنیف موجود نہیں لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کے جزئیات پر مبنی ہیں اکثر جامع کبیر میں مذکور ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فن میں ان کا کیا پایہ تھا چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکا ذکر کیا ہے۔

حدیث میں ان کی کتاب موطا مشہور ہے۔ اسکے علاوہ کتاب الحج جو امام مالک کی رد میں لکھی ہے۔ اس میں اکثر حدیثیں روایت کی ہیں اور متعدد مسائل میں جوش و ادعا کے ساتھ کہا ہے کہ ”مدینہ والوں کو دعویٰ ہے کہ وہ حدیث کے پیرو ہیں۔“ حالانکہ ان مسائل میں صریح اسکے خلاف حدیث موجود ہے۔“

امام محمد کی تصنیفات۔ تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور آج فقہ حنفی کا طرانی کتابوں پر ہے ہم دیکھیں ان کتابوں کی فہرست لکھتے ہیں جنہیں امام ابو حنیفہ کے مسائل روایتاً مذکور ہیں اور اسلئے وہ فقہ حنفی کے اصلی اصول خیال کیے جاتے ہیں۔

بسوط اصل میں یہ کتاب قاضی ابویوسف کی تصنیف ہے۔ انہیں مسائل کو امام محمد نے زیادہ توضیح اور خوبی سے لکھا۔ یہ امام محمد کی پہلی تصنیف ہے۔

جامع صغیر۔ بسوط کے بعد تصنیف ہوئی۔ اس کتاب میں امام محمد نے قاضی ابویوسف کی روایت سے امام ابو حنیفہ کے تمام اقوال لکھے ہیں کل ۵۳۳ مسئلے ہیں جنہیں سے ایک سو ستر مسئلہ کے متعلق اختلاف ملے بھی لکھا ہے۔ اس کتاب میں تین قسم کے مسائل ہیں۔

(۱) جنکا ذکر مجاز اس کتاب کے اور کہیں نہیں پایا جاتا۔

(۲) اور کتابوں میں بھی مذکور ہیں۔ لیکن ان کتابوں میں امام محمد نے تصریح نہیں کی تھی کہ یہ خاص

ابو حنیفہ کے مسائل میں اس کتاب میں تصریح کر دی ہے۔

(۴) اور کتابوں میں مذکور تھے۔ لیکن اس کتاب میں جن الفاظ سے لکھا ہے ان سے بعض نے
 فائسے مستنبط ہوتے ہیں۔ اس کتاب کی تیس چالیس شرحیں لکھی گئیں جن کے نام اور مختصر
 حالات کشف الظنون و غیرہ میں ملتے ہیں۔

جامع کبیر۔ جامع صغیر کے بعد لکھی گئی ضخیم کتاب ہے۔ اس میں۔ امام ابو حنیفہ کے اقوال
 کے ساتھ۔ قاضی ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں۔ ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل لکھی ہے
 متاخرین حنفیہ نے۔ اصول فقہ کے جو مسائل قائم کئے ہیں زیادہ تر اسی کتاب کی طرز استدلال
 و طریق استنباط سے کئے ہیں۔ بڑے بڑے نامور فقہار نے اس کی شرحیں لکھیں جن میں
 سے اہم شرحوں کا ذکر کشف الظنون میں ہے۔

زیادات۔ جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یا دوائے وہ اس میں درج کئے ہیں
 اور اسی لیے زیادات نام رکھا۔

کتاب الحج۔ امام محمد امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ گئے اور تین برس
 وہاں رہ کر۔ امام مالک سے موطا پڑھی۔ اہل مدینہ کا طریقہ فقہ جدا تھا۔ بہت سے مسائل
 میں وہ لوگ امام ابو حنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ امام محمد نے مدینہ سے آکر یہ کتاب
 لکھی۔ اس میں اول وہ ابو حنیفہ کا قول نقل کرتے ہیں۔ پھر مدینہ۔ والوں کا اختلاف بیان
 کر کے۔ حدیث۔ اثر۔ قیاس سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب صحیح ہے اور
 دوسروں کا غلط۔ امام رازی نے مناقب شافعی۔ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے یہ کتاب
 چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے۔ میں نے اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے۔

سیر صغیر و کبیر یہ سب اخیر تصنیف ہے۔ اول سیر صغیر لکھی اس کا ایک نسخہ امام اوزاعی

کی نظر سے گزرا۔ انھوں نے طعن سے کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت! امام محمد نے
اسنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی۔ تیار ہو چکی تو ساتھ جزدن میں آئی۔ امام محمد ابن خنیم کتاب کو ایک
پتھر پر لکھوا کر ہرون الرشید کے پاس لے گئے۔ ہرون الرشید کو پہلے سے خبر ہو چکی تھی۔ اس نے
مذروانی کے لحاظ سے شہزادوں کو بھیجا کہ خود جا کر امام محمد سے اس کی سند لیں۔

ان کتابوں کے علاوہ۔ امام محمد کی اور تصانیف بھی فقہین موجود ہیں۔ مثلاً گیانیات
جر جانیات۔ رقیات۔ ہرونیات۔ لیکن یہ کتابیں فقہاء کی اصطلاح میں ظاہر الروایت میں داخل
نہیں۔ بلکہ کتاب الحج چمکا ذکر اور پر ہو چکا وہ بھی اس سلسلہ سے خارج ہے۔

امام زفر

فقہین اگرچہ ان کا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ انکی کوئی تصنیف
موجود نہیں ہے اور انکے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ اس لئے صاحبین سے انکو
مؤخر رکھنا پڑا۔

یہ عربی نسل تھے۔ شروع زمانہ میں انکو حدیث کا توفل رہا اور اسی وجہ سے جیسا کہ علامہ
الووی نے تہذیب اللغات میں تصریح کی ہے۔ صاحب حدیث کہلاتے تھے پھر فقہ کی
طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔

یحییٰ بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں انکا قول ہے کہ زفر صاحب الروایۃ
ثقة صاموٹ بعض لوگوں نے انکی تصنیف بھی کی ہے۔ لیکن وہ مبہم ہے اور قابل اعتنا
نہیں ہے۔

انکو خاص کر قیاسی احکام میں نہایت کمال تھا۔ امام ابو حنیفہ ان کی نسبت فرمایا

کرتے تھے کہ اقیس صحابی و کعب بن الجراح۔ جکا ذکر اوپر گزر چکا ان سے استفادہ کرتے تھے
تضا کا عہد بھی آنکھ ملا تھا۔ سالہ ۴۷ میں پیدا ہوئے۔ اور ۵۸ھ میں وفات کی۔

قاسم بن معن

بہت بڑے نامور شخص تھے۔ صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایت کی ہے اگرچہ
انکو حدیث و فقہ میں بھی کمال تھا۔ لیکن عربیت و ادب میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے امام
محمدؑ کی خدمت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ خلیفہ نے انکو کوفہ کا چنی
مقرر کیا۔ مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ لیکن تنخواہ کبھی نہیں لی +

امام ابو حنیفہ کو ان سے خاص محبت تھی۔ یہ بھی منجملہ ان لوگوں کے ہیں جنکی نسبت امام حنیفہ
فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کے مٹانے والے ہو۔ انکو بھی
امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص تھا۔ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فقہ و عربیت دونوں
کے امام ہیں۔ ان دونوں علموں میں ہے وسیع کون علم ہے؟ فرمایا کہ ”واللہ امام ابو حنیفہ
کی ایک تحریر کل فن عربیت پر بھاری ہے“ ۵۸ھ میں وفات کی۔

اسد بن عمرو

یہ پہلے شخص ہیں جنکو امام ابو حنیفہ کی مجلس تصنیف میں۔ تحریر کا کام سپرد ہوا۔ بہت بڑے
رتبہ کے شخص تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی ہے اور یحییٰ بن معین نے انکو
ثقہ کہا ہے۔ ہلال رازی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہارون الرشید کے معتمد گیا۔ طواف سے فارغ
ہو کر کعبہ میں داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تمام اہل دربار اور اعیان ہاشم کہہ رہے تھے مگر

ایک شخص ہرون الرشید کے برابر بیٹھا۔ مجھ کو نہایت تعجب ہوا۔ لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسد بن عمرو ہیں۔

علی بن اسحاق

فہم حدیث امام اعمش و ہشام بن عروہ سے چل کیا تھا۔ امام بخاری و مسلم نے انکی روایت سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ امام احمد بن حنبل انکے فضل و کمال کا اعتراف کرتے تھے امام سفیان ثوری نے امام ابو حنیفہ کی تصنیفات پر جو اطلاق چل کی انہیں کے ذریعہ سے کی۔ موصول کے قاضی تھے۔ ۱۸۹ھ میں انتقال کیا۔

عافیہ بن زید

یہ وہی بزرگ ہیں جنکی نسبت امام ابو حنیفہ مجلس تصنیف میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تک عافیہ نہ آچکیں کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کروں۔ علامہ ذہبی نے انکی نسبت لکھا ہے کہ کان من حیاد القضاۃ۔

حبان

کثیر الروایت تھے۔ ابن ماجہ میں انکی روایت سے متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ امام ابو حنیفہ انکی قوت حفظ کے بہت مدح تھے۔ ۲۱۰ھ میں وفات کی۔

۱۵ ابواہر المصنفۃ ۱۱

۱۶ یہ حالات مجھ کو صرف ابواہر المصنفیت سے معلوم ہوئے ۱۲۔

منہل

جہان کے بھائی تھے۔ امام اعظم و ہشام بن عروہ و عبدالملک بن عمیر و عاصم بن
 امام ابو حنیفہ سے حدیثیں روایت کیں۔ نہایت متورع اور پرہیزگار تھے۔ ۱۶۹ھ
 میں انتقال کیا انکے بھائی جہان نے نہایت با اثر مرثیہ لکھا ہے علامہ ذہبی نے میزان
 الاعتدال میں اس کے چند اشعار نقل کئے ہیں۔ دو شعر یہ ہیں۔

فَإِذَا ذُكِرْتُ فَقَدْ أَنْ رَحِي انْقَلَبْتُ فِي خُرَاشِي أَرْحَا
 وَاجِ أَيْ رَاجِ مِثْلِ رَحِي قَدْ جَرَى فِي كُلِّ خَيْرٍ سَبَقَا

تیرا کہنے

افسانہ یارِ ان کہن غم اندم رفتم دریاب کہ لعل و گهر افشانم رفتم

۱۵۔ دسمبر ۱۸۹۳ء

مقام علی گڑھ

شبلی نعمانی

| | | |
|--|-------------------------------------|--|
| تذکرہ خواہن تیموریہ | وغیرہ وغیرہ کا بڑے بسط و توضیح | تذکرہ کن اور معتبر ذریعوں سے |
| جن میں دنیا کے نامور و مشہور خاندان کے ساتھ ذکر کر کے اسکے نامور | مختص کی گئی ہے شاہ ولی اللہ صاحب | |
| تیموریہ کی پاکدامن اور عفت ناپ | فرزند تیمور شاہ اور بیدار بخت | اور ان کے خاندان کے متعلق تقریباً |
| مشاہیر بیگمات کے علاوہ بہت سی | پونے زمانہ شاہ کی عہد سلطنت کے | دو سو حضرات کے واقعات اور |
| ان عفت کی دیویوں اور شریف | تمام واقعات نہایت دلچسپی اور | ان کے سچے اور تاریخی مستند اور عجیب |
| خاتون کے نہایت دلچسپ مذرت | عہدگی کے ساتھ بیان کئے گئے | حالات اور ان کے چاروں بچے تار |
| کتاب تاریخی واقعات اور حیرت انگیز | ہیں اور ساتھ ہی ان پر زور لگادیا | یعنی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب |
| حالات بسط و شرح کے ساتھ سلسلہ | اور باہمی خانہ جنگیوں کا بھی تذکرہ | مولانا شاہ رفیع الدین صاحب مولانا |
| دار تبریب حروف تہی اردو کی | سے جو ان تینوں نامور حکمرانوں کے | شاہ عبدالقادر صاحب مولانا |
| مقبول طرز اور مرغوب پیرایہ میں | عہد حکومت میں پھیلین اور فرد | شاہ عبدالغنی صاحب کے مفصل و مکمل |
| لکھے گئے ہیں جو اس عظیم الشان | ہوئے غرضکہ شمسہ ہجری سے | سوانحیات اس کتاب کا مطالعہ کچھ |
| خاندان کے سلسلہ سے تعلق رکھتی | سلسلہ ہجری تک کے تمام واقعات | ایسا پروردہ غفلت اور ٹھکانا ہے |
| ہیں قیمت ہر دو جلد کا | دس روپے قیمت ہے | گو یاد رکھئے والا خود ان کے حلقہ میں داخل ہے |
| دولت درانیہ جس میں احمد شاہ | حیات ملی - یہ ایک جدید اور قابل | قیمت فی جلد عا |
| درانی والی افغانستان کے مفصل | تذکرہ کتاب ہر جمین عارف بالمدحضرت | مثنوی شمسہ غم یعنی حسن شاہ |
| حالات زندگی - آغاز سلطنت | شاہ ولی اللہ اور ان کے محترم خاندان | اور خانم جان کا وہ دردناک اور بچاؤ |
| ہندوستان پر ستوا تر چلے سکھوں | کی سولہ عمری کا دلچسپ و مفصل | تاریخی قصہ جو شمسہ ناول سے لیکر گلزار |
| اور دکنیوں کی شہ ورمعہ کر | حال اور بابرکت اور عالی خاندان | نسیم کی بحر میں نہایت ہی معنی خیز |
| آریماں ہندوستان کے فتوحات کی | سچی تاریخ ہے جو نہایت مستند | اختصار میں نظم کیا گیا قیمت ۸ |

اخبار قومی و نسبیق ۷

ایک نہایت عجیب و غریب اور بے انتہاد کچھ قابل قدر پندرہ روزہ اخبار جس میں لائق فائق جادو نگاروں اور معرکہ انشا پر وازی کے شہسواروں کی چوٹ اور پُر لطف اور قیمتی مورخانہ و اخلاقی مضامین ہمیشہ درج ہوا کرتے ہیں ہر نمبر میں شاہان اسلام کے کارنامے اور پُر فخر واقعات یا معجزات کے اکابر و اسلاف کے معنی خیز حالات کے علاوہ تذکرہ خوانین ہند کے ۲ جز بہم کاغذ کے پیمانے پر ہر نمبر کے ساتھ سلسلہ وار شائع ہوا کرتے ہیں جو بالکل ایک نئی اور نازک ترین تصنیف کتاب ہے۔ اور حسین اول تاجدار ہند بابر بادشاہ سے لیکر آخر فرمانروایان ہند تک تمام مشہور اور نامور بیگمات کے تفصیل دار حالات اور انشا پر وازی کی خاص نشان اور نہایت دلگیر عبارت میں لکھے گئے ہیں اور نیز اسمین پردہ کے مخالفوں کو دندان شکن جواب دیے جاتے ہیں پتہ پورے تین جز جنوری ۱۹۰۶ء سے جاری ہے۔ ہمارے قدیم و جدید معاون اسکی سرپرستی فرما کر بہت جلد درخواستیں بھیجیں اور وی۔ پی کی اجازت دین قیمت سالانہ بیسگی مع محصول تین

المنشد
سید ظہور الحسن موسوی مالک قومی پریس۔ دہلی کٹرہ نظام الملک یو جاس

444592

CALL No. { } ACC. No. 2419A

AUTHOR

TITLE

R2506.94

R0372.97

G1302.05

T2711.08

T2305.09



MAULANA AZAD LIBRARY **ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY**

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over - due.

